مکتی باہنی سے آپریشن بلیو سٹار تک

طارق اسمٰعیل ساگر

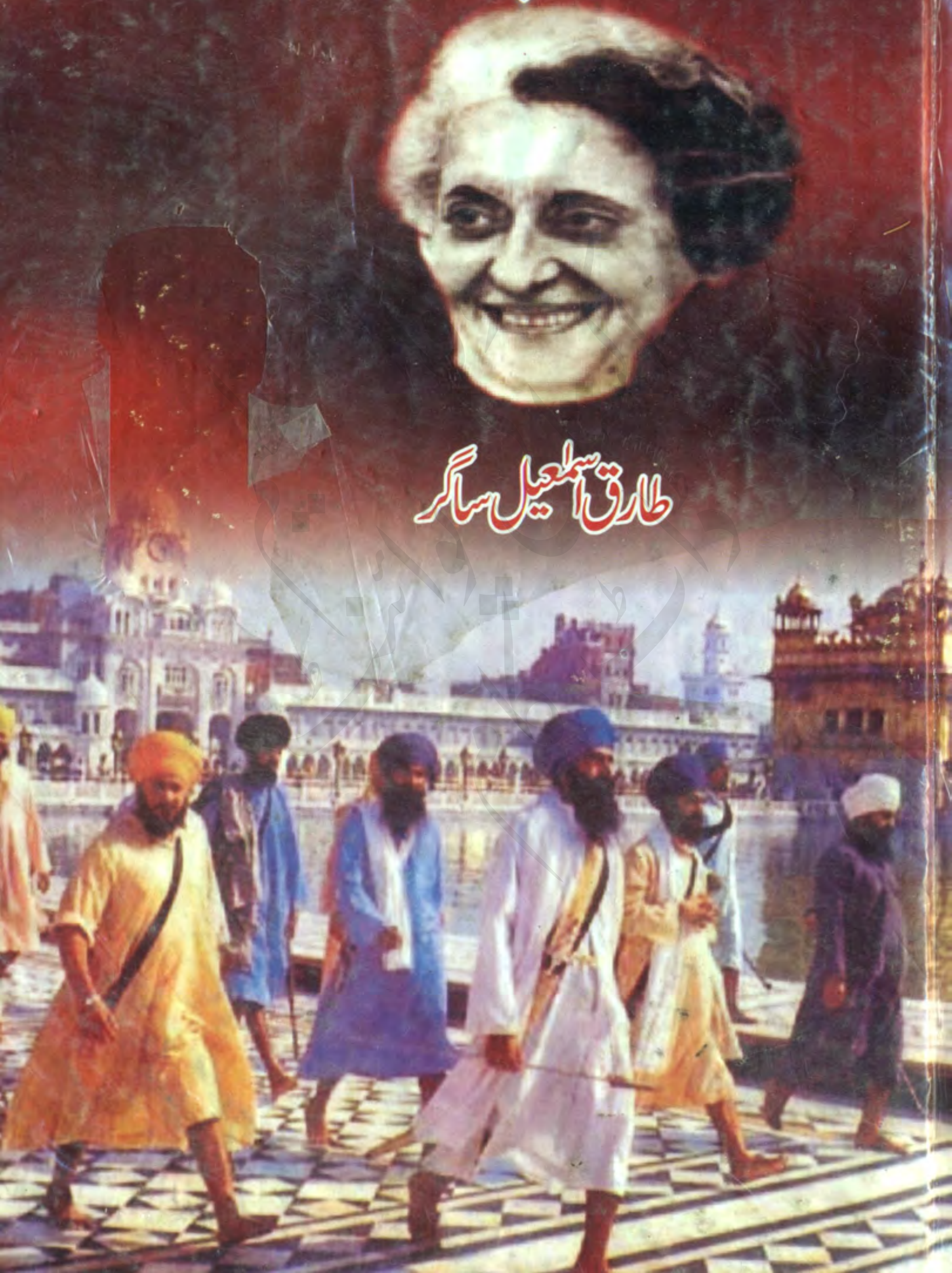

آج کا سچ!

بنگلہ دیش کی وزیراعظم محترمہ شیخ حسینہ واجد کی طرف سے غیر بنگالی ''مسلم اقلیت'' کے خلاف ''نورمبرگ'' ٹائپ عدالتیں لگانے کی خبر نے تاریخ کے ہر ذی شعور طالبعلم کو بوکھلا کر رکھ دیا ہے۔
محض اقتدار کے حصول کے لئے (جس سے زیادہ بے اعتبار کوئی چیز نہیں) حسینہ واجد نے 1971ء میں اپنے والد شیخ مجیب الرحمٰن کے بھارتی حکومت سے ہونے والے خفیہ معاہدے پر عمل درآمد کی یقین دہانی کروائی ہے جس کو ان کے والد گرامی سمیت کسی بنگلہ دیشی لیڈر نے کبھی تسلیم نہیں کیا۔ اس خفیہ معاہدے کی ایک شق کے مطابق انہوں نے بنگلہ دیش کے بیشتر خارجی مسائل کی ذمہ داری بھارت کو سونپ دی ہے اور اس کا آغاز بنگلہ دیش کے کابل میں کھلنے والے سفارتخانے سے ہوگا جس کا 90 فیصد عملہ بھارتی ہوگا جو بنگلہ دیشی سفارتکاروں کی ''تربیت'' کرے گا۔
''تربیت'' کا یہ سلسلہ شیخ حسینہ واجد نے پہلے ہی دلی میں شروع کروادیا ہے۔ ظاہر ہے بنگلہ دیش کا یہ کابلی سفارتخانہ ''را'' کا ایک اور مضبوط اڈہ بنے گا۔ جس پر لیبل ''بنگلہ دیش'' کا چسپاں ہوگا۔ یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا کہ اس سارے کھیل کا انجام کیا ہوگا لیکن تاریخ کے ایک ادنی طالبعلم کی حیثیت سے میں نے اس کتاب میں کچھ ایسی بنیادی سچائیاں پیش کرنے کی جسارت کی ہے جن پر ایک سازش کے تحت اتنی دھول جمادی گئی ہے کہ اب وہاں صرف خاک اڑتی دکھائی دیتی ہے۔
محترمہ حسینہ واجد جس ''مکتی باہنی'' کا دور واپس لانا چاہتی ہیں وہ ان کے والد مرحوم نے نہیں ''را'' نے قائم کی تھی اور اپنے مخصوص ایجنڈے پر عمل پیرا ہونے کے لئے اسے قائم کیا تھا۔ آج بھی ''مکتی باہنی'' کی باقیات بنگلہ دیش میں اس ایجنڈے پر کام کر رہی ہیں جس کا بنیادی مقصد بنگلہ دیش کو بھارت کی بھوٹان کی طرح طفیلی ریاست بنانا ہے اور بدقسمتی سے شیخ حسینہ واجد بھی اس ''سازش'' کا حصہ بننے جا رہی ہیں۔

میں نے اس کتاب میں ''مکتی باہنی'' سے آپریشن ''بلیو سٹار'' تک کی کہانی لکھی ہے کیونکہ ان دونوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ ''را'' نے ''مکتی باہنی'' کی کمان بھارتی میجر جنرل شوبیگ سنگھ کو سونپی تھی اور جب بھارتی فوجیں سکھوں کے متبرک ترین مقام ''دربار صاحب امرتسر'' پر حملہ آور ہوئیں تو یہی جنرل شوبیگ سنگھ خالصتانی سکھوں کی کمان کرتا ہوا اپنے ساتھیوں سمیت دربار صاحب میں مارا گیا تھا۔ یہ انقلاب کیسے آیا؟ کن حالات نے جنرل شوبیگ سنگھ کو اس ''انقلابی تبدیلی'' پر مجبور کیا۔ میں نے یہی بتانے کی کوشش کی ہے مجھے دعویٰ تو نہیں لیکن یقین ہے کہ سکھوں کی علیحدگی پسند تحریک کے حوالے سے میری اطلاعات مستند ہیں۔

1978ء کے اوائل میں بھارتی پنجاب کے سابق ایم۔ ایل۔ اے (ممبر لیجسلیٹو، اسمبلی) اور ممتاز سیاستدان سردار نریندر سنگھ بھلہیر کی کتاب ''سکھوں کے لئے ہندو اچھے یا مسلمان'' مجھے ایک بزرگ دوست کے ہاں دیکھنے اور پڑھنے کا موقعہ ملا۔ کتاب اردو زبان میں چھپی تھی اور شاید پٹیالہ سے شائع کی گئی تھی۔ یہی کتاب تحریک خالصتان سے میری دلچسپی کا باعث بنی۔ میری والدہ مہاجر اور والد مقامی ہیں۔ اپنی والدہ اور دوسرے بزرگوں سے میں نے اس سے پہلے 1947ء میں تقسیم ہند پر سکھوں کی طرف سے مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے لرزہ خیز مظالم کی وہ کہانیاں سن تھیں کہ الامان الحفیظ! میں سوچتا تھا دنیا میں کوئی ایسی بے رحم قوم بھی ہو سکتی ہے جو اپنے سینکڑوں سال کے ہمسایوں کے ساتھ محض اس بنیاد پر کہ ان کا مذہب الگ ہے اس طرح کے بہیمانہ ظلم ڈھائے۔ شاید ان لوگوں کا تعلق انسانوں کے قبیلے سے ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن سردار نریندر سنگھ بھلہیر کی کتاب ''سکھوں کے لئے ہندو اچھے یا مسلمان'' پڑھ کر میں کم از کم یہ ضرور سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ جو اندازے میں نے قائم کر لئے ہیں وہ تمام کے تمام سو فیصد صحیح نہیں سکھ بھی انسان ہیں اور چانکیائی سیاست کے اس انداز میں شکار ہوئے جس طرح قوم پرست مسلمان ہوئے تھے جنہوں نے مسلم لیگ کی مخالفت کی۔ قیام پاکستان کی مخالفت کی۔ یہ الگ بات ہے کہ جب پاکستان بن گیا تو پھر انہی لوگوں نے نہ صرف یہ کہ اپنے ہاتھ خوب رنگے، بلکہ دیکھتی آنکھوں اور سنتے کانوں نے یہ بھی دیکھا اور سنا کہ وہ ریک پاکستان کے داعی بن کر بیٹھ گئے ------------!!! اس سے بڑا تاریخی فراڈ کیا ہو سکتا تھا کہ تحریک پاکستان کے مخالفین نے تحریک پاکستان کے جانثاروں کا لبادہ اوڑھ لیا۔ لیکن ---- جس تاریخی دھاندلی کا شکار پاکستانی مسلمان ہو رہے ہیں بہت عرصہ پہلے سکھ بھی اس کا

شکار ہو گئے تھے۔ یہ تھا وہ پہلا تاثر جو میں نے قائم کیا۔ برہمن ازم کے مسلسل مطالعے، تجربے اور مشاہدے کے بعد پھر یہ بات میرے ایقان کا حصہ بنتی چلی گئی اور میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوا کہ برہمن کے پاس اور کوئی طاقت ہو یا نہ ہو وہ انسان کو گمراہ ضرور کر سکتا ہے۔ میری دانست میں برہمن ازم کو اس سے زیادہ بہترین خراج تحسین پیش نہیں کیا جا سکتا۔ مروجہ بھارتی سیاسیات کا امام کوٹلیہ تھا جو خود کو بڑے فخر سے ''چانکیہ'' کہلاتا تھا اور ''چانکیہ'' لفظ کا مطلب ہے مکار یا ایسا چالاک جو دغابازی میں مہارت رکھتا ہو۔ اس لقب یا تخلص پر کوٹلیہ کو بڑا فخر تھا ''ارتھ شاستر'' اور ''منو جی سمرتی'' کی شکل میں ہندو سیاست کے اساتذہ نے اپنی آنے والی نسلوں کے لئے ایسا ''طریق سیاست'' منضبط کر دیا ہے جو مروجہ سیاسیات میں کبھی برہمن کو مار کھانے نہیں دے گا۔ عالمی شہرت یافتہ ماہر سیاسیات ''نارتھراپ'' نے میکیاولی کی ''دی پرنس'' اور منو جی سمرتی'' کا موازنہ کرنے کے بعد کہا تھا کہ ''دی پرنس'' کی مثال ''منو جی سمرتی'' کے سامنے ایسے ہے جیسے کوئی چرواہن کسی میمنے کو گود میں لے کر کھڑی رہی ہو۔

ہمارے سادہ لوح عوام کو اس بات کا علم نہیں کہ آج بھی بھارتی سیاستدانوں کے نزدیک ''منو جی سمرتی'' اور ''ارتھ شاستر'' کو وہ مقام حاصل ہے جو ان کی ''رامائن'' اور ''گیتا'' کو ہے۔ یہ تھی وہ صدیوں کی تربیت یافتہ اور سیاسی داؤ پیچ جاننے والی قوم جس کو سکھوں کی لیڈر شپ نے اپنا دوست جان لیا تھا یا جاننے پر مجبور کر دیئے گئے تھے اس دوستی کا انجام اتنا ہی بھیانک ہو سکتا ہے جتنا کہ مشاہدے میں آ رہا ہے۔ جس کا رونا آج سکھ دانشور رو رہا ہے۔

میں سردار نریندر سنگھ بھلہیر کی بات کر رہا تھا۔ جنہوں نے تقسیم ہندوستان کے بعد بھارت میں سکھوں کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا تفصیلی جائزہ لیا پھر ان کے الزامات کو دہرایا جو ہندوؤں نے بڑی مکاری سے سکھوں کے دماغ میں مسلمانوں کے خلاف پیدا کیے اور آخر میں یہ رائے قائم کی کہ بالفرض مسلمانوں کے خلاف لگائے جانے والے یہ الزامات ٹھیک بھی ہوں تب بھی مسلمانوں نے ہم پر اتنے ظلم نہیں کیے جتنے ہندوؤں کی طرف سے کیے گئے ہیں اور ثابت کیا کہ اگر ہندوؤں کے لگائے الزامات درست بھی تسلیم کر لئے جائیں تو بھی مسلمان ہمارے لئے ہندوؤں سے بہتر حکمران تھے کہ کم از کم اس دور میں ہم خود پر ڈھائے جانے والے مظالم کے خلاف آواز تو بلند کر سکتے تھے۔ تاریخ شاہد ہے کہ سیاسی اختلافات اور ہوس ملک گیری نے حکمرانوں کو ہمیشہ اندھا کیے رکھا اور انہوں

نے اقتدار حاصل کرنے کے لئے ناجائز کو جائز اور حرام کو حلال بنایا-----!

یہ عمل کسی نہ کسی صورت آج بھی جاری وساری ہے۔

کیا آج کی مہذب دنیا میں سیاست کے نام پر جرائم نہیں ہو رہے؟

کیا آج کا ترقی یافتہ انسان ہوس اقتدار میں اندھا ہو کر وہ کچھ نہیں کر گزرتا جو شاید پتھر کے دور کا انسان بھی نہیں کر سکتا تھا۔

ہندو کی چالبازیوں میں پھنسا سکھ ودوان یہ کیوں بھول گیا کہ مہاراجا رنجیت سنگھ نے اپنی سکھا شاہی کا آغاز ہی اپنی بیوہ ماں کے قتل سے کیا تھا، جسے اپنے راستے سے ہٹانے کے لئے مہاراجا نے اپنے ہاتھوں سے زہر دیا تھا اپنی بیوہ ساس رانی سدا کور کو بہانے سے بلا کر قید کیا اور مرنے تک پھر وہ کبھی آزاد نہ ہو سکی۔ یہ وہی رانی سدا کور تھی جس نے ہر آڑے وقت میں مہاراجا رنجیت سنگھ کی مدد کی اور مہاراجا نے تمام دشمن اس کی مدد سے زیر کرنے کے بعد پھر اس سے بھی نصف علاقہ طلب کر لیا انکار پر اسے قید کر کے قید ہی میں مرجانے پر مجبور کر دیا۔

بندہ بیراگی جسے سکھ بندہ بہادر بھی کہتے ہیں مسلمانوں پر کس کس طرح قیامت ڈھاتا رہا اس سے متعلق مشہور سکھ سکالر گیانی گیان سنگھ جی کا بیان ہے:

بال بردھ نہ ترن نجائے
پھڑ پھڑ بندے قتل کرائے
ترکنیاں کے پیٹوں بچے
بہہ کڈھوائے ہنے تب کچے

(پنتھ پرکاش صفحہ 272 بسرام 27 چھاپہ پتھر)

ترجمہ: بندہ بہادر جی نے کوئی عورت اور بچہ نہ چھوڑا یہاں تک کہ حاملہ عورتوں کے شکم چاک کر کے ان کے بچے نکلوائے اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔

پروفیسر نرنجن سنگھ ایم ایس سی لکھتے ہیں۔

''سکھ تاریخ پر اگر کوئی سیاہ دھبہ ہے تو وہ بابا بندہ کے زمانے کے مظالم ہیں۔'' (رسالہ نویاں قیمتاں نومبر 1948)

انگریز دور حکومت نے یوں تو برصغیر کو بہت سی لعنتوں سے نوازا لیکن ان کے دور میں لکھی گئی

تاریخ جو انگریزی حکمرانوں کے ایما پر زر خرید مصنفین سے لکھوائی گئی اس دور کی بدترین یادگار ہے جسے ''اتہاس'' History کہنا تاریخ کو گالی دینے کے مترادف ہے۔ ان تاریخ نگاروں کا منشا برصغیر میں مختلف مذاہب کے پیروکاروں کو ایک دوسرے کے خلاف سرگرم عمل رکھنا اور ایک دوسرے کے خلاف نفرت، بغض اور عداوت کے جذبات کو مہمیز لگانا تھا۔

اس تاریخ میں خصوصاً مسلمان حکمرانوں کو ہدف تنقید بنایا گیا اور ان کے دور حکومت کی وہ گھناؤنی شکل پیش کی گئی کہ عام آدمی گمراہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مسلمانوں اور انگریزوں کے درمیان اس جنگ کا ہندو سے زیادہ بہتر فائدہ اور کون اٹھا سکتا تھا جو پہلے ہی مسلمانوں کے خلاف دانت تیز کیے بیٹھے تھے۔ انہوں نے واقعات کو مزید بڑھا چڑھا کر اور مرچ مصالحہ لگا کر پیش کیا اور برصغیر کی دوسری جنگجو اور بہادر قوم سکھوں کو اس حد تک گمراہ کر دیا کہ وہ سب کچھ بھول بھلا کر مسلمانوں کے خلاف ہی صف آرا ہو گئے۔ مسلمان حکمرانوں کے خلاف سب سے بڑا الزام یہ لگایا گیا کہ انہوں نے اپنے دور حکومت میں بڑے بڑے ہندو مندر ڈھائے اور سکھوں کو بے وقوف بنانے کے لئے ان کی انا کے غبارے میں یہ کہہ کر ہوا بھری گئی کہ ان کے گوروؤں نے ساری زندگی ہندوؤں کی حمایت میں مسلمانوں سے جنگ لڑی۔ اس طرح یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ سکھوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے گوروؤں کی تعلیمات مانتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کا ساتھ دیں۔

تاریخ بتاتی ہے کہ خود ہندوؤں کے مختلف فرقوں نے ایک دوسرے کے مندر اور مورتیاں برباد کیں۔ پنڈت دیانند جی اپنی مشہور و معروف کتاب ستیارتھ پرکاش میں لکھتے ہیں:

''سوامی شنکر اچاریہ نے دس برس تک تمام آریہ ورت میں دورہ کر کے جینیوں کے مت (دھرم) کا کھنڈن اور ویدک دھرم کا منڈن کیا۔ شنکر اچاریہ کے دور حکومت میں جینیوں کے بت توڑے گئے۔ چنانچہ آج تک ان کے ٹوٹے اور سالم بت جو دریافت ہو رہے ہیں اس دور کی یادگار ہیں۔ اس زمانے میں جینیوں نے ڈر کے مارے اپنے سالم بت زمین میں گاڑ دیئے تھے کہ توڑے نہ جائیں وہی اب تک بعض مقامات سے دریافت ہو رہے ہیں۔

(ستیارتھ پرکاش سماس 11 صفحہ 375)

سکھوں نے اپنے دور حکومت میں مساجد اور مندر دونوں مسمار کیے اس سلسلے میں درجنوں مثالیں سکھ تاریخ نویسوں کی کتابوں سے بھی دی جا سکتی ہیں، لیکن اس کی ضرورت اس لئے نہیں کہ کوئی عقل

مند سکھ اس سے انکار نہیں کرے گا۔ اس سلسلے کی ایک بہترین مثال سکھ مذہب کی اصطلاح ''مست گڑھ'' ہے۔

''مست گڑھ'' کا مطلب ہے وہ گوردوارہ جو کسی مسجد میں قائم کیا جائے یا کسی مسجد کو گوردوارہ کی شکل میں تبدیل کیا جائے جیسا کہ سردار بہادر کاہن سنگھ جی نابھ لکھتے ہیں۔

''مست گڑھ۔ وہ مسجد جہاں گورگرنتھ صاحب کا پرکاش کیا گیا ہے۔ مسجد کی جگہ بنایا گیا گوردوارہ ہے۔

(مہان کوش صفحہ 1127)

''مساجد جو سکھوں کے قبضہ میں آئیں اور جو گوروگرنتھ صاحب کا پرکاش کر کے دھرم سالہ بنائی گئیں۔ مست گڑھ کے نام سے مشہور ہوئیں۔

(گڑ گج بولے)

''مست گڑھ۔۔۔ مسجد میں نیا گوردوارہ۔

(خالصئی بولے صفحہ 26)

O

یہ بحث بھی ہوتی رہے گی کہ اقتدار ملنے پر کس حد تک کسی قوم یا کسی مذہب کے پیروکار دوسرے مذاہب سے متعلق اپنے نیک جذبات برقرار رکھ سکتے ہیں۔ جہاں تک مذہبی تعلیمات کا تعلق ہے تو ادیان عالم میں سے کوئی بھی دوسرے کی عبادت گاہ کو ڈھانے کی تعلیم نہیں دیتا۔ اسلام نے خصوصاً اس ضمن میں اپنے پیروکاروں کو تاکید کی ہے اور سختی سے دیگر مذاہب کی عبادت گاہوں کو نہ صرف یہ کہ مسمار کرنے سے روکا ہے بلکہ حالت جنگ میں بھی انہیں ''عافیت گاہیں'' قرار دیا اور یہاں موجود دوسرے مذہب کے پیروکاروں کو ''پناہ'' کا درجہ دیا گیا۔

1857 کی جنگ آزادی کے بعد انگریزوں نے مسلمانوں کو اپنا نمبر ایک دشمن نامزد کر دیا تھا اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ جہاں تک براہ راست ٹکراؤ کا تعلق ہے تو مسلمانوں کے بعد اگر کوئی دوسری قوم ان کے خلاف صف آرا ہوگی تو وہ سکھ ہوں گے ان سکھوں کو قابو کرنے کا اس سے بہترین طریقہ اور کیا تھا کہ انہیں مسلمانوں سے ٹکرا دیا جاتا اس سلسلے میں ہندو کی بلا معاوضہ خدمات ان کے پاس موجود تھیں۔ ہندو اور انگریز نے ایک مشترکہ سازش کے تحت سکھوں کو کانگریس کی جھولی میں ڈال دیا اور

ماسٹر تارا سنگھ، سردار بلدیو سنگھ اور مہاراجا پٹیالہ جیسے لیڈروں کو سکھوں پر مسلط کر کے ''مطلوبہ نتائج'' حاصل کیے۔ سکھوں کو کانگریس نے کس طرح استعمال کیا؟

کیا قائداعظم نے تقسیم پنجاب کو روکنے کے لئے کوئی کوشش نہیں کی؟

ان سوالات کے جوابات لازم ہیں ورنہ آج کے پاکستانی نوجوان کو کبھی قائداعظمؒ کی عظمت کا صحیح احساس نہیں ہو سکے گا نہ ہی اسے ''پاکستان کے قیام'' کی ضرورت سمجھ آ سکے گی۔

آیئے پہلے آپ کو مشہور صحافی قائداعظم اور علامہ اقبال کے قریبی ساتھی میاں محمد شفیع (م۔ش) کی روزنامہ نوائے وقت مورخہ 5 دسمبر 1965 کو چھپی م۔ش کی ڈائری کا مطالعہ کروا دوں کہ اس سے بہت سے رازوں سے پردہ اٹھ جائے گا۔

(م۔ش کی ڈائری)

''یہ ایک خط کی کہانی ہے جو مکتوب الیہ قائداعظم کو ملنے کی بجائے پنڈت نہرو کی فائل میں پہنچ گیا۔ تفصیل اس احوال کی یوں ہے۔ قائداعظمؒ کو پنجاب کی سکھ اقلیت سے بڑی ہمدردی تھی یہ خیال تھا کہ اگر پنجاب کے چھپن فیصد مسلمان 13 فیصد سکھوں سے مل کر کانگرس کے خلاف سانجھا مورچہ بنا سکیں تو اس سے نہ صرف پنجاب کو تقسیم ہونے سے محفوظ رکھا جا سکے گا بلکہ پنجاب کی مثال سے ہندوستان کے دوسرے صوبے بھی غیر ضروری قتل و غارت سے محفوظ بنائے جا سکیں گے اور پنجاب میں سکھ مسلم مفاہمت سے سکھوں اور مسلمانوں کے درمیان دوسرے بے شمار متنازعہ فیہ امور کے سلجھانے کی راہ نکل آئے گی اس خیال سے قائداعظم اور سکھوں کے بعض لیڈروں خصوصاً گیانی کرتار سنگھ کے درمیان کئی میٹنگیں بھی ہوئیں لیکن اس اثناء میں مہاراجا پٹیالہ اور سردار بلدیو سنگھ جن کا اکالیوں کی سیاسیات میں بڑا عمل دخل ہو چکا تھا سکھوں کو کانگریس کے نزدیک لانے میں کامیاب ہو چکے تھے چنانچہ سکھ لیڈر عموماً مسلم لیگ کے خلاف ہنکارنے میں دن رات مصروف رہتے تھے۔

اس صورت حال کو دیکھ کر ایک موقع پر قائداعظم نے ایک اخباری بیان میں اعلان فرمایا کہ سکھوں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے کے خلاف باتیں کرنے کی بجائے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر باتیں کرنی چاہئیں۔ ان کے اس اعلان کے بعد آل انڈیا سکھ یوتھ لیگ کے بعض اراکین نے جن میں سردار امر سنگھ انبالوی پیش پیش تھے۔ حمید نظامی مرحوم کی وساطت سے قائداعظم سے ممدوٹ ولا میں ملاقات کی۔ سکھ نوجوانوں کے اس سوال کے جواب میں کہ آپس میں مل کر باتیں کرنے کی کیا

صورت ہوسکتی ہے۔ قائداعظم نے انہیں یہ مشورہ دیا کہ زمین و آسمان کی باتیں کرنے کی بجائے سکھوں کو اپنے مطالبات کو قلمبند کرنا چاہیے جہاں تک مسلم لیگ کا تعلق ہے وہ ان پر دانشمندی اور ہمدردی سے غور کرے گی۔

سکھ نوجوانوں نے قائداعظم کا یہ پیغام اپنے لیڈروں کے کانوں تک پہنچایا اور اس بات پر اصرار کیا کہ کم از کم اتمام حجت کے طور پر قائداعظم تک سکھوں کے مطالبات پہنچنے چاہئیں چنانچہ گیانی کرتار سنگھ نے جنہیں ''سکھوں کا دماغ'' سمجھا جاتا تھا قائداعظم کے نام ایک خط ڈرافٹ کیا جس میں سکھوں کے مطالبات کی سیاسی مذہبی اور ثقافتی شقوں کے ماتحت گردان کی گئی تھی اس میں صوبے کے علاوہ مرکز میں فوجی اور سول ملازمتوں میں سکھوں کے تناسب پر اصرار تھا۔ سکھ ریاستوں پٹیالہ، نابھ، جنید، فریدکوٹ اور کپورتھلہ کے مستقبل کے متعلق ضمانت طلب کی گئی تھی اور اس بات کی آئینی ضمانت مانگی گئی تھی کہ متحدہ پنجاب میں وزیراعظم اور گورنر کے عہدوں میں سے ایک پر ہمیشہ سکھ کو فائز رکھا جائے گا۔ جہاں تک سکھوں کے گوردواروں کا تعلق تھا ان کے مالیات انتظامات اور انتخابات پر سکھوں کے لئے خودمختاری کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ ان مطالبات کی اہم ترین شق یہ تھی کہ پاکستان کی کسی صوبائی یا مرکزی اسمبلی کو سکھوں کی مرضی کے بغیر ایسے مسائل پر جن کا تعلق سکھوں کے مذہبی مسائل سے ہو قانون سازی کا حق حاصل نہیں ہوگا اس خط کا آخری فقرہ یہ تھا جس طرح برطانیہ کی پارلیمینٹ کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ ووٹوں کی اکثریت سے بادشاہت کے خاتمہ کا قانون بنا سکے اسی طرح پاکستان کی مجوزہ کسی صوبائی یا مرکزی اسمبلی کو محض اکثریت کے بل بوتے پر سکھوں کے مذہبی معاملات پر قانون سازی کا اختیار حاصل نہیں ہوگا۔

اس خط میں گیانی کرتار سنگھ نے قائداعظم کو یہ یقین دلایا تھا کہ اگر مسلم لیگ سکھوں کے ان کم از کم مطالبات کو قبول کر لے تو اکالی دل اور مسلم لیگ دونوں مل کر پنجاب کو متحد رکھنے کے لئے جدوجہد کریں گے گیانی کرتار سنگھ نے یہ میمورنڈم ماسٹر تارا سنگھ کو بھی پڑھایا اور جب انہوں نے اس پر صاد کر دیا تو Post Script کے طور پر یہ فقرہ ایزاد کیا گیا ''ماسٹر تارا سنگھ اس دستاویزات کے مندرجات سے متفق ہیں۔'' جب یہ میمورنڈم ٹائپ ہو کر تیار ہوگیا تو یہ فیصلہ ہوا کہ اسے ڈاک میں بھیجنے کی بجائے کسی قابل اعتماد قاصد کے ذریعے قائداعظم تک پہنچایا جائے قرعہ فال گیانی کرتار سنگھ کے ایک خاص محرم راز گوپال سنگھ دردی کے نام پڑا۔ گیانی جی نے دردی کو بلا کر میمورنڈم ان کے حوالے کرتے

ہوئے تاکید کی کہ وہ دہلی جا کر جہاں قائداعظم ان دنوں اورنگ زیب روڈ پر مقیم تھے یہ اہم دستاویز انہیں دے آئیں۔ مسٹر دردی نے دہلی پہنچ کر اورنگ زیب روڈ کی بجائے برلا ہاؤس کا رخ کیا جہاں ان دنوں کانگرس کا کوئی اجلاس جاری تھا اور یہ کاغذات قائداعظم کی بجائے پنڈت جواہر لال نہرو کے سپرد کر دیئے۔ اس طرح تاریخ میں ایک اور ''اگر'' کا اضافہ ہوگیا۔ اگر وہ کاغذات قائداعظم تک پہنچ جاتے تو عین ممکن ہے کہ اس امر کے باوجود کہ سکھوں کی سیاسیات سردار بلدیو سنگھ کی بھارت سٹیل مل کے مستقبل اور مہاراجا پٹیالہ کی مسلم دشمنی کے باعث کانگرسی سیاسیات کے تابع ہو چکی تھی تاہم اس بات کا امکان تھا کہ پنجاب کو متحد رکھنے کے خیال سے قائداعظم اکالیوں کے مطالبات پر ہمدردانہ غور کرنے پر تیار ہو جاتے اور یہ بھی ممکن ہے کہ باہمی افہام و تفہیم اور عجز و انکسار سے سکھوں اور مسلمانوں میں مفاہمت کی کوئی شکل نکل آتی اور اس طرح اگر پنجاب متحد رہ سکتا تو آج برصغیر کی سیاسیات کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔ یہاں یہ بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ مسٹر گوپال سنگھ دردی کی ان خدمات کے عوض انہیں مشرقی پنجاب میں اپر ہاؤس کا پنڈت نہرو کی خصوصی مداخلت کے بعد رکن منتخب کیا گیا تھا آج سکھ عوام گوپال سنگھ دردی کو مخاطب کر کے کہہ سکتے ہیں۔

قومے فروختند و چہ ارزاں فروختند

سکھوں کے مشہور اخبار جس کو ماسٹر تارا سنگھ دل چلاتا رہا ہے روزنامہ ''جھتیدار'' جالندھر کی 19 اگست 1970ء کی اشاعت میں پاکستان کا دورہ کرنے والے اکالی سکھ لیڈر اور اخبار نویس سردار گورمیت سنگھ ایڈووکیٹ سرسا ضلع حصار پنجاب کا لاہور میں موجود ڈیرہ صاحب گوردوارہ کے گرنتھی آنجہانی گیانی ہری سنگھ کے ساتھ ہونے والے ایک انٹرویو کی اشاعت نے سکھوں کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس انٹرویو کا ایک حصہ پیش خدمت ہے۔

سوال: گیانی جی مجھے علم ہوا ہے کہ آپ پاکستان میں رہنے والے واحد سکھ ہیں؟

جواب: ایسی بات نہیں۔ صوبہ سرحد اور سندھ میں سکھ گھرانے آباد ہیں۔ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہاں میں واحد ایسا سکھ ہوں جس کا تعلق مشرقی پنجاب سے تھا اور میں نے پاکستانی پنجاب میں قیام کو ترجیح دی۔

سوال: آپ کا جنم کہاں اور کب ہوا، ماں باپ کون تھے؟

جواب: میرا جنم 1908ء میں کوٹ بابا دیپ سنگھ ضلع امرتسر میں وا۔ میرے والد کا نام حوالدار

سوہن سنگھ اور والدہ کا نام پریتم کور تھا۔

سوال: میرے علم میں آیا ہے کہ مسٹر جناح سے آپ کے خصوصی تعلقات تھے آپ ان سے سب سے پہلے کب اور کہاں ملے؟

جواب: میری پہلی ملاقات جناح صاحب سے 1946ء میں اورنگ زیب روڈ دہلی میں جہاں وہ قیام پذیر تھے ہوئی۔ میرے ساتھ مشہور سکھ دودان سردار ہزارہ سنگھ مجیٹھ بھی تھے۔

سوال: آپ انہیں کس حیثیت میں اور کس کام سے ملے تھے؟

جواب: میں بابا جیون سنگھ مذہبی دل کا پردھان تھا اور ''دل'' نے ریزولیشن پاس کر کے مجھے اختیار دیا کہ میں جناح صاحب کو ملوں اور اس بات کی کوشش کروں کہ پنجاب کا بٹوارہ نہ ہو اور سکھوں اور مسلمانوں کے درمیان کوئی سمجھوتہ طے پا یا جائے۔

سوال: ایسا ریزولیشن پاس کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

جواب: ہم سوچتے تھے کہ پنجاب کی تقسیم سے سکھوں کو زبردست نقصان ہوگا۔ ہماری جائیدادیں ختم ہو جائیں گی۔ گوردوارے چھن جائیں گے۔ سکھوں کے قتل عام کا خطرہ موجود تھا۔ گورو گوبند سنگھ جی نے فرمایا تھا جو سکھ کسی مسلمان عورت کو بے آبرو کرے گا میرے نزدیک سکھ نہیں رہے گا اور ہمیں محسوس ہو رہا تھا کہ ایسا ہو کر رہے گا اور سکھ اس اصول پر قائم نہیں رہ سکیں گے۔

سوال: جناح صاحب نے آپ کی بات کا جواب کیا دیا؟

جواب: جناح صاحب بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ وہ سکھوں کو پاکستان کے اندر ایک خودمختار سٹیٹ دینے کے لئے تیار ہیں۔ جہاں سکھوں کو مکمل مذہبی اور قانونی آزادی ہوگی۔

سوال: اس سکھ سٹیٹ میں کون سے علاقے شامل کیے جانے تھے؟

جواب: جناح صاحب جالندھر ڈویژن اور ضلع امرتسر کے علاوہ سکھ ریاستوں کو اس میں شامل کرنے پر رضامند ہو گئے تھے اور دوسرے پنجابی علاقوں پر بات چیت کے لئے تیار تھے۔

سوال: پھر اس تجویز کا کیا بنا؟

جواب: جناح صاحب نے ہمارے ذمے ماسٹر تارا سنگھ کو رضامند کرنے کی ذمہ داری لگائی اور کہا کہ ہم ان کی اور ماسٹر تارا سنگھ کی ملاقات کا بندوبست کریں۔ میں جناح کا پیغام لے کر ماسٹر تارا سنگھ کو ان کے گھر سکھ مشنری کالج امرتسر ملا۔ میرے ساتھ تیس چالیس سرکردہ سکھ موجود تھے۔ ماسٹر جی

پاکستانی فوج سے ہمدردی رکھنے والے بنگالی مسلمانوں کو شہید کرنے کے بعد
اُن کی لاشوں کو اس طرح گھسیٹا گیا انسانیت کی یہ توہین صرف ''راء'' کی تربیت یافتہ فوج ہی کر سکتی تھی

بہاری مسلمان لڑکی جس کا جرم پاکستان سے محبت تھا کو مکتی باہنی کے درندوں نے اجتماعی آبرو ریزی کے بعد شہید کیا ایسی ہزاروں کہانیاں آج بھی بنگلہ دیش کے بہاری کیمپوں میں بکھری پڑی ہیں

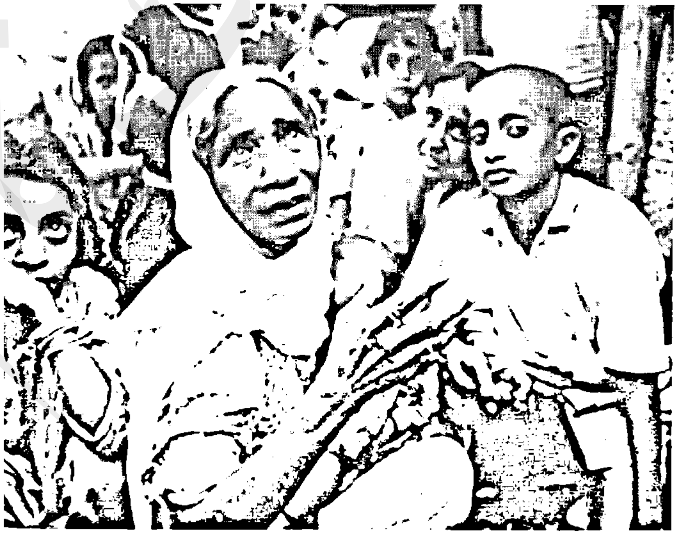

اُوپر کی تصویر میں مکتی باہنی کی درندگی کا شکار پاکستانیوں کی لاشیں اور نیچے شیخ حسینہ واجد کے بنگلہ دیش میں بہاری مسلمانوں کے کیمپ جن کے اجتماعی قتل عام کی سازش تیار ہو رہی ہے

مکتی باہنی کے تربیت یافتہ غنڈوں نے پاکستان نواز مشرقی پاکستانیوں کو اس طرح سنگینوں سے اُن کے جسم ٹکڑے کرنے کے بعد شہید کیا تھا

نے جناح صاحب کو ملنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ وہ راولپنڈی میں قتل ہونے والے سکھوں کا بدلہ ضرور لیں گے۔

سوال: سکھ لیڈروں میں کون کون آپ کے ہم خیال تھے؟

جواب: یوں تو بہت سے سکھ لیڈر میرے ہم خیال تھے لیکن ماسٹر جی کی مخالفت کے خوف سے ڈرتے تھے۔ گیانی کرتار سنگھ جی نے خود کو اس مشن کے لئے وقف کر رکھا تھا اور وہ اس ضمن میں دہلی میں ہونے والے مسلم لیگ کنونشن میں بطور خاص شمولیت کے لئے گئے تھے تاکہ مسلمانوں تک اپنے خیالات پہنچا سکیں لیکن بعد میں وہ بھی ماسٹر تارا سنگھ کے خوف سے ایک طرف خاموش ہو کر بیٹھ رہے۔

سوال: جناح صاحب نے ایک تقریر میں کہا تھا کہ ہمارے ارادے سکھ دوستوں کے متعلق خراب نہیں ہیں میں ان سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنے دلوں کو بیرونی اثرات سے آزاد کر لیں---- وہ بھی ملیں---- مسائل پر گفتگو کریں مجھے پورا یقین ہے ہم ایسے تصفیہ پر پہنچ جائیں گے جو ہمارے سکھ دوستوں کے لئے قابل اطمینان ہوگا۔ بحوالہ (میرا پاکستان صفحہ 92) آپ کی اس سلسلہ میں کیا رائے ہے؟

جواب: میرے خیال سے اگر ماسٹر تارا سنگھ ایک مرتبہ بھی جناح صاحب سے مل لیتے تو سمجھوتہ ہونا لازم تھا۔ جناح سکھوں کی ہر شرط ماننے کو تیار تھے۔ اگر ایسا ہو جاتا تو بھارت کا اتہاس اور شکل ہی بدل جاتی۔

O

سکھوں نے قیام بھارت کے فوراً ہی بعد اس بات کا احساس کر لیا تھا کہ انہیں دھوکہ دیا گیا ہے اور 1948ء کے بعد سے آج تک وہ اپنی جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہیں۔

قائداعظم نے فرمایا تھا کہ پاکستان کی بنیاد اسی روز رکھ دی گئی تھی جس روز پہلے مسلمان نے سندھ میں قدم رکھا تھا۔ بعینہ خالصتان کی بنیاد 15 اگست 1947ء کو اس وقت رکھ دی گئی تھی جس روز بھارتی حکومت کی طرف سے باقاعدہ حکم جاری ہوا کہ "سکھوں کے ساتھ ایک مجرم قوم کے افراد کی حیثیت سے سلوک کیا جائے۔"

یہی وہ حکم تھا جس کی بنیاد پر سکھ آئی سی ایس سردار کپور سنگھ نے بھارتی حکومت سے ٹکر لی اور

بھارتی سپریم کورٹ میں اپنا وہ بیان ریکارڈ کروایا جو اس کتاب کے آخر میں بطور ضمیمہ میں نے شامل کیا ہے۔ تاریخ کو جوں کا توں محفوظ رکھنے اور ترجمے میں معمولی سی بھی غلطی کا احتمال نہ رہے اس احتیاط کے پیش نظر میں نے کتاب میں اس بیان کا انگریزی متن دیا ہے کیونکہ سردار کپور سنگھ نے یہ بیان انگریزی زبان میں دیا تھا۔ جس سے کئی خفیہ گوشے بے نقاب ہوں گے اور تاریخ کے طالب علموں کو واقعات کو ان کے صحیح تناظر میں سمجھنے کی سہولت بھی میسر آئے گی۔

میں نے اپنی کتاب ''آن دی ریکارڈ'' میں سکھوں کی اپنے علیحدہ وطن کے لئے جدوجہد کے حوالے سے ایک طویل مضمون لکھا ہے یہاں صرف دو واقعات کا ذکر کروں گا تاکہ آپ کو آپریشن بلیو سٹار کو سمجھنے میں مدد مل سکے۔ یوں تو سکھوں نے 1948ء کے فوراً ہی بعد کانگریس کے مظالم اور بے ایمانی کا رونا شروع کر دیا تھا لیکن 1960ء میں باقاعدہ سکھ ہوم لینڈ کی تحریک شروع کر دی گئی تھی۔ سکھوں کی بدقسمتی ملاحظہ کیجئے کہ ماسٹر تارا سنگھ کے بعد انہیں فتح سنگھ کی صورت میں دوسرا بزدل لیڈر مل گیا جسے کانگریس نیتا کوئی نہ کوئی چکر دے کر رام کرتے رہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اپنی زندگی میں فتح سنگھ نے کئی مورچے حکومت کے خلاف لگائے ''مرن برت'' رکھے۔ لیکن------! ہر دفعہ یا تو حکومت اسے کسی چال یا جال میں پھنسا لیتی یا پھر وہ اپنے پیشرو ماسٹر تارا سنگھ کی طرح بک جاتے۔ اس صورت حال سے تنگ آ کر اپنے لیڈروں کی بے حسی اور ہندو لیڈروں کے سکھوں کے تئیں تمسخر کے خلاف بالآخر 13 اپریل 1967ء کو بھائی نند نے ''سکھ ہوم لینڈ'' اور ''خالصہ جی کے بول بالے'' کے لئے خودسوزی کر لی تاکہ شرومنی اکالی دل کی لیڈرشپ کو ان کی بے حمیتی کا احساس دلا سکیں۔ اس واقعے کے بعد بھی اکالی دل کی لیڈرشپ کو شرم نہ آئی اور وہ اپنی ''گندی راج نیتی'' کے مطابق اسی طرح کانگریس کے ہاتھوں میں کھلونا بنے رہے بلکہ فتح سنگھ نے جو اکالی دل کا پردھان تھا اس کی موت کو ایک ڈرامہ بنانے کی کوشش بھی کی۔۔۔ اپنے لیڈروں کو ان کی بے حمیتی کا احساس دلانے کے لئے دوسری بڑی کوشش مشہور سکھ ودوان اور لیڈر درشن سنگھ پھیرو مان نے کی اور ''سکھ ہوم لینڈ'' کی حمایت میں ''مرن برت'' رکھ کر مر گئے۔

سردار پھیرو مان نے اپنی موت سے پہلے اپنی آخری وصیت ریکارڈ کروانے کے علاوہ لکھوا دی تھی اور سارے سکھوں کو جاری کر دی۔ اس کا متن یہ تھا۔

''میں درشن سنگھ پھیرو مان خادم سکھ پنتھ، بھارتی شہریوں اور دنیا بھر کے حساس اور درد دل رکھنے

والے انسانوں کو اپنا یہ آخری پیغام وصیت کی شکل میں پہنچانا چاہتا ہوں۔ جب میرا یہ پیغام آپ تک پہنچے گا میں اس دنیا کو چھوڑ چکا ہوں گا۔ آج یکم اگست 1969ء کو میری عمر 85 سال ہو جائے گی۔ گزشتہ نصف صدی میں سکھوں کی ''چڑھدی کلا'' اور ملک کی آزادی کے لئے ایک سپاہی کی حیثیت سے لڑتا رہا ہوں۔ میری زندگی کھلی کتاب کی طرح سب کے سامنے ہے۔ بھارت آزاد ہو گیا لیکن سکھ پنتھ ابھی تک غلام ہے----!

بھارت میں ہمیں مذہبی آزادی کی بجائے بھرشٹا چار (ظلم) اور گراوٹ کا سامنا ہے۔ سکھوں کی سیاست اور مذہبی مقامات پر جعلی سنت مہنت (اشارہ سنت فتح سنگھ کی طرف ہے) اور سکھ پنتھ کے دشمن چھا گئے ہیں۔ سکھ مذہب، رسومات، سکھوں کی روایات اور سکھوں کا تاریخی اثاثہ قدموں تلے کچلا جا رہا ہے۔ سری اکال تخت کے سامنے کھڑے ہو کر ''ارداس'' کرنے کے بعد مرن برت رکھنے کا عہد کرنے اور خودسوزی کر کے مر جانے کی قسمیں کھانے والے پاکھنڈیوں نے بزدلی کی راہ اختیار کر لی ہے (سنت فتح سنگھ نے اکال تخت کے سامنے دونوں عہد کیے تھے لیکن مرن برت کے آخری مراحل پر سکھوں کو چکر دے کر حکومت سے مل گیا۔ اس واقعے کی طرف اشارہ ہے)۔

یہ پاکھنڈی اب ایک سازش کے تحت سکھوں کی مذہبی اور سیاسی اجارہ داریوں پر قابض ہو چکے ہیں۔ اسی سازش اور بزدلی کو سکھ مذہب کا حصہ ثابت کرنے کے لئے سکھوں کی مذہبی اہمیت کے اداروں پر قبضہ کر لیا گیا ہے اور یہ پاکھنڈی اسے سکھ مذہب بتانے لگے ہیں اس ضمن میں سرکاری کی مکمل پشت پناہی انہیں حاصل ہے۔ جس طرح سکھ مذہب کو ذلیل و رسوا کیا جا رہا ہے اس سے پہلے کبھی نہیں کیا گیا۔ سکھ مذہب کی مٹی جس طرح پلید کی جا رہی ہے اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔ سکھ سیاست پر قابض سنت مہنت (اشارہ سنت فتح سنگھ وغیرہ کی طرف) اور قوم کے غداروں نے سیاست سے عام سکھ کا عمل دخل ختم کر کے ایک سازش کے تحت انہیں ہندو کا غلام بنا دیا ہے۔ میری قربانی کے بغیر فریب کا یہ جال اور مکر اور ریا کاری کی سیاست کبھی ننگی نہیں ہوگی۔ سنت فتح سنگھ نے اکال تخت کے سامنے کھڑے ہو کر جھوٹ بولا اور سکھ قوم کو اس کی سزا مل رہی ہے اور جب تک میں اپنی جان کی قربانی نہیں دوں گا سکھ قوم کی گردن سے یہ بوجھ نہیں اتر سکتا۔ سری اکال تخت کے دشمن سنت فتح سنگھ اور اس کے بزدل ساتھیوں نے اپنے جل مرنے کے لئے ''ہون کھنڈ'' (جہاں جل کر مرا جاتا ہے) تیار کروا لئے لیکن اس سے بھاگ گئے اب سکھوں کو اس ''ہون کھنڈ'' میں جل کر اس گناہ کا

کفارہ ادا کرنا ہے۔ گوروصاحبان اور اللہ تعالیٰ سے بھاگ کر سکھ پنتھ کہیں پناہ حاصل نہیں کر سکتا۔ اب یہ ناگزیر ہو گیا ہے کہ کوئی سکھ اپنا سر کٹا کر سنت فتح سنگھ اور دوسرے غداروں کے گناہوں کا پراشچت (کفارہ) کرے تاکہ ہم آزاد ہندوستان میں ''آزاد سکھ دھرم'' اور سکھ ہوم لینڈ کی طرف اپنا سفر شروع کریں۔ اس نشانے (سکھ ہوم لینڈ) کی آزادی کے لئے میں اپنی قربانی پیش کرنے جا رہا ہوں سکھوں سے میری اپیل ہے کہ وہ میری موت کے بعد اپنا فرض پہچانیں۔ میری موت کے بعد میرے جسم کو سنت فتح سنگھ کے لئے بنائے گئے ''اگنی کنڈ'' (جو اس نے اپنا جسم جلانے کے لئے بنایا تھا اور بعد میں بھاگ گیا) میں رکھ کر جلایا جائے اور میری استھیاں (راکھ) ''کرت پور صاحب'' پہنچا دی جائیں۔ پنتھ کے غداروں کو سزا دی جائے اور اکال تخت سے ان کا قبضہ ان کی جھوٹی نشانیوں سمیت ختم کر دیا جائے کیونکہ یہ نشانیاں سکھ پنتھ کے اجلے منہ پر کلنک کا ٹیکہ بنی ہوئی ہیں۔ سنگت ارداس کرے کہ دسم پاتشاہ میری قربانی قبول کریں اور اپنے پنتھ کی عزت کو قائم رکھیں۔'' سمپورن پنجاب زندہ باد، سکھ ہوم لیڈر امر رہے، واہے گورو جی کا خالصہ --- واہے گورو جی کی فتح۔ (بحوالہ سا... ساکھی......صفحہ 117 گورمکھی ایڈیشن)

گوروسنگتاں کا داس

درشن سنگھ پھیرومان

O

درشن سنگھ پھیرومان کی اپنے مذہب کی تعلیمات کے مطابق دی گئی قربانی نے ان ہندوؤں کو کچھ لمحے ہی کے لئے صحیح سوچنے پر ضرور مجبور کر دیا جو سنت فتح سنگھ کے پاس پاکھنڈ کے بعد سے سکھوں کا تمسخر اڑانے لگے تھے اور یہ کہتے تھے کہ سکھ لیڈر صرف مرنے کی دھمکیاں دیتے ہیں مر نہیں سکتے پھیرومان نے مر کر سکھوں کے دلوں میں آزادی کی جوت جگا دی اور پھر یہ جوت سے جوت ایسی جلی کہ آج یہ دھکتا الاؤ بن چکی ہے۔ 1960ء سے شروع ہونے والی سکھوں کی تحریک علیحدگی بڑے پرامن طریقے سے جاری تھی کہ بھارتی حکمرانوں نے ایسی تاریخی غلطی کا ارتکاب کر لیا۔ جس کے بعد پھر فرار کی کوئی راہ ان کے لئے باقی نہیں بچی۔ یہ غلطی تھی دربار صاحب پر بھارتی فوج کا حملہ ---

یہ حملہ مسز اندرا گاندھی کے حکم پر اس زعم میں کیا گیا تھا کہ مٹھی بھر دہشت گردوں کو بھسم کر دیا جائے۔ یہی دہشت گرد پھر اتنے طاقتور ہو گئے کہ خود بھارتی میڈیا انہیں ''ات وادی'' (دہشت گرد

کہتے ہوئے ڈرتا تھا اور انہیں ''ملی ٹنٹ'' کہنے پر مجبور تھا۔

ایک اخبار نویس کی حیثیت سے میں جانتا ہوں کہ ''ذرائع خبر'' کی اہمیت کیا ہے؟ اور مجھے فخر ہے کہ اس ضمن میں مجھے مستند ذرائع حاصل رہے۔ میں نے 1978ء سے تحریک خالصتان پر لکھنا شروع کیا تھا۔ 1983ء کے اواخر میں میری کتاب بلکہ کتابچہ جس کا نام ''خالصتان۔ ماضی کا خواب مستقبل کی سچائی'' منظر عام پر آیا۔ اس کتابچے کے لئے مجھے مواد مشرقی پنجاب میں چھپنے والے پنجابی اخبار ''اکالی پتریکا'' اور ''جتھیدار'' سے حاصل ہوا۔ یہ دونوں اخبارات لاہور کے ایک معتبر روزنامے میں آیا کرتے تھے جہاں گورمکھی زبان جاننے والا کوئی نہیں تھا میں چونکہ گورمکھی میں شد بد رکھتا تھا۔ اس لئے اکثر وہاں جا کر ان اخبارات سے استفادہ کیا کرتا۔ پھر میرا اخبار کے مالکان سے معاہدہ ہوا کہ وہ مجھے اخبارات دے دیا کریں گے اور ان میں ان کی ضرورت کا مواد اردو میں ترجمہ کر دیا کروں گا۔ یہ سلسلہ بہت دیر تک جاری رہا۔

بہرکیف یہ کتابچہ منظر عام پر آیا جو خاکسار نے اپنی جیب سے شائع کیا تھا کیونکہ ان دنوں میں ''اتنا بڑا ادیب'' نہیں تھا نہ ہی کسی پبلشر کے پاس ایسے ''فضول موضوعات'' پر ضائع کرنے کے لئے رقم موجود تھی۔ حسن اتفاق کتابچے کی اشاعت کے قریباً ایک ڈیڑھ ماہ بعد سکھ یاتریوں کا ایک جتھہ معمول کے مطابق پاکستان آیا اور انارکلی کے بکسٹالوں سے کچھ سکھ یاتریوں نے یہ کتابچے خرید لئے۔ مجھے اس بات کا علم نہیں تھا کہ مجھ سے بہت بڑا جرم سرزد ہو گیا ہے۔ اس جتھے کی روانگی کے شاید تین یا چار ماہ بعد ایک اور جتھہ آیا۔ تب میں ''روزنامہ نوائے وقت'' سے منسلک ہو چکا تھا۔ یاتریوں کے اس جتھے میں خاصے غیر ملکی سکھ بھی آئے تھے جن میں ڈاکٹر ہرچند سنگھ دلگیر کا نام نمایاں ہے جو آج کل سکنڈے نیویا کے ملک ناروے میں سیاسی پناہ گزین کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہے ہیں اور بلاشبہ ان کا شمار دنیا کے گنے چنے پنجابی زبان کے سکالرز میں ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب سے اس مسئلے پر تفصیلی گفتگو کا موقع ملا۔ ان دنوں وہ پٹیالہ یونیورسٹی میں پڑھاتے تھے۔

اگلے روز اخبار کے دفتر میں ایک سنگھ صاحب مجھ سے ملنے آئے۔ خدا جانے وہ کون تھے؟ لیکن انہوں نے اپنا تعارف ''بابا ٹھارا سنگھ'' کے نام سے کروایا یہ نوجوان سکھ سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ کے ''گڑوئے'' تھے۔ گڑوئے سے مراد وہ سکھ ہے جو سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ کا مصاحب اور چوبیس گھنٹے ساتھ رہنے والا جانثار ہو۔

بابا ٹھارا سنگھ نے مجھے بتایا کہ چار ماہ پہلے آنے والے جتھے میں کچھ سنگھ میرا کتابچہ ''خالصتا
ماضی کا خواب مستقبل کی سچائی'' لے گئے تھے جوانہوں نے سنت جی کو پیش کیا۔ کسی مسلمان کا سکھو
کے مسئلے پر لکھا کتابچہ سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ نے بڑی دلچسپی سے اردو جاننے والے اپنے ایک
گیانی سے سنا اور اس کی تصدیق کی۔ بابا ٹھارا سنگھ نے مجھے سنت بھنڈرانوالہ کی خواہش بتائی کہ
چاہتے ہیں میں ان سے ملاقات کروں۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب سنت بھنڈرانوالہ کا نام بھار
اور پاکستانی اخبارات میں گونجا کرتا تھا اور بھارتی حکومت کے لئے وہ مستقل دردسر بن چکے تھے
غالباً نومبر 83ء کی بات ہے۔ اتنے بڑے اور عظیم سکھ مجاہد کی طرف سے ایک معمولی سے لکھاری کو
دعوت میرے لئے بہت بڑا اعزاز تھا۔ میں نے دلی خوشی کا اظہار کیا اور کہا کہ انشاء اللہ میں ضر
بھارت آنے کی کوشش کروں گا۔ قدرت کو شاید یہ ملاقات منظور نہیں تھی کیونکہ جون 1984 تک
مجھے فراغت نہ مل سکی اور سنت جی کو زندگی نے مہلت نہ دی۔ 1984ء میں جو جتھہ پاکستان آیا۔ا
میں سنت جی نے اپنے ایک خاص پیروکار کو مجھ سے ملاقات کی ہدایت کی اور میرے لئے ہر
صاحب سے ''سروپا'' روانہ کیا۔ یہ ''سروپا'' جو پگڑی پر مشتمل ہے آج بھی اس عظیم انسان کی یادگا
صورت میرے پاس محفوظ ہے۔ یہ شاید آخری اظہار محبت تھا جو سنت جی کی طرف سے میرے
ہوا۔ پھر وہ جون 1984ء میں اس دارفانی کو خیرباد کہہ گئے۔

....

1984ء میں خدا جانے میرا کتابچہ کس طرح ''روزنامہ اجیت'' جالندھر تک
گیا.........تب ''اجیت'' کے مالک اور ایڈیٹر سردار سادھو سنگھ ہمدرد تھے جواب سورگباش ہو
ہیں۔ انہوں نے ایک تفصیلی نوٹ اس کتابچے کے حوالے سے لکھا جس میں یہ ''شدنی'' بھی موجود
کہ یہ کتابچہ بھارتی معاملات میں سراسر مداخلت ہے.........!! مجھے لندن سے کسی مہربان نے ا
نوٹ کا تراشہ بھیجا تھا۔ میں نے اس کا کوئی نوٹس نہ لیا۔

1985 میں شاید بھارتی خارجہ سیکرٹری مسٹر رسگوترا (جو آج کل ٹریک ٹو ڈپلومیسی فرما رہے ہیں
پاکستان تشریف لائے تو انہوں نے یہ کتابچہ مرحوم جنرل ضیاء الحق کو پیش کر کے اپنی حکومت کا یہ گلہ
گوش گزار کر دیا کہ یہ بھارتی حکومت کے اندرونی معاملات میں مداخلت ہے اور دونوں ممالک
تعلقات میں سرد مہری کا باعث بنے گا۔ مجھے ان واقعات کا علم نہ ہو پاتا اگر ''بلائے ناگہانی'' مجھ

نہ ٹوٹتی۔ ایک تو خدا کے فضل سے ہماری ''کاؤنٹر انٹیلی جنس'' یوں ہی بڑی سمارٹ اور جوشیلی ہے
خصوصاً جب ''اعلیٰ سطح کی انکوائری'' آجائے تو ان کی ''آنیاں جانیاں'' کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔
شاید کسی اعلیٰ سطح کی میٹنگ میں کسی ''برگزیدہ ہستی'' نے محض یہ جاننا چاہا ہوگا کہ یہ طارق اسمٰعیل ساگر
کون ہے؟

خدا ہماری بیوروکریسی کو ایسا موقعہ دے۔ ان کے لئے تو بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ اندازہ کیجئے
کہ کتابچہ چھپے قریباً دو سال ہو گئے اور مجھ پر یہ بلائے ناگہانی ٹوٹ پڑی۔ پہلے ایک ٹیم تشریف لائی اور
میرے جد امجد سے لے کر آئندہ آنے والی نسلوں تک کا احوال لکھ کر لے گئی۔ پھر دوسری، پھر تیسری---
اس درمیان ''اپنے ذرائع'' سے مجھے یہ علم ہو گیا کہ مجھ سے کون سا ''ناقابل تلافی گناہ'' سرزد ہوا ہے
لیکن حیرانگی کی بات میرے لئے یہ تھی کہ جب میں ایک صاحب کو کہتا کہ برادر عزیز آپ سے پہلے
والے کو میں طویل اور تکلیف دہ انٹرویو دے چکا ہوں تو وہ ادائے بے نیازی سے مسکرا کر کہہ دیتے کہ
ان کا مسئلہ الگ ہے۔ فلاں کا تعلق مرکز سے ہے فلاں کا صوبے سے، فلاں کا فلاں سے وغیرہ وغیرہ۔
خدا خدا کر کے یہ مرحلہ طے ہو گیا۔ ابھی اس حادثے سے سنبھلا ہی تھا کہ ایک اور قیامت ٹوٹی جب
بھارت سے جہاز اغوا کر کے پاکستان لانے والے ہائی جیکروں کے لیڈر سردار گجندر سنگھ نے اپنی
طرف سے خصوصی عدالت کو صفائی کے گواہوں کی جو لسٹ پیش کی تھی اس میں میرا نام بطور ''سکھ مسئلے
کے ماہر Expert کی حیثیت سے دے دیا---!! انہوں نے میرا کتابچہ جیل میں پڑھا تھا اور اس
زمانے میں نوائے وقت میں میرے مضامین سکھوں کے مسئلے پر چھپ رہے تھے جس کے بعد سے
صحافتی، سیاسی اور خفیہ سروس'' کے حلقوں میں میری شہرت اس حوالے سے ہو گئی تھی۔

سردار گجندر سنگھ نے شاید اس خیال سے کہ میں گورمکھی میں شد بد رکھنے اور کچھ سکھ دھرم کو سمجھنے کے
حوالے سے ان کی بات کو عدالت عالیہ تک اچھے انداز میں پہنچا سکوں گا میرا نام بطور گواہ صفائی دیا ہو
گا۔ لیکن.........میرے ''خفیہ والے مہربانوں'' کو پھر موقعہ ہاتھ لگ گیا......!!

عین ان دنوں جب اس مقدمے کی کارروائی کا آغاز ہونے والا تھا میں نے اپنی آئینی لاعلمی کی
وجہ سے ایک مضمون ''سکھ حریت پسند یا ہائی جیکر'' کے عنوان سے نوائے وقت میں لکھ دیا۔ جسے
عدالت عالیہ نے مداخلت جانا اور ''کنٹمپٹ آف کورٹ'' لگا دی۔ ان پے در پے حادثات نے بیرونی
دنیا میں موجود خصوصاً سکھوں کے اس طبقے کو جو کسی نہ کسی طرح اپنی جانیں بچا کر بھارتی پنجاب سے

فرار ہوکر یورپ، امریکہ اور کینیڈا میں جابسا تھا میرا نام آشنا اس طرح کر دیا کہ سکھوں کے مشہور ہفت روزہ ''دیس پردیس'' لندن ''ورلڈ سکھ نیوز'' امریکہ ''چڑھدی کلا'' کینیڈا میں میرے مضامین گورمکھی میں ترجمہ ہوکر چھپنے لگے۔ ورلڈ سکھ نیوز میں تین چار سال تسلسل سے میری ہفت روزہ ڈائری بھی چھپتی رہی۔ جس میں اپنے نقطہ نظر سے میں مشرقی پنجاب کے حالات پر کچھ نہ کچھ لکھتا رہتا تھا۔ اس طرح مجھے دنیا بھر میں موجود خالصتان نواز سکھوں تک رسائی حاصل ہوگئی اور مجھے First Hand Information یعنی تازہ ترین حالات سے آگاہی رہنے لگی۔ اس دوران میں نے سینکڑوں مضامین اور کتابیں سکھ مسئلے کے حوالے سے لکھی ہیں اور دنیا کے ہر قابل ذکر خالصتان نواز سکھ سے ملاقات کرکے ان کا احوال سے آگاہی حاصل کی ہے۔

نائین الیون کے بعد دنیا کا چلن تبدیل ہوگیا ہے۔ اب سچ وہ نہیں جو ''سچ'' ہے اور جھوٹ وہ نہیں جو ''جھوٹ'' ہے۔ اس کا فیصلہ بدقسمتی سے ''یونی لٹرل پاور امریکہ'' کرتا ہے اور امریکی انصاف بندر کا انصاف ہے جسے ہر کوئی جانتا ہے۔ کوئی نہ مانے تو الگ بات ہے۔ جون 1984ء میں دربار صاحب پر بھارتی فوج کا حملہ اور اس کے بعد ردعمل میں بھارتی وزیراعظم مسز اندرا گاندھی کی سکھ محافظوں کے ہاتھوں ''مرتیو'' کے جواب میں ہندوؤں نے جو سلوک دلی کے سکھوں کے ساتھ کیا اس نے دوسری جنگ عظیم کے یہودیوں کے خلاف نازی مظالم کو بھی مات دے دی۔ وہاں تو (غلط یا صحیح تاریخ کے مطابق) یہودیوں کو گیس چیمبر میں زندہ جلایا جاتا تھا یہاں سکھوں کو گلے میں ٹائر ڈال کر زندہ جلایا گیا۔ افسوس 26 سال سے ہزاروں کی تعداد میں مرنے والے سکھوں کے وارثوں کو انصاف نہیں ملا چونکہ بھارت امریکہ کا سٹریٹجک پارٹنر ہے اس لئے بھارتی حکومت کو اپنی اقلیتوں پر ہر ظلم روا رکھنے کی اجازت بھی ہے۔ بظاہر بھارتی حکومت نے سکھوں کو اس مسئلے پر دیوار سے لگا دیا ہے لیکن ان کے دلوں میں جلتی آگ کبھی ٹھنڈی نہیں ہوسکتی جس کا ثبوت وہ ہر سال 6 جون کو دنیا بھر میں احتجاج کے ذریعے دیتے ہیں۔ آیئے تاریخ کی اندھیری گھاٹیوں سے ان سچائیوں کو تلاش کریں۔ جن پر ایک سازش کے تحت پردہ ڈالنے کے لئے چانکیائی ہتھکنڈے پورے زور شور سے استعمال کیے جا رہے ہیں۔ حسینہ واجد نے بھی اگر تاریخ سے سبق نہ سیکھا تو ان کا انجام اس سے مختلف نہیں ہوگا۔

طارق اسمٰعیل ساگر

حسینہ واجد ''را'' کے نرغے میں

نام نہاد بنگلہ بندھو شیخ مجیب الرحمٰن جسے اس کے قریبی ساتھیوں نے ''بھارتی ایجنٹ'' ہونے کے الزام میں پورے خاندان سمیت موت کے گھاٹ اتار دیا تھا کی واحد زندہ بچ جانے والی صاحبزادی محترمہ حسینہ واجد ایک مرتبہ پھر بنگلہ دیش میں حکومت پر اپنے دیرینہ آقاؤں کی آشیرواد سے قابض ہیں اور اپنے ''آقاؤں'' کو خوش رکھنے کے لئے ایسے ایسے اقدامات اٹھا رہی ہیں جن کا تصور ہی ہولناک ہے۔ محترمہ نے بھارتی آشیرواد پر ''نورمبرگ'' ٹائپ عدالت قائم کر کے بنگلہ دیش میں بچے کھچے بہاری مسلمانوں کے قتل عام کا گھناؤنا منصوبہ بنایا ہے اور فوری طور پر تمام مذہبی جماعتوں کو انتخابات میں حصہ لینے سے روک دیا ہے۔ یہ سب اقدامات اس خفیہ معاہدے کا حصہ ہیں جو حسینہ واجد اور ''را'' کے درمیان طے پایا ہے۔ فروری 2009 میں بنگلہ دیش رائفلز کی بغاوت اور بنگلہ دیش کے محب وطن فوجی افسران کا قتل بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ جس کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔

بنگلہ دیش میں دینی جماعتوں کی بڑھتی مقبولیت نے بھارت کے ہوش اڑا دیئے ہیں۔ کشمیری مسلمانوں کے حق میں نکلنے والی لاکھوں بنگلہ دیشی مسلمانوں کی ریلیوں کے بعد ''را'' نے اپنی تازہ حکمت عملی میں طے کیا ہے کہ ان جماعتوں کے لئے 1971ء کے قتل عام کی تاریخ دھرائی جائے جب ''مکتی باہنی'' کے ذر ہزاروں پاکستان نواز بنگلہ دیشی مسلمانوں کو بے رحمی سے مار دیا گیا اور انہیں قتل کرنے کے لئے ایسے ایسے بھیانک طریقے اپنائے گئے جن کا عام انسان شاید تصور بھی نہیں کرسکتا۔ ''مکتی باہنی'' کا قیام ہی ''را'' کی مدد سے اس لئے عمل میں آیا تھا کہ تمام غیر بنگالی مسلمانوں کی نسل کشی کروا کر بھارتی حکومت زبان اور عصبیت کی بنیاد پر بنگلہ دیش کو اپنے بنگال کا حصہ بنا لے گی کیونکہ اس میدان میں بھارتی ایجنسیاں کافی عرصہ پہلے سے سرگرم تھیں اور نوجوان مشرقی پاکستانی

ان کے دام تزویر میں پھنستے چلے جا رہے تھے لیکن بھارتی سازش ناکام ہوگئی جب بنگالی مسلمانوں نے بھارت کا حصہ بننے سے انکار کردیا

قیام بنگلہ دیش کے بعد سے آج تک بنگالی مسلمانوں نے ایک لمحے کے لئے بھی نہ تو پاکستان کو بھلایا ہے نہ ہی وہ اپنی بنیاد یعنی اسلام سے کٹے ہیں اور یہی وہ تلخ حقیقت ہے جس نے بھارتی حکومت خصوصاً ''را'' کو قریباً پاگل پن کا شکار کردیا ہے۔''را'' کی طرف سے قیام بنگلہ دیش کے بعد وہاں ہندو راج قائم کرنے کے لئے جو کچھ کیا گیا اس کا مختصر احوال معروف مکتی باہنی کمانڈر زین العابدین جو 71-1970ء کے سٹوڈنٹ لیڈر اور شیخ مجیب الرحمٰن کے انتہائی قریبی ساتھی تھے کی کتاب "RAW and Bangladesh" میں ملتا ہے۔مکتی باہنی ''را'' کا ''بے بی'' (Babey) تھا اس سچائی سے انکار اس لئے ممکن نہیں کہ اس کا اقرار بھارتی خود فخر سے کرتے ہیں اور اسے اپنا کارنامہ بتاتے ہیں۔یہ الگ بات کہ انہیں اپنے مذموم مقاصد میں ناکامی ہوئی۔

''را'' اینڈ بنگلہ دیش کا مصنف کون ہے؟

مکتی باہنی کا قیام بھارتی حکومت کی طرف سے یو این او چارٹر کے منہ پر طمانچے کے مترادف تھا کیونکہ یہ چارٹر ہر ملک کی مکمل آزادی اور اقتدار اعلیٰ کی سلامتی کا ایجنڈہ اور ضمانت ہے لیکن بھارت نے کھلم کھلا اس کا مذاق اڑایا ''مکتی باہنی'' کے قیام سے کچھ ہی عرصہ بعد ہمارے ان مشرقی پاکستانی دانشوروں کو اس کی اہلیت کا علم اور احساس تو ہو گیا تھا اور وہ جان گئے تھے کہ انہیں ایک سازش کے تحت کس اندھے غار میں دھکیل دیا گیا ہے لیکن ان کی حالت ڈاکوؤں کے گروہ میں پھنسے ان تازہ دم اٹھائی گیروں جیسی تھی جس کے لئے اس گروہ میں آنے کا راستہ تو کھلا تھا لیکن واپسی کا راستہ نہیں تھا۔

محمد زین العابدین کا شمار بھی ان ہی لوگوں میں ہوتا ہے۔محمد زین العابدین بنگلہ دیش سابقہ مشرقی پاکستان کے ضلع نواکھلی کے رہنے والے ہیں ان کا شمار عوامی لیگ سٹوڈنٹس فرنٹ کے ممتاز لیڈروں میں ہوتا ہے 1970ء میں وہ نواکھلی گورنمنٹ کالج سٹوڈنٹس یونین کے نائب صدر منتخب ہوئے۔ 1968ء اور 1968ء میں وہ ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت نظر بند بھی رہے۔

1971ء میں شیخ مجیب الرحمٰن کا زبردست حمایتی ہونے کی بناء پر انہوں نے نام نہاد ''جنگ آزادی'' میں بھرپور حصہ لیا اور بی ایل ایف (مجیب باہنی) کے مقامی کمانڈر کی حیثیت سے پاکستانی افواج کے خلاف مسلح جنگ کا حصہ بنے۔''را'' نے انہیں آسام کے ''ہاف لانگ'' کیمپ میں ٹریننگ دی۔پاکستانی فوج کے خلاف ان کے ڈرامے ''اک ندی رکھتا'' (خون کا دریا) نے بڑی شہرت پائی جس کے ذریعے پاکستان کے خلاف زہریلا پروپیگنڈہ کیا گیا تھا۔اس طرح انہوں نے بنگلہ دیش کی جنگ آزادی میں ایک ہیرو کا کردار ادا کیا۔

''آزادی'' کے بعد 1973ء میں جب انہیں چانکیہ کے چیلے چانٹوں کی سازش سمجھ آ گئی تو

انہوں نے سیاست سے کنارہ کشی کر لی۔ 1972ء سے آج تک زین العابدین فری لانسر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں اسی درمیان انہوں نے بنگلہ دیش کے تمام ممتاز اخبارات اور جرائد میں سینکڑوں مضامین بھی لکھے RAW AND BANGLADESH ان کی ایسی چونکا دینے والی تصنیف ہے جس نے ساری دنیا کے سامنے بھارتی انٹیلی جنس ایجنسی ''را'' کو ننگا کر کے رکھ دیا ہے۔ اسی کتاب میں انہوں نے بعض ایسے تاریخی حقائق بے نقاب کیے ہیں جو واقعی رلا دینے والے ہیں۔ تاریخ کے طالب علم کے لئے یہ کتاب انتہائی خصوصی اہمیت اور ہمارے ملک کے نام نہاد لیڈر شپ کے لئے جو دن رات بھارت دوستی کا راگ الاپ رہی ہے ایک تازیانے کی حیثیت رکھتی ہے اگر ہم تاریخ سے سبق سیکھنا چاہیں۔

محمد زین العابدین کی دوسری کتابوں کے نام یہ ہیں۔

1- SECRETS BEHIND THE KILLING OF ZIA

2- WHY INDIA NEEDS VETO POWER

محمد زین العابدین کی اس کتاب کا دیباچہ یہ بتانے کے لئے کافی ہے کہ اسے یہ سب لکھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ پہلے ایک نظر ''مکتی باہنی'' کے قیام پر ڈال لیں کہ آخر بھارت نے کن گھناؤنے مقاصد کی تکمیل کے لئے یہ خطرناک کھیل رچایا تھا۔

مکتی باہنی کا قیام

تاریخ کی ستم ظریفی یا ہماری کم عقلی کہ ہم جذبات کی رو میں بہہ کر دو انتہاؤں کے درمیان پھنس کر رہ جاتے ہیں۔ یہ جاننے کے باوجود کہ بنگلہ دیش کا بانی شیخ مجیب الرحمٰن تھا۔ ہم اس سے نیک توقعات کی امیدیں لگائے رہے اور وہ طے شدہ منصوبے کے تحت اپنا کام کرتا رہا۔ شیخ مجیب الرحمٰن سے متعلق کوئی خوش گمانی سوائے جہالت کے اور کچھ معنی نہیں رکھتی۔ وہ طے شدہ منصوبے پر کام کر رہے تھے۔ بریگیڈیئر صدیق سالک اپنی تصنیف ''میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا'' میں اس صورتحال کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

اس شام آٹھ بجے راولپنڈی تار بھیج دیا گیا کہ جنرل ٹکا خان نے اپنے عہدے کا چارج سنبھال لیا ہے، گویا اب ان پر بیک وقت تین ذمہ داریاں تھیں۔ مشرقی پاکستان میں متعین افواج کے کمانڈر، مارشل لا ایڈمنسٹریٹر اور گورنر جنرل ٹکا خان کو پہلی دو ٹوپیاں پہننے کے لئے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں تھی، البتہ تیسری ٹوپی پہنانے کے لئے ڈھاکہ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کا تعاون ضروری تھا، کیونکہ قانون کے تحت وہی ان سے گورنر کے عہدے کا حلف لے سکتے تھے۔ جسٹس صدیقی نے حلف لینے سے انکار کر دیا، وجہ ناسازی طبیعت بتائی مگر اصل وجہ عوامی لیگ کا اثر تھا جو صرف عوام ہی میں نہیں، بنگالی انتظامیہ اور عدلیہ تک بھی پھیل چکا تھا۔ اس انکار کے چند روز بعد ڈھاکہ بار ایسوسی ایشن نے ایک باقاعدہ قرارداد پاس کی جس میں مسٹر جسٹس صدیقی کے اس جرات مندانہ اقدام کو خراج تحسین پیش کیا گیا۔

جنرل ٹکا خان نے اپنے بنگالی چیف سیکرٹری کو خود فون کیا کہ وہ حلف اٹھانے کی رسم کا بندوبست کرے۔ وہ بھی ٹال مٹول کرتا رہا۔ ادھر یہ قانونی رکاوٹ بھی تھی کہ کسی اور جج کو اس کام کے لئے

نامزد کرنے کے لئے صدارتی حکم میں ترمیم ضروری تھی، جس کے لئے نئے کاغذات راولپنڈی سے آنے تھے۔ٹکا خان حلف اٹھائے بغیر جو فرائض انجام دے سکتے تھے، دینے لگے۔اس اثناء میں عوامی لیگ نے اپنی ''حکومت'' چلانے کے لئے مختلف ہدایات جاری کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔یہ ہدایات جن کی کل تعداد 31 تھی اخبار میں چھپوادی جاتیں اور تمام افراد کو ان پر عمل کرنے کا حکم دیا جاتا۔ان ہدایات کی زد میں تقریباً سبھی شعبے مثلاً سرکاری محکمے، صنعتی ادارے، بنک اور تعلیمی درسگاہیں، ریڈیو اور ٹی وی سٹیشن آتے تھے۔لوگ عوامی لیگ سے دلی ہمدردی یا اس کے دہشت پسندوں کے ڈر سے ان ہدایات پر عمل کرتے تھے۔وجہ کچھ بھی سہی، صوبے پر مجیب کی گرفت مضبوط تھی۔صرف سات چھاؤنیاں سات جزیروں کی طرح اس کے تسلط سے باہر تھیں جہاں فوجی افسر اور جوان نہایت صبر آزما دن بسر کر رہے تھے۔اگرچہ وہ اس صورت حال کو فوراً بدلنے کے لئے بے قرار تھے، مگر ابھی تک فوجی ڈسپلن سے مجبور ہر چیز سہے جا رہے تھے۔

مجیب نے اشتعال انگیزی کا ہر حربہ آزمایا۔فوج کے لئے ریل اور سڑکیں استعمال کرنے کی ممانعت کر دی، مقامی ٹھیکیداروں کو راشن سپلائی کرنے سے روک دیا اور جہاں ان کا سامنا ہوتا، انہیں گالیاں دی جاتیں مگر آفرین ہے ڈسپلن کے ان مجسموں پر کہ انہوں نے خشک راشن کی دال اور عوامی لیگ کی تربتر گالیاں کھا کر گزارہ کر لیا مگر فوجی ڈسپلن کے خلاف کوئی حرکت نہ کی۔ان فوجیوں میں سے بعض اب بھی شہروں میں متعین تھے جہاں وہ بینک، ریڈیو اسٹیشن، بجلی گھر، ٹیلیفون ایکسچینج اور دیگر نازک مقامات کی دیکھ بھال کر رہے تھے۔مشتعل عوام ان کے پاس آ کر پھبتیاں کستے، گالیاں دیتے اور بعض اوقات پتھراؤ کرتے۔جب حالات بے قابو ہونے لگتے اور متعلقہ تنصیبات کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہوتا تو فوج، ایسٹ پاکستان رائفلز اور پولیس کے دستوں کو گولی چلانا پڑتی، جس سے بعض افراد ہلاک یا زخمی ہو جاتے۔یہ تقریباً روز کا معمول تھا۔

7 مارچ کو ایک ہفتے کی جھڑپوں کا خلاصہ ایک سرکاری اعلامیے کی صورت میں جاری کیا گیا جس میں اس بات کا اقرار کیا گیا کہ گزشتہ 6 دنوں میں 176 افراد ہلاک اور 358 زخمی ہوئے۔اس کی تفصیلات یہ تھیں۔چٹاگانگ میں وائرلیس کالونی، باغ کالونی، فیروز باغ اور پہاڑتلی میں ایک تصادم کے دوران میں 178 افراد ہلاک اور 205 زخمی ہوئے۔فوج کے ہاتھوں پانچ افراد ہلاک اور ایک زخمی ہوا، جبکہ ایسٹ پاکستان رائفلز کے ہاتھوں دو آدمی گولیوں کا نشانہ بنے۔3 اور 4 مارچ کو

بنگالیوں اور غیر بنگالیوں کے درمیان جھڑپیں ہوئیں۔صورت حال پر قابو پانے کے لئے پولیس کو گولی چلانا پڑی جس میں 41 افراد مارے گئے۔رنگپور میں ایک ایسے ہی تصادم کو روکنے کے لئے سیکیورٹی فورس کو سختی کرنا پڑی جس کے نتیجے میں تین افراد ہلاک اور گیارہ زخمی ہوئے۔4 مارچ کو کھلنا کے قریب تخریب کاری کی وجہ سے ریل گاڑی پٹڑی سے اتر گئی اور پولیس فائرنگ سے چار افراد وہیں ڈھیر ہو گئے اور ایک آدمی کو چوٹیں آئیں۔6 مارچ کو 341 افراد نے جو ڈھاکہ سنٹرل جیل میں بند تھے، جیل کے دروازے توڑ کر بھاگنے کی کوشش کی۔پولیس نے ان کی کوشش ناکام بنانے کے لئے فائرنگ کی۔سات آدمی ہلاک اور تیس زخمی ہوئے۔3 اور 4 مارچ کو مشتعل ہجوم نے جیسور، کھلنا اور راجشاہی کے ٹیلیفون ایکسچینج پر ہلہ بول دیا۔فوجی جوانوں کو، جو ان نازک تنصیبات کی حفاظت پر مامور تھے مجبوراً گولی چلانا پڑی جس کے نتیجے میں 8 آدمی ہلاک اور 19 زخمی ہوئے۔5 مارچ کو کھلنا جاتے ہوئے فوجیوں پر ایک ہجوم نے حملہ کر دیا۔فوجیوں کو اپنی مدافعت میں گولی چلانی پڑی تین افراد ہلاک اور چند زخمی ہوئے۔

''اپنے فرائض کی ادائیگی میں قانون نافذ کرنے والے افراد کو بھی قربانی دینا پڑی۔ایک افسر ہلاک اور ایک زخمی ہوا۔2 اور 3 مارچ کی درمیانی شب کو ڈھاکہ میں ٹھٹھری بازار اور نواب پور کے علاقے میں ایسٹ پاکستان رائفلز کے ہاتھوں 6 افراد ہلاک اور 53 زخمی ہوئے۔ای پی آر کے ایک سپاہی کو اپنی مدافعت میں گولی چلانا پڑی جس کی وجہ سے چار افراد ہلاک اور تین زخمی ہوئے۔

''یوں صوبے بھر میں فوج کے ہاتھوں کل 33 افراد ہلاک اور 26 زخمی ہوئے۔ان میں سے چھ افراد اس وقت مارے گئے جب ایک ہجوم نے صدر گھاٹ (ڈھاکہ) 2 اور 3 مارچ کی درمیانی رات کو فوجیوں کی ایک ٹولی پر حملہ کر دیا۔اگلی صبح ڈھاکہ ہی میں ایک بپھرے ہوئے ہجوم نے مقامی ٹیلی ویژن سٹیشن پر ہلہ بول دیا۔وہاں متعین فوجی دستے نے گولی چلائی اور ایک شخص ہلاک ہو گیا۔

یہ تھے ایک ہفتے کے سرکاری اعداد و شمار، بنگالیوں نے مرنے اور زخمی ہونے والوں کی تعداد تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ان کا خیال تھا کہ حقائق کو کئی گنا گھٹا کر بیان کیا گیا ہے۔انہیں سرکاری اعلامیے کے بجائے ان خبروں پر زیادہ اعتماد تھا جو عوامی لیگ کے ذرائع سے مقامی اخبارات میں شائع ہو رہی تھیں۔یہ اخبار ان واقعات کو خوب اچھال رہے تھے اور اشتعال انگیز سرخیاں جماتے تھے، مثلاً آج ہزاروں افراد کو گولیوں کا نشانہ بنایا گیا'' ''سینکڑوں افراد موقع پر ہی ڈھیر ہو گئے''

''گولیوں کا نشانہ بننے والوں میں بڑی تعداد عورتوں اور بچوں کی ہے'' وغیرہ۔

اگر سرکاری ہینڈ آؤٹ میں بنگالیوں پر تشدد کی تفصیلات کو گھٹا کر بیان کیا گیا، تو مقامی اخبارات نے انہیں کئی گنا بڑھا کر کسر پوری کر دی لیکن جو قیامت غیر بنگالیوں (بہاریوں) پر ٹوٹی۔ اس کا نوحہ نہ سرکاری اعلانیوں میں درج ہوا نہ اخبارات میں۔ ان کا خون، ان کی آہوں کی طرح بے اثر گیا۔ مجھ سمیت کئی لوگوں نے حکام بالا سے کہا کہ عوامی لیگ کے ''دورِ حکومت'' میں ہونے والے ان مظالم کی تفصیلات چھپنی چاہئیں، مگر وہ نہ مانے۔ ان کا اصرار یہ تھا کہ یہ دلخراش واقعات پردہ راز میں ہی رہنے چاہئیں۔ ورنہ دو نقصان ہوں گے۔ اول یہ کہ ایسی خبروں سے (مسلمانوں نے مسلمانوں کا گلا کاٹنا شروع کر دیا) دو قومی نظریے کی نفی ہو گی۔ دوئم اس سے مغربی پاکستان میں انتقام کی فضا پیدا ہو گی جہاں ہزاروں بنگالی پر امن زندگی گزار رہے ہیں۔

ان دلائل کے باوجود میرے جیسے بعض افراد کا خیال تھا کہ غیر بنگالیوں پر ہونے والے مظالم کی تشہیر ضرور ہونی چاہیے ورنہ یہ تاثر لیا جائے گا کہ بنگالی معصوم ہیں اور وہ فوج کے ہاتھوں ستم سہہ رہے ہیں حالانکہ ستم سہنے والوں میں غیر بنگالیوں کی بھی بڑی تعداد شامل ہے اور ان پر ظلم ڈھانے والے خود بنگالی ہیں۔ یہ دلیل ایک تجویز کی شکل میں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے دفتر (راولپنڈی) میں بھیجی گئی مگر کوئی جواب نہ آیا۔

اسی عرصے میں مجیب الرحمٰن نے ایک اور محاذ پر اپنی تیاریاں مکمل کر لیں۔ یہ تھا براہ راست فوج سے ٹکر لینے کا محاذ۔ اس سلسلے میں انہوں نے کرنل (ریٹائرڈ) ایم۔ اے۔ جی عثمانی کو یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ مدافعت کے لئے ایک فورس تیار کریں۔ مجیب کی اس پرائیویٹ فوج کے افراد سابق فوجیوں، عوامی لیگ کے رضا کاروں اور یونیورسٹیوں کے طالب علموں سے لئے گئے۔ اسلحے کی ضروریات اسلحہ خانوں کو لوٹ کر پوری کی گئیں۔ صوبائی حکومت کے تحت ''انصار'' فورس کی ہزاروں رائفلیں، جو سول انتظامیہ کے پاس ہوتی تھیں ان افراد میں بانٹ دی گئیں کچھ اسلحہ بیرون ملک بھارت سے بھی آیا۔

اس کے علاوہ یونیورسٹی کے لڑکوں اور لڑکیوں نے سائنس لیبارٹری میں نصابی تجربات کرنے کے بجائے دیسی بم بنانے شروع کر دیئے۔ یہ بم بنانے کے لئے زیادہ معلومات یا ساز و سامان درکار تھا۔ ہر وہ چیز جو دھماکے سے پھٹ سکے اور قریب کھڑے افراد کو نقصان پہنچا سکے، کافی تھی۔

اس پرائیویٹ آرمی نے کرنل عثمانی کے زیرِ نگرانی بھرپور تربیت کا آغاز کیا اور لڑکوں نے مورچہ بندی اور سڑکوں پر رکاوٹیں کھڑی کرنے کی مشق شروع کر دی۔ یہ سب کچھ دیکھ کر ایک عمر رسیدہ بنگالی سیاستدان نے مجیب سے کہا ''آپ کیا بچوں جیسی باتیں کرتے ہیں، کیا ان تیاریوں سے آپ پاکستان کی پیشہ ور فوج کا مقابلہ کر سکیں گے؟'' مجیب نے جواب دیا ''کونسی پیشہ ور فوج؟ وہ فوج ڈھاکہ میں کرفیو نافذ نہ کر سکی، ساڑھے سات کروڑ عوام کا مقابلہ کیسے کر سکتی ہے۔ خواہ ہتھیار کچھ بھی ہوں''

مجیب کے کہنے پر کرنل عثمانی نے ایسٹ بنگال رجمنٹ، ایسٹ پاکستان رائفلز اور پولیس سے بھی رابطہ قائم کیا تاکہ بوقت ضرورت ان سے بھی مدد لی جا سکے۔ ان تینوں شعبوں میں ملازمت کرنے والے بنگالی پہلے ہی تربیت یافتہ اور ہتھیار بند تھے اور اندر ہی اندر ان کی ہمدردیاں بھی عوامی لیگ کے ساتھ تھیں، لیکن اوپر سے ڈسپلن کا خول یا بھرم قائم تھا، ان میں سے کئی در پردہ عوامی لیگ کی فوجی کمیٹی کے اجلاس میں باقاعدہ شرکت کرتے تھے۔ بعد میں تفتیش کے دوران فوجی افسروں نے اس فوجی سازش میں ملوث رہنے کا اعتراف کیا ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں۔ بریگیڈیئر مجمدار، کمانڈنٹ ایسٹ بنگال سنٹر، لیفٹیننٹ کرنل مسعود الحسن کمانڈنگ آفیسر 2 ایسٹ بنگال رجمنٹ، لیفٹیننٹ کرنل یسین، گورنر کی معائنہ ٹیم کے رکن ان کے علاوہ میجر مشرف، میجر جلیل، میجر معین اور میجر ضیاء الرحمٰن بھی شامل تھے۔ لیکن یہ گرفتار نہ ہو سکے اس لئے تفتیش کے دوران ان کے اعتراف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

شیخ مجیب الرحمٰن اور ان کے مقرر کردہ کمانڈر انچیف کرنل ایم۔ اے جی عثمانی کی اسٹریٹجی یہ تھی کہ اندر ہی اندر فوجی محاذ پر لڑنے کی تیاریاں مکمل کر لی جائیں اور اوپر سیاسی محاذ گرم رکھا جائے۔ کیونکہ سیاسی محاذ کی تپش ہی سے اندرونی محاذ کو حرارت مل سکتی تھی اور اگر سیاسی عمل سے نصب العین حاصل ہو جائے، تو ٹکر لینے کی کیا ضرورت ہے۔ البتہ تیاری دونوں محاذوں پر مکمل ہونی چاہیے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ انٹیلی جنس والوں کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے ان تمام تیاریوں کے متعلق حکام بالا کو باخبر رکھا۔ پتہ نہیں ان کی رپورٹیں کس مرحلے پر بے اثر ہو کر رہ جاتی تھیں۔ میں نے خود ایک سینئر افسر سے فوج میں عوامی لیگ کے اثر و رسوخ اور متوقع محاذ کا ذکر کیا۔ اس نے مجھے یہ کہہ کر جھڑک دیا ''بکواس بند کرو، تم دنیا کی بہترین فوج کے ڈسپلن پر بہتان لگا رہے ہو----''

مجیب الرحمٰن کی حکومت کے پہلے پندرہ روز کی فضا یہ تھی جس میں ہمیں بالآخر یحیٰی خان کی آ
مژدہ پہنچا۔ (میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا۔ صفحہ نمبر 65-66)

O

1971ء کی جس شورش نے ماہ دسمبر میں پاکستان اور بھارت کے درمیان باقاعدہ جنگ صورت اختیار کی، اس کی ابتداء مارچ ہی میں ہو چکی تھی۔ اس کی پشت پناہی بھارت کر رہا تھا ج کے آثار شروع ہی سے نظر آ رہے تھے۔ فوجی کارروائی کے فوراً بعد بھارت نے عملی حمایت در پردہ اخلاقی حمایت سرعام شروع کر دی تھی۔

وزیراعظم اندرا گاندھی نے 27 مارچ کو لوک سبھا میں تقریر کرتے ہوئے کہا ''میں ان مع ارکان کو جنہوں نے یہ دریافت کیا ہے کہ آیا (مشرقی پاکستان کے بحران کے متعلق) بروقت فیصلے جائیں گے یقین دلانا چاہتی ہوں کہ ہمارے نزدیک بروقت فیصلوں کی بہت اہمیت ہے کیونکہ وق گزر جانے کے بعد فیصلے کرنے کا کوئی فائدہ نہیں (بنگلہ دیش دستاویزات حصہ اول 669) چار ر بعد اسی ایوان نے حسب ذیل قرارداد منظور کی۔

''یہ ایوان ان (باغیوں) کو یقین دلانا چاہتا ہے کہ ان کی جدوجہد اور قربانیوں کو بھارت بھرپور ہمدردی اور حمایت حاصل رہے گی۔'' (ایضاً صفحہ 672)

اسی روز بھارت کے ایک اہم ادارے (انسٹی ٹیوٹ آف سٹریٹجک سٹڈیز) کے سربراہ م اے۔ کے۔ سبرامنیم نے عالمی امور کی بھارتی کونسل کے زیر اہتمام مذاکرے میں یہ اعلان کیا۔

''بھارت کو اب اس حقیقت کا اعتراف کر لینا چاہیے کہ اس کا مفاد پاکستان کی شکست و ریخ میں ہے۔ اس طرح کا موقع ہمیں پھر کبھی نہیں ملے گا۔'' (ہندوستان ٹائمز نئی دہلی۔ مورخہ یکم اپر 1971ء)

اس تقریر کے دوران انہوں نے پاکستان کو بھارت کا دشمن نمبر ایک قرار دیا اور موجودہ بحرا ''صدیوں میں میں ایک سنہری موقع'' ٹھہرایا۔

عملی حمایت جو در پردہ جاری تھی اس کا ایک ثبوت بھارتی بارڈر سیکیورٹی فورس کے وہ سپاہی جو سرحد سے کئی میل اندر سلہٹ اور جیسور کے علاقوں میں پکڑے گئے۔ بعد میں اسی سرحدی فوج انسپکٹر جنرل نے اپنے سپاہیوں کو ''باغیوں کے اولین سرکاری میزبان'' قرار دیا۔ اس کے عل

بھارت کی باقاعدہ فوج کے کئی افسر سادہ کپڑوں میں مشرقی پاکستان میں گھس آئے تھے اور پاک فوج کے خلاف مزاحمت میں مدد دے رہے تھے۔ ان میں سے دو افسروں نے بعد میں (میری اسیری کے دوران) بڑے فخر سے اپنے ان کارناموں کا اعتراف کیا۔ (میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا۔ بریگیڈیئر محمد صدیق سالک)

O

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب بھارت، پاکستان کے اندرونی معاملات میں اس حد تک ملوث تھا تو اس نے مارچ کے آخر یا اپریل کے شروع میں۔ جب پاکستان اندرونی خلفشار کا شکار تھا۔ مشرقی پاکستان پر حملہ کر کے اسے ہڑپ کیوں نہ کر لیا؟ اس کا جواب ہمیں بھارتی مصنف میجر جنرل (ر) ڈی۔ کے پلیٹ سے ملتا ہے۔ وہ اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ بھارتی فوج کے سربراہ نے اس کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ کیونکہ ان دنوں بھارتی فوج تنظیم نو کے مراحل سے گزر رہی تھی۔ ان کا کہنا ہے کہ پچاس ارب روپے کی لاگت سے پانچ سالہ دفاعی منصوبہ زیر تکمیل تھا اور بھارت کی جنگی مشین کو صیقل کرنے کے لئے ابھی اہم اقدامات کرنا باقی تھے۔ اس منصوبے کی تفصیل بتاتے ہوئے وہ لکھتے ہیں۔

''فوج کی افرادی قوت (منصوبے کے مطابق) ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی، کئی یونٹوں کی نفری کم تھی۔ رسالے کے بعض دستوں کا قیام بھی تشنۂ تکمیل تھا۔ انتظامیہ امور اور نقل و حرکت کے وسائل کو بھی آخری شکل دینا باقی تھا۔ فضائی شعبے میں مگ 21 لڑاکا طیاروں کی ساخت کا پروگرام عروج پر نہیں پہنچا تھا۔ علاوہ ازیں فاضل پرزوں کی کمی کے باعث بعض لڑاکا اسکواڈرنوں کی جنگی صلاحیتیں بھی کمزور پڑ گئی تھیں۔ بحریہ میں بھی ساز و سامان کی ترتیب جدید زیر عمل تھی۔ درحقیقت مسلح افواج کو بھرپور جنگ کی تیاری کے لئے چند ماہ کی مدت درکار تھی۔ اس کے علاوہ یہ امر بھی قابل توجہ تھا کہ خود بھارت کے اندر اس کے کئی ڈویژن (حالیہ انتخابات وغیرہ کی وجہ سے) امن و امان بحال رکھنے پر مامور تھے۔ اس کی دو ڈویژن فوج مغربی بنگال آ چکی تھی، مگر اس کے بھاری ہتھیار ابھی تک کشمیر میں پڑے تھے۔ اس کے علاوہ ایک ایک ڈویژن ناگالینڈ اور میزولینڈ (Mizo Land) میں متعین تھا۔ فضائیہ کو مشرقی پاکستان پر بھرپور حملہ کرنے کے لئے اضافی ہوائی اڈے درکار تھے۔ سلچر میں واقع کری گرام کے ہوائی اڈے کو بھی توسیع دے کر جنگ کے لئے تیار کرنا باقی تھا۔'' (The

Lighting Campaign صفحہ نمبر 42-40) جنرل ڈی۔ کے پیلیٹ نے لگی لپٹی رکھے بغیر اس حقیقت کا اعتراف کرلیا ہے کہ اندرا گاندھی نے اپنی دانست میں پورے پاکستان پر قبضے کا گھناؤنا منصوبہ بنایا تھا۔

بھارت سے شائع ہونے والی ایک اور کتاب سے پتہ چلتا ہے کہ بھارت کو مشرقی پاکستان پر چڑھائی کرنے کے لئے نو ماہ کا عرصہ درکار تھا۔ کتاب کے دو مصنفین (The Liberation War by Muhammad Ayub and Mr. A.K. Subramanyam) کا کہنا ہے۔

''(اس کے لئے) ہمیں نو مہینوں کی مہلت درکار تھی تاکہ ہم ہر طرح سے تیاری مکمل کر لیں۔ عالمی رائے عامہ کو ہموار کرلیں اور (چین کی ممکنہ امداد کے خلاف) روس کی یقین دہانی کر لیں۔ ان اقدامات کے بغیر حملے کا آغاز ممکن نہ تھا۔'' (ایضاً......صفحہ 177)

جب ہم خانہ جنگی میں مصروف تھے تو بھارت مذکورہ بالا تینوں محاذوں پر بھرپور کام کر رہا تھا۔ اس کی مسلح افواج کے سربراہ جلد از جلد اپنی جنگی مشینری کو صیقل کرنے میں لگ گئے۔ وزارت خارجہ سفارتی محاذ پر سرگرم ہوئی۔ اس نے روس سے دوستی کے معاہدے کی تجویز کو پرانی فائلوں سے نکالا اور 9 اگست کو روس سے باقاعدہ معاہدہ کرلیا۔ عالمی رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لئے پناہ گزینوں کے مسئلے کو بڑھا چڑھا کر دنیا کے سامنے پیش کیا۔ حالانکہ ان میں سے اکثر خود بھارت کی شہ پر اپنے گھروں کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ ان تیاریوں کے ساتھ ساتھ بھارت نے پاک فوج کی جنگی صلاحیتوں کو کند کرنے کے لئے مکتی باہنی کو منظم کیا۔ مکتی باہنی میں ریڑھ کی ہڈی سابق ایسٹ بنگال رجمنٹ اور ایسٹ پاکستان رائفلز کے باغی افسر اور سپاہی تھے۔ ہندوستان میں ان کی صفوں میں عوامی لیگ کے رضا کار یونیورسٹی کے طلبہ اور تنومند پناہ گزین بھی شامل کیے گئے۔ ان کی قیادت کرنل (ریٹائرڈ) ایم۔ اے۔ جی۔ عثمانی کے سپرد تھی جو اس کے باقاعدہ کمانڈر انچیف مقرر کیے گئے تھے۔ جبکہ ان کی معاونت بھارتی میجر جنرل شوبیگ سنگھ کر رہا تھا۔

باغی فوج کو سیاسی چھاتہ مہیا کرنے کے لئے عوامی لیگ کی مفرور قیادت کو استعمال کیا گیا جو اب کلکتہ پہنچ چکی تھی۔ ان قائدین کو جلاوطن حکومت کی شکل دی گئی جس میں تاج الدین، قمر الزمان، منصور علی اور مشتاق احمد خوندکر شامل تھے۔ اس ''حکومت'' کا مشن یہ تھا کہ مکتی باہنی کی مسلح جدوجہد اور

ارت کی سرپرستی سے بنگلہ دیش کو آزاد کرایا جائے۔

بھارت کے جنگی آقاؤں نے مکتی باہنی کے لئے تین مقاصد مرتب کیے سب سے پہلے وہ سارے رقی پاکستان میں پھیل کر پاک فوج کے ساتھ جھڑپوں کا آغاز کرے، تاکہ موخر الذکر کی نقل و حرکت طل ہو کر رہ جائے اور وہ حفاظتی اقدامات کے لئے متعلقہ علاقوں میں مقید ہو کر رہ جائے۔ اس کے د گوریلا کارروائیوں کو رفتہ رفتہ تیز کر کے پاکستانی افواج کے مورال کو کمزور کیا جائے۔ تاکہ آخر ار اگر پاکستان اس چھیڑ چھاڑ سے تنگ آ کر کھلی جنگ پر مجبور ہو جائے تو یہی مکتی باہنی بھارت کی قاعدہ فوج کے لئے ''مشرقی فیلڈ فورس'' کا کام دے سکے۔'' پریم چوپڑا کی کتاب (Indias Second Liberation

ان مقاصد کو سامنے رکھ کر ایک بھارتی جرنیل شوبیگ سنگھ کی نگرانی میں مکتی باہنی کو تربیت دی گئی۔ روع شروع میں تربیت صرف چار ہفتوں تک محدود تھی جس میں تخریبی کارروائیاں کرنے، کمین گاہوں پر گولیاں برسانے، دستی بم پھینکنے، اور رائفل چلانے کی مشق کرائی گئی۔ بعد میں تربیت کی رت بڑھا کر آٹھ ہفتے کر دی گئی اور مذکورہ کاموں کے علاوہ تمام ہلکے ہتھیاروں کی تربیت دی گئی۔ اس رح تیس ہزار افراد کو تربیت دے کر منظم اور مسلح فوج تیار کی گئی اور اسے بھارت کی باقاعدہ فوج کے ساتھ شانہ بشانہ لڑانے کے انتظامات کیے گئے۔ ان کے علاوہ ستر ہزار مزید افراد کو گوریلا جنگ کی ربیت دے کر مشرقی پاکستان میں بھیجا گیا۔ مارچ کی فوجی کارروائی اور دسمبر کی باقاعدہ جنگ کے دوران ہونے والی گوریلا جنگ اور تخریب کاری کو تین ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

پہلا دور (جون اور جولائی) اس عرصے میں مکتی باہنی نے اپنی کارروائیوں کو سرحدی علاقوں تک محدود رکھا جہاں اسے سرحد پار سے بھارتی فوج کی اخلاقی اور مادی امداد ملتی رہی۔ اس دور میں باغیوں میں زیادہ جرات نہ تھی۔ وہ عموماً چھوٹی موٹی حرکتیں کر کے سرحد پار بھاگ جاتے اور جہاں کہیں خطرے کی بو آتی، فوراً غائب ہو جاتے ان کی زیادہ تر توجہ چھوٹی چھوٹی پلیاں اڑانے، متروکہ ریلوے لائن پر سرنگیں بچھانے اور ایک آدھ دستی بم پھینکنے پر مرکوز رہی۔

دوسرا دور اگست، ستمبر پر محیط ہے جب اب ان کی تربیت کا طریق کار خاصا بہتر ہو گیا۔ ان کی ذاتی جرات اور قائدانہ صلاحیتوں میں بھی نمایاں فرق نظر آنے لگا۔ اب وہ فوجی قافلوں اور کمین گاہوں پر حملے کرتے، بحری جہازوں کو ڈبونے اور اہم سیاسی شخصیتوں کو قتل کرنے لگے۔ ان

کارروائیوں میں ڈھاکہ کو خصوصی اہمیت حاصل رہی۔

تیسرا دور (اکتوبر، نومبر) جب وہ سرحدی علاقوں اور صوبے کے اندر بھی بہت مستعد ہو گئے سرحدی چوکیوں پر بھارتی توپ خانے کی مدد سے باقاعدہ حملے کرتے اور اہم شہروں میں موثر تخر کارروائیاں کرتے۔ اس عرصے میں انہوں نے بعض سرحدی علاقوں میں گھس کر مورچے کھول ل جہاں سے انہیں نہ ہٹایا گیا۔ بعدازاں باقاعدہ جنگ کے دوران یہ مورچے بھارتی فوج کے ل بہت مفید ثابت ہوئے۔

مذکورہ تین ادوار میں نہ صرف مکتی باہنی کی تخریبی کارروائیوں میں شدت بڑھتی گئی بلکہ اس کا دا کار بھی وسیع ہوتا گیا۔ اس سے پوری طرح عہدہ برآ ہونے کے لئے مکتی باہنی کے تربیتی کیمپوں م بھی بتدریج اضافہ کیا گیا۔ شروع میں ان کی تعداد تیس تھی جو اگست میں چالیس ہو گئی اور ستمبر م چوراسی تک پہنچ گئی۔ ہر کیمپ میں ایک تربیتی مدت کے دوران پانچ سو سے دو ہزار افراد کو تربیت د کی گنجائش تھی۔ تمام کیمپوں سے تربیت پانے والوں کی کل تعداد ایک لاکھ تھی۔

ان شرپسندوں اور باغیوں کے لئے ہتھیار اور دوسرا جنگی سامان حاصل کرنے میں بھارت شروع شروع میں دقت کا سامنا کرنا پڑا مگر روس سے ''معاہدہ دوستی'' کے بعد یہ مشکل حل ہو گئی۔ ف حرب سے متعلق ایک مطالعاتی اور تجزیاتی ادارے کی ایک رپورٹ کے مطابق روسی حکومت بھارت کو یقین دلایا کہ مکتی باہنی کو دیئے گئے ہتھیاروں کی جگہ مزید ہتھیار دیئے جائیں گے تو بھار نے باغیوں کو اسلحے کی سپلائی میں اضافہ کر دیا News Review on Pakistan ''مشرقی یورپ میں دوسری جنگ عظیم کے متروک روسی اسلحے کے ڈھیر لگے تھے اور وہ اب بھارت منتقل کیے جا رہے تھے'' ہتھیار حاصل کرنے کا ایک اور ذریعہ براہ راست خرید تھا جو ''بنگلہ دیش جلاوطن حکومت'' بھارت اور روس کی مدد سے غیر ملکی منڈیوں سے خریدتی تھی۔ اس کے لئے بنگلہ دی کے غیر سرکاری سفیر انگلستان اور امریکہ میں فنڈ اکٹھے کرتے تھے۔

مشرقی بازو میں پاکستان کے 1260 افسر اور 41060 سپاہی متعین تھے جن کے ذ 55126 مربع میل علاقے کا دفاع تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے مشہور گوریلا لیڈر ٹی۔ ای۔ لارن نے اپنی کتاب (Seven Pillars of Wisdom صفحہ 192) میں لکھا ہے کہ ہر چار مر میل قطعہ اراضی کی حفاظت کے لئے بیس سپاہی درکار ہوتے ہیں۔ لارنس نے یہ تناسب صحرائی جنگ

کے تناظر میں مقرر کیا تھا جہاں حد نگاہ کافی دور تک جاتی ہے، مگر مشرقی پاکستان میں وافر درختوں اور سبزے کی وجہ سے حد نظر خاصی محدود تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ یہاں تھوڑے علاقے کے لئے زیادہ نفری درکار تھی۔ لیکن اگر ٹی۔ ای۔ لارنس کے فارمولے سے بھی اندازہ لگایا جائے تو مشرقی پاکستان کی حفاظت کے لئے 375640 افراد درکار تھے۔ یعنی دستیاب وسائل سے تقریباً سات گنا زیادہ! ایک غیر ملکی صحافی ڈیوڈ لوشک نے مطلوبہ تعداد کا کم از کم اندازہ دو لاکھ پچاس ہزار لگایا تھا۔ (Pakistan Crisis صفحہ نمبر 130)

ان ناساعد اور صبر آزما حالات کے باوجود فوج نے باغیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور پورے آٹھ مہینے اپنے پاؤں میں لغزش نہ آنے دی۔ اس نے اہم ضلعی ہیڈ کوارٹرز اور سب ڈویژنل ہیڈ کوارٹرز سمیت تمام بڑے بڑے شہروں اور قصبوں کو مکتی باہنی سے محفوظ رکھا۔ دو سو ستر سرحدی چوکیوں میں سے دو سو ساٹھ چوکیوں کو اپنے قبضے میں رکھا۔

فوج نے اپنی کارروائی کے لئے بڑے بڑے شہروں میں اپنا اڈہ یا ہیڈ کوارٹر بنا رکھا تھا جہاں سے فوجی دستے گردونواح کے علاقوں میں باغیوں کی سرکوبی اور تخریبی کارروائیوں کی روک تھام کے لئے جایا کرتے تھے۔ شروع شروع میں یہ فوجی بڑی پھرتی اور مستعدی سے نقل و حرکت کرتے اور باغی ان کا مقابلہ کیے بغیر بھاگ جاتے۔ بعد میں تھکاوٹ کے آثار ابھرنے لگے اور ہمارے فوجی صرف اسی وقت کارروائی کرتے جب یہ ناگزیر ہو جاتی، خوامخواہ اصلی یا نقلی تخریب کاروں کا پیچھا نہ کرتے۔ تیسرے مرحلے (اکتوبر۔ نومبر) میں وہ عموماً اپنے ہیڈ کوارٹر سے چپک کر رہ گئے اور باہر نکل کر خطرہ مول لینے سے گریز کرنے لگے۔ شورش کے ان آٹھ مہینوں کے مختلف ادوار کا گراف بنایا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ جوں جوں مکتی باہنی کی کارروائیاں بڑھتی گئیں، ہماری دفاعی کارروائیاں کم ہوتی گئیں۔ بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ جوں جوں کارروائیاں گھٹنے لگیں مکتی باہنی کی حرکتیں تیز اور موثر ہونے لگیں۔

ماہ اگست میں ضلع نواکھلی کے ایک علاقے سے اطلاع ملی کہ وہاں مکتی باہنی نے مصیبت ڈھا رکھی ہے۔ ایک نوجوان افسر کو سات سپاہیوں سمیت ان کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا گیا اور چلتے وقت اسے ہدایت کی گئی کہ وہ طاقت کے بجائے ''سلیقے اور لچک'' سے کام لے کر اس علاقے کو تخریب کاروں سے پاک کر دے۔ سلیقے اور لچک کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے وہ سات میں سے پانچ سپاہیوں سے

ہاتھ دھو بیٹھا۔ اطلاع ملنے پر ایک اور کپتان کو کمک دے کر روانہ کیا گیا۔ اس نے اندازہ لگایا کہ باغی وافر اسلحے ایمونیشن کے ساتھ مورچہ بند ہیں اور باقاعدہ معرکہ آرائی پر تلے ہوئے ہیں۔ دقت یہ تھی کہ ان کے مورچے ایک گاؤں میں واقع تھے جہاں سویلین لوگ بھی بستے تھے۔ نوجوان کپتان نے دور سے کئی بار انتباہ کیا مگر کوئی اثر نہ ہوا۔ چنانچہ اس نے سارے گاؤں کو گھیرے میں لے کر چاروں طرف سے اس پر گولہ باری شروع کر دی۔ دھوئیں کے بادلوں کے ساتھ چیخیں بھی بلند ہونے لگیں۔ تھوڑی دیر بعد ایک بوڑھا آدمی سفید جھنڈا اٹھائے باہر نکلا اور امن کی بھیک مانگنے لگا اس کی درخواست فوراً قبول کر لی گئی لیکن اتنے میں کئی بے گناہ جانیں ضائع ہو گئیں۔ یہی مشن ''را'' نے مکتی باہنی کو سونپا تھا وہ بے گناہ بنگالیوں کی ''ہیومن شیلڈ'' بنا کر جنگ کرتے تھے۔

ان حالات میں اہم مسئلہ یہی تھا کہ باغیوں کو معصوم شہریوں سے کس طرح الگ کیا جائے۔ ایک موقع پر جنرل ٹکا خان کے سامنے یہ تجویز پیش کی گئی کہ سرحد سے ملحق دو میل کی پٹی کو آبادی سے خالی کرا لیا جائے تاکہ جو مشتبہ شخص نظر آئے اسے گولی سے اڑا دیا جائے۔ ٹکا خان نے یہ تجویز رد کر دی اور وجہ یہ بتائی کہ اس سے آبادکاری کا مسئلہ کھڑا ہو جائے گا۔ ان کا خیال تھا 4 ستمبر کے عام معافی کے اعلان کے بعد بھارت سے پناہ گزین بھی لوٹنا شروع ہو جائیں گے جن کی آبادکاری بذات خود بہت بڑا مسئلہ ہو گا۔ سرحدی علاقہ خالی کرا کے اضافی سر دردی کیوں مول لی جائے؟ چنانچہ بنگالی عوام اور باغیوں کا باہمی ربط قائم رہا۔ وہ ایک جیسے کپڑے پہنتے اور ایک جیسے خدوخال رکھتے تھے اس لئے یہ شناخت کرنا مشکل تھا کہ کون معصوم ہے اور کون شرپسند واحد علامت ہتھیار تھا جو بآسانی چھپایا یا اٹھایا جا سکتا تھا، کیونکہ وہاں اونچی اونچی گھاس، موسمی فصل یا جنگلی سبزہ بہت تھا۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ صدیق سالک نے بیان کیا ہے۔

''خبر ملی کہ شرپسند راجشاہی کے علاقے روحانپور میں داخل ہو کر لوگوں کو روٹی، رہائش اور نقد رقم دینے پر مجبور کر رہے ہیں فوجیوں کی ایک ٹولی اس گاؤں کی چھان بین کے لئے روانہ کی گئی۔ تلاش کے باوجود کسی شرپسند کا سراغ نہ ملا۔ البتہ ایک کھیت میں کام کرتے ہوئے تین کسان نظر آئے لیکن بے ضرر کسانوں کو چھیڑنا مناسب نہ تھا، لہٰذا وہ مایوس ہو کر لوٹنے لگے تو ایک باریش شخص سے ان کی اچانک ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے اسے پکڑ کر پوچھ گچھ شروع کی مگر اس نے کوئی مدد نہ کی۔ اسے سنگین دکھا کر دھمکی دی گئی کہ اگر اس نے شرپسندوں کا اتہ پتہ نہ بتایا تو اسے ہلاک کر دیا جائے گا۔ اس نے

تینوں کسانوں کی طرف اشارہ کیا انہیں فوراً حراست میں لے لیا گیا اور ان کی نشاندہی پر اسی کھیت میں سے متعدد گرینیڈ، دھماکہ خیز بم اور بنگلہ دیش کے پرچار کے لئے مطبوعہ اشتہار حاصل کیے گئے۔ یہ تینوں مکتی باہنی کے سرگرم رکن نکلے۔'' (میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا۔ صفحہ 110)

پاک فوج کو دھوکہ دینے کے لئے باغیوں نے اور بھی کئی ہتھکنڈے اختیار کیے۔ مثلاً جیسور سیکٹر میں بیناپول اور اگرناتھ کے درمیان دو پاکستانی سپاہی گشت کر رہے تھے۔ سامنے سے ایک مفلوک الحال شخص آتا دکھائی دیا جس کے ہاتھ میں سبزی کا تھیلا تھا۔ تھیلے سے باہر سبزی دور سے دکھائی دے رہی تھی۔ انہوں نے یونہی بھڑک ماری اور چلا کر پوچھا ''کون ہو تم؟'' تو وہ تھر تھر کانپنے لگا۔ اس کے تھیلے کی تلاشی لی گئی تو اس میں سے تخریبی کارروائی کے لے ٹائم فیوز اور دیگر سامان نکلا۔ اسی طرح ایک بار لیفٹیننٹ فرخ نے دریائے برہم پترا کے پاٹ سے ایک کشتی پکڑی جس پر بظاہر موسمی پھل لدے ہوئے تھے لیکن اندر بارودی سرنگیں اور گرینیڈ بھرے تھے۔ علاوہ ازیں مدافعت سے بچنے کے لئے باغی عموماً کچے راستوں سے آتے جاتے تھے جبکہ فوجی اکثر پکی سڑکیں استعمال کرتے تھے۔ رنگپور سے ایک باغی نے سرحد پار اپنے ایک رفیق کار کو خط لکھا ''پاک فوج ہمیں کبھی نہیں پکڑ سکتی، کیونکہ وہ عام شاہراہوں، کشتیوں کے اڈوں اور بڑے بڑے گھاٹوں کی رکھوالی میں مصروف رہتی ہے جبکہ ہم متروک راستے استعمال کرتے ہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ وہ کشتی کی تلاشی لیتے وقت یہ نہیں دیکھتے کہ اس کی نچلی سطح میں کیا رکھا ہے۔ اس کے علاوہ یہ عموماً امام مسجدوں اور امن کمیٹی کے ارکان کے گھروں پر نظر نہیں رکھتے جبکہ یہی ہماری پناہ گاہیں ہیں۔ ہمارا طریقہ کار مکارانہ، مگر ہمارا مقصد عظیم ہے یقیناً فتح ہماری ہو گی۔'' میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا صفحہ 111)

تخریب کاروں کی کارکردگی کی فہرست خاصی طویل ہے مگران کے ہاتھوں مکمل یا جزوی طور پر تباہ ہونے والی چیزوں میں چند جہاز 23 پل، ریل کی 122 پٹریاں اور بجلی کی 90 تنصیبات شامل ہیں۔ مکتی باہنی کا مقابلہ پاک فوج کو کرنا پڑا جس نے نامساعد حالات میں بڑی تندہی سے اپنے فرائض کو پورا کیا۔ ان حالات میں جس چیز کا سب سے برا اثر مورال پر پڑا، وہ شہیدوں اور زخمیوں کی دیکھ بھال تھی۔ جو لوگ سرحدی علاقوں میں زخمی ہو جاتے تھے انہیں پیچھے ہسپتالوں میں منتقل کرنے میں یہ دقت تھی کہ چوکیوں کو جانے والے تمام راستوں میں شرپسندوں نے یا تو بارودی سرنگیں بچھا رکھی تھیں یا گھات سے ان پر چلنے والے ٹریفک پر فائر کرتے تھے، اس لئے زخمیوں کو نکالنے کا واحد

ذریعہ ہیلی کاپٹر تھا۔ جس کے استعمال پر یہ شرط عائد تھی کہ پہلے متعلقہ رجمنٹ کا ڈاکٹر یہ تصدیق کرے واقعی زخمی کی حالت اتنی خراب ہے کہ ہیلی کاپٹر کے ذریعے اسے نکالنا ضروری ہے۔ یہ ڈاکٹر عموماً سرحدی چوکی سے میلوں پیچھے بٹالین ہیڈ کوارٹر میں بیٹھا ہوتا اور اس کے لئے سرحدی چوکی تک پہنچنا بھی اتنا ہی مشکل ہوتا جتنا زخمی کو وہاں سے واپس لانا۔ جو خوش قسمت کسی نہ کسی طور سی ایم ایچ میں پہنچ جاتے ان کی حالت دیکھی نہ جاتی۔ کسی کے اعضا سرے سے غائب ہوتے اور کسی کا چہرہ بری طرح مسخ ہوتا۔ کوئی کانوں سے معذور ہو چکا ہوتا اور کوئی آنکھوں سے محروم! ان میں سے اکثر ایسے تھے جو بچ تو گئے تھے مگر ہمیشہ کے لئے اپاہج ہو کر رہ گئے۔ یہ تھی وہ ''مکتی باہنی'' جس کے ذریعے بھارت نے پاکستان کو دولخت کیا لیکن اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ قیام بنگلہ دیش کے بعد پانچ دس سال کے حالات کی کہانی ہی سب کچھ بتا دیتی ہے۔ آیئے زین العابدین سابقہ کمانڈر مکتی باہنی کی زبانی جان لیجئے۔

مکتی باہنی کے بانی کون ہیں؟

را اینڈ بنگلہ دیش کا مصنف محمد زین العابدین 1971ء کی خونیں یادیں تازہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ 1971ء کی دلخراش یادیں ابھی تک میرے دل ودماغ میں تازہ ہیں۔ گو کہ اس حادثے کو 25 سال بیت گئے لیکن ابھی تک یہ مکمل جزئیات سمیت میری یادوں میں محفوظ ہے۔ یوں تو 71ء کی اس ''جنگ'' سے میری بے شمار یادیں وابستہ ہیں لیکن ایک واقعہ جس نے بعد میں میری سوچوں اور زندگی کا رخ ہی بدل دیا ہمیشہ خلش کی طرح میرے ضمیر کو کچوکے دیتا رہا اور یہی واقعہ دراصل میرے موجودہ خیالات میں انقلابی تبدیلی کی بنیاد بھی بنا۔ اپریل 1971ء کی بات ہے گو کہ پاکستانی فوج نے اپنے آپریشن کا آغاز ڈھاکہ میں اس سے پہلے کر دیا تھا لیکن ابھی تک میرے علاقہ ''نواکھلی'' اس سے محفوظ تھا یہاں پاکستان فوج نہیں آئی تھی جبکہ 25 مارچ کو ڈھاکہ میں وہ اپنا آپریشن شروع کر چکے تھے۔ بنگلہ دیش کی جنگ آزادی کے ایک مقامی رہنما اور موئید ہونے کی وجہ سے میں اپنا فرض بڑی سرگرمی سے انجام دے رہا تھا۔ ہمیں اپنے مقامی ساتھیوں کے ساتھ پاکستانی فوج کی ممکنہ آمد اور مزاحمت کے لئے تیار رہنے کا حکم ملا تھا اور میری کمان میں میرے ساتھی ''مزاحمت'' کے لئے رضا کاروں کو متحد اور منظم کرنے میں سرگرم تھے۔ سٹوڈنٹس لیڈر کی حیثیت سے میں ایک عرصہ سے یہاں شیخ مجیب الرحمٰن کے چھ نکات کا پرچار کرتا آ رہا تھا اور اس حوالے سے میری خاصی شہرت بھی تھی جب مسلح جدوجہد کا آغاز ہوا تو اپنے علاقہ کی ذمہ داریاں مجھے ہی سونپی گئیں جنہیں میں نے اپنی بساط بھر کوشش کے ساتھ ادا کیا۔ ہم نے پہلے پہل مقامی اور قریبی دیہاتوں کے نوجوانوں کو پاکستان کے خلاف سرگرم عمل کیا اور اب صورتحال یہ تھی کہ دور دراز کے دیہاتوں سے بھی نوجوان اپنے ہتھیاروں سمیت جن میں اکثر کے پاس بانس اور تیر کمان وغیرہ تھے نواکھلی میں جمع ہو چکے تھے تاکہ اس طرف

آنے والی پاکستانی فوج کے ساتھ جنگ کی جاسکے۔ مجھے اپنے علاقے میں سیاسی مضبوطی عطا کرنے میں میرے ایک ہمسائے کا اہم کردار تھا۔ جو درمیانی عمر کے ایک معزز شہری تھے۔ جن کے علم وکمال سے ہم سب بہت متاثر ہوتے تھے۔ مجھے آج بھی اس بات کا اقرار کرنے میں کوئی جھجھک مانع نہیں کہ ان کی مشاورت، مدد اور بے پناہ خلوص کے بغیر میں کبھی اپنی سیاسی حیثیت یہاں نہ بنا سکتا۔ دور ایوبی میں انہوں نے ہر مشکل مرحلے پر میرا ساتھ دیا اور اب انہیں میرے نزدیک ایک رہنما کی حیثیت حاصل ہو چکی تھی۔

ہم لوگ فوج کی آمد سے پہلے پہلے اپنے گھروں سے غائب ہو کر ان کیمپوں اور خفیہ پناہ گاہوں میں منتقل ہو رہے تھے جہاں ہم پاکستانی فوج سے محفوظ رہ کر ان کے خلاف ایک جنگ جاری رکھ سکتے تھے۔ یہ خفیہ تربیت گاہیں بھارتی حکومت نے ہمیں فراہم کی تھیں۔ میں نوجوانوں کو ان مقامات تک پہنچانے کا ذمہ دار تھا۔ اس مرحلے پر جبکہ شہر میں پاکستانی فوج کی آمد سے خوف وہراس کی فضا پھیلی ہوئی تھی اور لوگ خود کو غیر محفوظ خیال کرتے تھے میں نے اپنے اس محسن سے کہا کہ وہ میرے ساتھ چلیں تاکہ انہیں بھی اپنے ایک کیمپ میں خفیہ اور محفوظ مقام تک پہنچا سکوں۔

میں نے محسوس کیا کہ اس مرحلے پر وہ اضطراب میں مبتلا دکھائی دے رہے تھے۔ پہلے پہل تو میں نے اسے ان کی قدرتی گھبراہٹ پر محمول کیا لیکن بعد میں مجھے اندازہ ہوا کہ وہ ہماری مسلح جدوجہد سے شاید نالاں ہیں یا پھر ذہنی طور پر اسے قبول نہیں کر رہے۔ میرے محسن کا یہ رویہ میرے لئے ناقابل سمجھ اور پریشان کن تھا۔ سمجھ نہیں آتی تھی کہ مجھے اس مقام تک پہنچانے والے میرے اس محسن کو اب کیا ہو گیا ہے جبکہ آزادی اور بنگلہ دیش کا قیام اب زیادہ دور دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

بہر حال میں انہیں اپنے ساتھیوں کی حفاظت میں سونپ کر خود پاکستانی فوج کے خلاف جنگ میں جت گیا جب ہم نے یہاں سے پاکستانی فوج کے خلاف کامیابی حاصل کر لی اور فوج اپنا آپریشن کر کے چلی گئی تو سب سے پہلے میں اپنے اس محسن کے پاس مبارکباد دینے پہنچا۔ یہ بڑی کامیابی تھی اور میں سمجھتا تھا کہ جب میں انہیں خبر دوں گا کہ ہم نے یہاں پاکستانی فوج کا حملہ ناکام کر کے اسے واپس لوٹنے پر مجبور کر دیا ہے تو وہ بہت خوش ہوں گے۔ میں قریباً بھاگتا ہوا اپنے محسن تک پہنچا اور بے اختیار ان سے بغلگیر ہو کر انہیں خوشخبری سنائی کہ ہم نے معرکہ مار لیا ہے لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب وہ بالکل خاموش رہے اور پاکستانی فوج کے خلاف ایک لفظ بھی ان کے منہ سے

نہ نکلا البتہ ان کی آنکھوں میں آنسو ضرور آ گئے۔ میں نے تب یہی سوچا تھا کہ شاید وہ فوج کا حملہ ٹل جانے کی خوشی کا اظہار آنسوؤں کی خاموش زبان سے کر رہے ہیں کیونکہ بنیادی طور پر وہ ایک شریف اور ٹھنڈے دل ودماغ والے آدمی تھے۔

انہوں نے آہستگی سے مجھے خود سے الگ کیا اور میرے ساتھ ہاتھ میں ہاتھ دے کر بازار میں ایک نزدیکی ٹی سٹال کی طرف چل دیئے شاید وہ یہاں موجود دوسرے لوگوں کے سامنے کوئی بات نہیں کرنا چاہتے تھے میں ان کے ساتھ چلا آیا اور یہی گمان کیا کہ اب وہ کھل کر اپنے خیالات کا اظہار کریں گے۔ چائے آگئی...... میرے محسن نے چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے مجھے تقسیم ہندوستان کا پس منظر تاریخی تناظر میں بتانا شروع کیا اور کافی دیر تک مجھے ہندو کی نفسیات سمجھاتے ہوئے یہ بتاتے رہے کہ ہندو تعصب اور مسلم دشمنی دو ایسی بنیادیں ہیں جو ہندوستان کی تقسیم پر منتج ہوئیں۔ انہوں نے مجھے تفصیل سے ہندو کے ان تمام مظالم سے آگاہ کیا جن کے بعد محمد علی جناح نے علیحدہ مسلم ملک پاکستان بنانے کا فیصلہ کیا تھا اور بتایا کہ کس طرح ایک طویل جنگ لڑنے کے بعد ان کے بزرگوں نے ہندوستان سے علیحدگی اختیار کر کے اپنا الگ ملک پاکستان بنایا تھا۔ انہوں نے کہا کہ اپنے حقوق کی جدوجہد اور اپنے ملک کو توڑنا دو الگ الگ باتیں ہیں۔ وہ بنگالیوں کی اپنے حقوق کے لئے جدوجہد کے بالکل خلاف نہیں لیکن پاکستان توڑنے کو گناہ سمجھتے ہیں اور بتایا کہ ان کا تجربہ اور زندگی بھر کی تحقیق نے انہیں بتایا ہے کہ ہندو کبھی کسی کا دوست نہیں ہو سکتا اور جس ملک کا نام بھارت ہے اس کی حکومت کبھی کسی مسلمان کی حمایت نہیں کر سکتی جب تک کہ اس کے پس پردہ کوئی خطرناک عزائم نہ رکھتی ہو...... اپنی گفتگو کے خاتمے پر انہوں نے بے قرار ہو کر میرا ہاتھ تھام لیا اور آنسو بھری آنکھوں اور رندھی ہوئی آواز سے کہا۔

ARE YOU AGIN GOING TO MAKE US THE SLAVES OF HINDUS

(کیا تم دوبارہ ہمیں ہندو کا غلام بنانا چاہتے ہو)

مجھے ایمانداری سے اس بات کا اقرار کرنا ہے کہ تب ان کی اس بات کا میں نے کوئی اثر نہیں لیا تھا میں نوجوان تھا اور اس جنگ میں پوری طرح ملوث ہو چکا تھا۔ میرا مقصد صرف اپنے لیڈر شیخ مجیب الرحمن کے احکامات کی تعمیل اور بنگلہ دیش کی مکمل آزادی اور بنگالی مسلمانوں کے لئے الگ ملک کا

قیام تھا۔ میرے پاس تب ایسی فضول باتیں سوچنے کے لئے وقت ہی نہیں تھا اور یہ بھی سچ ہے کہ مجھے تاریخ کا اتنا شعور بھی کب تھا، بہر حال میں نے انہیں کچھ نہ کہا، البتہ آئندہ ان سے مشاورت نہ لینے کا ارادہ ضرور کرلیا اور اس پر عمل بھی کیا۔ اس کے بعد میں نے ایک طرح اپنے اس محسن سے علیحدگی ہی اختیار کرلی۔ گو کہ میں دوبارہ ان سے نہیں ملا لیکن کبھی کبھی ان کا یہ سوال مجھے ضرور بے چین کردیتا تھا جو انہوں نے آخری لمحات میں مجھ سے کیا تھا۔ شاید میرے لاشعور کے کسی کونے میں ان کے یہ الفاظ نقش ہو گئے تھے۔ بعد میں سرحد عبور کر کے میں بھارتی فوج سے پاکستان کے خلاف جنگ کی تربیت لینے گیا۔ یہاں سے اپنی ہائی کمان کی طرف سے ''مجیب باہنی'' تیار کرنے کا حکم ملا تھا اور ہم زور وشور سے اپنے ساتھیوں کو دن رات جنگی تربیت دے کر ''مجیب باہنی'' کو منظم کرنے لگے۔

O

یہاں پہنچ کر سب سے پہلے جس تلخ حقیقت نے مجھے بے چین اور سوچنے پر مجبور کیا وہ ہمارے بھارتی ''ہینڈلرز'' کا رویہ تھا عجیب اور پریشان کن بات یہ تھی کہ وہ لوگ ہمیں ''فریڈم فائٹرز'' کا رتبہ دینے کے لئے ہرگز تیار نہیں تھے۔ وہ ہمیں Friends کے بجائے Agents سمجھ رہے تھے اور ان کا رویہ ہمارے ساتھ حاکمانہ تھا۔ اور...... آپ یقین کیجئے میں نے تب بھی کوئی بدگمانی اپنے دل میں نہ آنے دی اور یہی گمان کیا کہ یہ انٹیلی جنس کے لوگ ہیں جن کی تربیت ایک خاص نہج پر کی جاتی ہے اور وہ اپنے کیمپوں میں آنے والے ہر غیر ملکی کو ایجنٹ ہی سمجھتے ہیں جبکہ سیاسی سطح پر ایسا نہیں ہوگا۔

بنگلہ دیش کی آزادی تک میں اپنے خیالات اور نظریات پر بڑی استقامت سے قائم رہا لیکن جب میں نے قیام بنگلہ دیش کے فوراً بعد بھارتی فوج کو اپنے ملک میں لوٹ مار کرتے دیکھا تو بے اختیار اپنے محسن کی بات یاد آ گئی اور میرے نظریات میں پہلی دراڑ تب ہی آئی۔

اب بھارتی فوج کا اصلی چہرہ میرے سامنے تھا۔ میں نے دیکھا کہ پاکستان فوج کے ہتھیار ڈالتے ہی ہزاروں کی تعداد میں بھارتی فوجیوں نے چاروں طرف لوٹ مار مچا دی۔ بھارتی فوجی ''مرہٹہ کیولری'' کے جدید روپ میں نمودار ہوئے جو اس صدی کے درمیانی عرصہ میں بنگال کو تہ تیغ کرنے میں خاصی بدنامی تاریخی طور پر کما چکی تھی۔ میں نے یہی جانا کہ تاریخ خود کو دہرا رہی ہے۔ بھارتی فوجیوں کے ہاتھ جو بھی لگا بلاتخصیص انہوں نے اٹھایا اور بھارت لے گئے۔ تب ہمارے لوگوں کو یوں لگا جیسے بھارتی اس وقت کا صدیوں سے انتظار کر رہے تھے اور جب یہ موقعہ ان کے

ہاتھ لگا تو وہ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اپنے کام میں جت گئے بھارتی فوج نے ہمارے شہروں، انڈسٹریل ایریا، بندرگاہوں، کنٹونمنٹ، کمرشل سنٹرز، الایہ کہ رہائشی آبادیوں میں بھی کرفیو نافذ کر کے بنگلہ دیش وحشیوں کو گھروں میں بند کر دیا اور خود لوٹ مار میں لگ گئے انہوں نے بجلی کے پنکھوں سے معمولی کیل کانٹے اور سوت کی اٹی سے پانی کی ربڑ پائپ تک ہر چیز سمیٹ لی۔ اس لوٹ کے مال کو بھارت منتقل کرنے کے لئے ہزاروں کی تعداد میں آرمی کے بڑے بڑے ٹرک یہاں پہنچا دیئے گئے تھے۔

تاریخ نے بے بس انسانوں کو وحشیوں کے ہاتھوں اس طرح لٹنے کے کم ہی مناظر اس سے پہلے دیکھے ہوں گے کوئی بنگلہ دیشی یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ اس لوٹ مار میں بھارت کی اعلیٰ قیادت شامل نہیں تھی۔ ان کی آشیرواد کے بغیر یہ گھناؤنا قدم بھارتی فوج اٹھا ہی نہیں سکتی۔

حالات وواقعات نے ثابت کر دیا کہ بھارتی فوج نے بنگلہ دیش کو ایک کالونی کی حیثیت دی اور ہمارے ساتھ ایک دوست کے بجائے فاتح جیسا سلوک کیا یہ وہ وقت تھا جب میرے محسن کے سوال نے میرے لاشعور سے نکل کر میرے ضمیر پر دستک دی اور ایک خلش بن کر رہ گیا۔ میں نے تب بھی دعا کی کہ یہ بات غلط ثابت ہو کیونکہ ابھی اس تلخ سچائی کو تسلیم کرنے کا حوصلہ مجھ میں نہیں تھا۔ میں منتظر تھا کہ تاریخ کروٹ بدلے اور میرے محسن کی بات جھوٹ ہو جائے۔

اس نے ہندو اور بھارت سے متعلق جن خدشات کا اظہار کیا تھا وہ غلط ثابت ہوں اور میں ضمیر کی اس اذیت سے نجات پالوں۔

لیکن...... تاریخ کی ستم ظریفی ملاحظہ فرمائیں کہ پے در پے ہونے والے واقعات نے میرے محسن کو سچا ثابت کر دیا اور مجھے اپنے ضمیر کی عدالت میں لاکھڑا کیا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ جب سے میں نے بھارتی عزائم اور اپنی تاریخی غلطیوں کو بتانے کی مہم کا آغاز کیا اور بھارتیوں کے گھناؤنے روپ سے پردہ ہٹایا ہے میں اکثر تنقید کی زد میں رہا ہوں۔

مختلف حلقوں کی طرف سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ جس ملک سے میں نے تربیت حاصل کی جن کے زیر سایہ آزادی حاصل کی میں ان ہی کے خلاف کیوں ہو گیا۔ میرا جواب بالکل واضح ہے کہ میں آج بھی ایک ''فریڈم فائٹرز'' کی ذمہ داری ادا کر رہا ہوں۔ میں اپنے مادر وطن کے خلاف ہونے والی زیادتیوں پر کب تک خاموش تماشائی بنا رہتا؟ اپنے نام نہاد محسنوں کے ہاتھوں کب تک اپنے لوگوں

کی لوٹ مار کا تماشہ دیکھتا رہتا؟ بھارت اگر بنگلہ دیش سے مخلص رہتا تو ہم اسے سر آنکھوں پر بٹھاتے کسی کو اس کے خلاف ایک لفظ کہنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

لیکن...... بھارت نے اپنے گھٹیا ہتھکنڈوں کے ساتھ اپنے گھناؤنے عزائم کو خود ہی بے نقاب کر دیا اور ثابت کیا کہ وہ کبھی ہمارا دوست نہیں تھا...... البتہ آستین کا سانپ ضرور ثابت ہوا ہے۔ بھارت نے بنگلہ دیش کی آزادی اور حاکمیت اعلیٰ کو خطرے میں قرار دیا ہے۔ ہمارے وجود کے لئے چیلنج بن چکا ہے۔ اس صورتحال نے مجھے ایک ''فریڈم فائٹرز'' کا رول ادا کرنے پر مجبور کر دیا اور اب میرا فرض بنتا ہے کہ میں بنگلہ دیش کے دشمنوں کے خلاف جو کچھ بھی اپنی حیثیت میں کر سکتا ہوں کر گزاروں۔ خواہ اس کی کچھ بھی قیمت ادا کرنی پڑے۔

آج یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ بھارت نے بنگلہ دیش کو ایک علیحدہ مملکت کی حیثیت دلانے کے لئے آزاد نہیں کروایا تھا بلکہ یہ تو مشرقی پاکستان کو بھارت میں ضم کرنے کی طرف ایک اہم قدم تھا۔

بنگلہ دیش کے قیام کے ساتھ ہی بھارت نے اپنی تمام شیطانی قوتوں کے ساتھ بنگلہ دیش کی سالمیت پر حملہ کر دیا اور اپنی تمام توانائیاں ''اکھنڈ بھارت'' کے براہمی خواب کو حقیقت کا روپ دینے لگا دی ہیں۔

O

ان شیطانی قوتوں میں سے جو بنگلہ دیش پر حملہ آور ہوئی ہیں سب سے بڑے اور مثبت پہلو بھارت کی بدنام زمانہ انٹیلی جنس ایجنسی ''ریسرچ اینڈ اینلنسز ونگ'' ہے جسے مہذب دنیا ''را'' کے نام سے جانتی ہے۔

1968 میں ''را'' نے مشرقی پاکستان کو اپنی مذموم سرگرمیوں کا گڑھ بنا لیا اور بالآخر پاکستان ٹوٹ گیا۔

قیام بنگلہ دیش پر بھارت کو یہاں خاصی دشواری پیش نہیں آئی ''را'' کا سیٹ اپ تو پہلے ہی موجود تھا آزاد بنگلہ دیش میں انہوں نے اس پرانے نیٹ کو اس طرح تیزی کے ساتھ پھیلایا کہ اب بنگلہ دیش میں کچھ بھی ان کی دسترس سے محفوظ نہیں رہا۔

''را'' کا نیٹ ورک بنگلہ دیش کے جسد ملی میں کینسر کی طرح پھیل چکا ہے بہر حال اس خطرے

شاذ ہی خوف اور طمع کے مارے قومی سطح پر تو کوئی کرنے کی جرات نہیں کرتا البتہ کبھی کبھی اخبارات میں اس حوالے سے ضرور خبریں وغیرہ آ جایا کرتی ہیں۔ اس ضمن میں کوئی با قاعدہ کام نہ تو کسی نے کیا اور نہ ہی سامنے لایا گیا۔ میں نے 95-1994ء میں ہفت روزہ مسلم جہاں میں ''را'' کے کالے کرتوت پر ایک مضامین کا سلسلہ شروع کیا تھا جسے محب وطن حلقوں میں سراہا گیا اور دوستوں کا تقاضہ تھا کہ اس ضمن میں کوئی باقاعدہ کام کتابی شکل میں سامنے لایا جائے۔ جواب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ میں یہاں ایک بات ضرور کہوں گا کہ میرے نزدیک ''را'' کوئی ناقابل تسخیر قوت کا نام نہیں حقیقت یہ ہے کہ اسے بنگلہ دیش میں حالات ہی بڑے سازگار ملے ہیں اور بے پناہ ذرائع رکھنے کی وجہ سے اس نے بظاہر ہمیں بے بس کر رکھا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ اس کی مذموم سرگرمیوں کا توڑ نہیں کیا جا سکتا۔ ایسا ماضی میں بھی ہوتا آیا ہے اور ابھی بھی بنگلہ دیش کے محب وطن حلقے ہر سطح پر ''را'' کی گھناؤنی سازشوں کو ''کاؤنٹر'' کر رہے ہیں۔ اس کتاب کے ذریعے میں ''را'' کے کرتا دھرتا اور بھارتی حکومت کو بھی یہ پیغام دینا چاہتا ہوں کہ بنگلہ دیش ان کی خفیہ اور گھٹیا حرکتوں کی وجہ سے کبھی ان کے سامنے گھٹنے نہیں ٹیکے گا۔ ہم دشمنوں کے ساتھ ملکی سالمیت پر کوئی سمجھوتہ نہیں کریں گے۔ گزشتہ 25 سال سے ''را'' نے ہمارے ملک میں سازشوں کا جو جال پھیلا رکھا ہے وہ لپیٹنا پڑے گا ہم مشکل ترین حالات میں بھی اپنی آزادی اور اقتدار اعلیٰ کی حفاظت کرنا اچھی طرح جانتے ہیں۔ بنگلہ دیش ممکن ہے بھارت کے لئے ایک چھوٹا اور کمزور ملک ہو لیکن یہ ہماری شان اور ہمارا فخر ہے۔ ہم ٹیپو سلطان کے اس قول پر یقین رکھتے ہیں کہ شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی ہزار سالہ زندگی سے بہتر ہے۔ مجھے مجھے دوست حلقوں کی طرف سے ''را'' کے خلاف لکھنے پر پیش آنے والے حالات کی نشاندہی کی گئی اور کہا گیا کہ اس میں میری جان بھی جا سکتی ہے میرا ان لوگوں کو یہی جواب ہے کہ میرے نزدیک میری زندگی کی اہمیت میرے مادر وطن سے زیادہ عزیز نہیں اور میں کسی بھی قیمت پر اپنے ملک کی تباہی پر مجرمانہ خاموشی اختیار نہیں کر سکتا اور جہاں تک زندگی موت کا تعلق ہے وہ قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے میں 71ء میں بھی مارا جا سکتا تھا یہ زندگی جو میں گزار رہا ہوں میرے لئے ایک بونس ہے میں اپنے ملک کے لئے اس سے گزر جانا معمولی بات جانتا ہوں۔

(''را'' اینڈ بنگلہ دیش۔ پیش لفظ۔ محمد زین العابدین)

O

محمد زین العابدین کی کتاب کے اس ابتدائیے سے آپ نے اندازہ کرلیا ہوگا کہ اس کی ز
میں اتنا بڑا انقلاب کیسے آیا کہ وہ ''مکتی باہنی کے ایک لیڈر اور شیخ مجیب الرحمٰن کے قریبی ساتھی۔
اچانک کیوں بدل گیا اور 1971ء کے اپنے اعمال وافعال پر پچھتا رہا ہے۔ زین العابدینؒ ک
ہے۔

''را'' بنگلہ دیش میں اپنے آپریشن مختلف مقامات سے لانچ کرتی ہے لیکن انڈین ہائی کمی
ڈھاکہ ڈپٹی ہائی کمیشن چٹاگانگ اور راجشاہی کو بنگلہ دیش مخالف سرگرمیوں کا گڑھ قرار دیا جاتا ہے
''را'' کے درجنوں آفیشلز ان سفارتی مشنوں میں بظاہر وزارت خارجہ کے ملازمین کے روپ میں
گھناؤنے کارنامے سرانجام دے رہے ہیں چونکہ ان کے پاس مضبوط سفارتی کور ہوتا ہے اس لئے
اطمینان سے اپنا کام بلاخوف وخطر کرتے ہیں اور بنگلہ دیش انٹیلی جنس کی نظر میں آنے کے باوجو
اپنے خلاف کسی کارروائی سے محفوظ رہتے ہیں کیونکہ بنگلہ دیش کی حکومت کو ایسے کسی بھی بھارتی ایج
کو ناپسندیدہ شخصیت قرار دے کر ملک بدر کرنے سے پہلے ہزار مرتبہ سوچنا پڑتا ہے۔ بنگلہ دیش م
جاسوسی کے ان مراکز کے علاوہ مالی باغ کلکتہ سے ایک سینئر ''را'' آفیسر کے زیر کمان ''را'' کی ای
مضبوط ٹیم بنگلہ دیش میں جاسوسی اور تخریبی کارروائیاں جاری رکھتی ہے۔ کلکتہ کا یہ ''سیٹ اپ'' ہ
کمیشن سے الگ اپنی حیثیت میں یہ کارروائیاں کرتا ہے جسے ان کاموں کے لئے 20 کروڑ رو
سالانہ بجٹ حکومت کی طرف سے دیا جاتا ہے۔ اس سیٹ اپ کے تحت ایک آفس دارجلنگ شیلانگ
اور دوسرا اگرتلہ میں بھی کام کررہے ہیں جہاں سے بنگلہ دیش کی سلہٹ کے خلاف آپریشن لانچ ک
جاتے ہیں۔ ان تمام ذیلی مراکز کا اپنا الگ الگ دائرہ کار ہے جہاں یہ جاسوسی اور تخریبی کارروائیا
کرواتے رہتے ہیں۔

''را'' کے ''ہینڈلرز'' نے بنگلہ دیش میں جاسوسی کا ایک مربوط اور مضبوط جال اپنے ایجنٹوں ک
ذریعے پھیلا رکھا ہے یہ تو وہ لوگ ہیں جو ''را'' کے باقاعدہ ایجنٹ ہیں جبکہ ان باقاعدہ ایجنٹوں ک
علاوہ'' بنگلہ دیش میں کثیر تعداد میں مددگار ہمدرد اور پارٹ ٹائم ایجنٹ بھی میسر ہیں۔

را کے ایجنٹوں کو تین کیٹیگریز میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

1-...... بھارتی شہریت رکھنے والے ایجنٹ جنہیں جاسوسی اور تباہ کاری کی باقاعدہ تربیت د
کر بنگلہ دیش میں داخل کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ اپنے اپنے ٹارگٹ ایریا میں مختلف روپ دھار کر لیا

رتے ہیں ہر ایجنٹ نے اپنی ایک جعلی شناخت ''کور'' بنائی ہوتی ہے جیسے جرنلسٹ بزنس مین طالب
م فنکار اور لیکچرار وغیرہ۔ ایسے معاشرتی خول اپنے چہروں پر چڑھائے یہ لوگ اپنے کام میں مصروف
تے ہیں۔

2-...... بنگلہ دیش کے وہ شہری جو مختلف لالچ مثلاً روپیہ پیسہ کاروباری منفعت یا نظریاتی وابستگی
ہندو ہونے کی صورت میں) کے تحت ''را'' کے ایجنٹ بن جاتے ہیں۔

3-...... کسی تیسرے ملک کے شہری جن کا تعلق بنگلہ دیش یا بھارت سے نہیں ہوتا ان میں زیادہ
مد این جی اوز کی ہوتی ہے یا پھر غیر ملکی آرگنائزیشن مثلاً کسی بزنس آفس کارپوریشن ملٹی نیشنل کمپنی
ے ملازمین جن کا تبادلہ اپنے کام کے سلسلہ میں بنگلہ دیش میں ہوتا ہے یا پھر وہ کسی بین الاقوامی
اجیکٹ کے تحت بنگلہ دیش میں ملازمت اختیار کرتے ہیں۔

''را'' کی طرف سے اپنے ایجنٹوں کو بنگلہ دیش میں عموماً اس طرح کی ڈیوٹیاں دی جاتی ہیں۔
لہ دیش کے دفاع اور قومی پالیسیوں سے متعلق خفیہ اور حساس نوعیت کی اطلاعات حاصل کر کے
را'' کو پہنچانا۔ بھارت کے معاشی اور دیگر مفادات کا تحفظ اور انہیں جاری وساری رکھنا۔ گمراہ کن
اپیگنڈہ کے ذریعے بنگلہ دیشی عوام کو ان کے ملکی مفادات کے خلاف سرگرم عمل کر کے بھارت کے
ت میں فضا ہموار کرنا۔

سیاسی ابتری پھیلانا تخریب کاری کو بڑھاوا دینا لا اینڈ آرڈر کے مسائل پیدا کرنا، ہڑتالوں بند اور
اک کے ذریعے سیاسی انارکی پھیلائے رکھنا، تاکہ بنگلہ دیش کی معاشی ترقی رکی رہے۔ غربت
قرار رہے اور وہ اپنی معیشت کو سنبھالا دینے کے لئے بھارت کے محتاج بنے رہیں آزادانہ طور پر اپنی
لوئی پالیسی نہ بنا سکیں۔ لسانی اور مذہبی فسادات کرواتے رہنا۔

بنگلہ دیش کی درسگاہوں میں ابتری پھیلائے رکھنا تاکہ بنگلہ دیشی طالب علم بددل ہوکر بھارتی
تعلیمی اداروں کا رخ کرنے پر مجبور ہوجائیں۔ بنگلہ دیش میں چلنے والی علیحدگی اور دہشت گردی کی
ٹریکوں کو مضبوط کرنا۔

11 اگست 1994ء کے ہفت روزہ ''جھنڈر'' نے اپنے شمارے میں لکھا کہ بھارتی بڑی چالاکی
سے ایسے اقدامات کرتے رہتے ہیں جن سے بنگلہ دیش میں مزدوروں کی ہڑتالیں جاری رہیں اور
نگلہ دیش کی اکانومی کبھی مضبوط نہ ہونے پائے۔

''را''، تسلیمہ نسرین جیسی بدکردار عورتوں کو اپنی تنخواہ دار ایجنٹ بنا کر بنگلہ دیش میں مذہبی جذبا کو بھڑکاتی رہتی ہے۔ ''را'' کے ایجنٹ ہمیشہ ایک محاذ پر گرم رہتے ہیں کہ بنگلہ دیش کو بھارتی اشیا منڈی بنائے رکھیں۔ ''را'' کے ایجنٹوں نے ''جمناپل'' کو تباہ کرنے کی سازش کی تاکہ بنگلہ دیش صنعتی ترقی کو روک کر وہاں انڈین مفادات کو بڑھاوا دیا جائے۔

O

19 اپریل 1993ء کے ہفت روزہ ''بکرم'' میں بنگلہ دیش میں قومی شہرت کے حامل پروفیسر علی حسن نے ایک چونکا دینے والا مضمون لکھا جس میں کہا کہ یہاں کچھ لوگ بھارت کے ساتھ زبر کی سیاسی سانجھ بنائے رکھنا چاہتے ہیں انہیں بھارت کی کوئی غلطی یا دھاندلی کبھی دکھائی نہیں د اسے دیکھنا ہی نہیں چاہتے۔ الا یہ کہ وہ لوگ بنگلہ دیش کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے والی بھارتی سازشو جانتے بوجھتے بھی ان کے خلاف اپنی زبان سے ایک لفظ نہیں کہتے خود کو ترقی پسند کہلانے کے ش میں وہ شعائر اسلامی پر بے جا اور بے ہودہ تنقید کرتے رہتے ہیں دراصل یہ لوگ بنگلہ دیش کو بھار میں ضم کرنے کے لئے میدان ہموار کر رہے ہیں۔ ستم بالائے ستم کہ ملکی سالمیت کے ان دشمنو زبان بندی بھی کوئی کرنے کو تیار نہیں اور انہیں اپنے زہریلے نظریات پھیلانے کی مکمل آزادی حا ہے۔ ان حوالوں سے ''را'' کے بنگلہ دیش میں کام کی نوعیت سمجھ آجاتی ہے اور صاف دکھائی پڑتا کہ وہ معمول کی انٹیلی جنس ایجنسی سے بھی زیادہ سرگرمی کے ساتھ بنگلہ دیش کی جڑیں کاٹنے مصروف ہے۔ بنگلہ دیش میں کچھ عاقبت نااندیش نام نہاد دانشور یہ کہتے دکھائی دیں گے کہ بھار اپنا سائز مزید بڑھانے کی کیا ضرورت ہے وہاں تو پہلے ہی غربت کے مارے لوگوں کا برا حال اور بھارت اپنی سرحدوں کو مزید وسیع کر کے آخر اس نوعیت کے مزید جنجال کیوں پالے گا۔ ان لو کو اطلاع کے لئے عرض ہے کہ بھارت ماضی میں ایسی کئی مثالیں قائم کر چکا ہے جب اس کے بین الاقوامی قوانین بالائے طاق رکھ کر بزور کمزور ہمسایہ ممالک کے کچھ شہریوں کو زبردستی اپنے سمیٹ لیا اس ضمن میں حیدرآباد مناور دگوا دمن دیو اور کشمیر کی مثالیں کیا ان کے لئے کافی نہیں؟

کوئی بھی باضمیر آخر بھارت کے غیر قانونی دھاندلی اور دھونس سے سازش کے ذریعے سکم حصہ بنانے کو کیسے نظر انداز کر سکتا ہے جو ہمالیہ کی پہاڑیوں میں گھری ایک چھوٹی سی اور انتہائی ریاست تھی جس سے بھارت کو کبھی کوئی خطرہ لاحق نہیں رہا پھر کوئی بھی عقل و شعور رکھنے والا انسا

ات کیسے نظر انداز کر سکتا ہے کہ بھارت بنگلہ دیش میں بھی اپنے پر نہیں پھیلائے گا۔

بنگلہ دیش کو بھارت میں ضم کرنا ''را'' کا حتمی ٹارگٹ ہے۔ بھارت کی شمال مشرقی ریاستوں میں چلنے والی آزادی کی تحریکوں کا سلسلہ بنگلہ دیش کی سرحدوں تک پھیلا ہوا ہے اور ''را'' کی طرف سے مسلسل اس منصوبے پر کام ہو رہا ہے کہ بنگلہ دیش کو کمزور کر کے بنگلہ دیش کی سرحدوں پر موجود اس حمایت کا صفایا کر دیا جائے۔ ''را'' کے کرتا دھرتا اپنے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کے خواب کو یونائیٹڈ انڈیا عوام راج کو عملی تعبیر دینا اپنا ملی اور دھارمک فریضہ سمجھتے ہیں اور بڑے جوش و خروش سے اس کام پر لگے ہیں اس سچائی سے انکار ممکن نہیں کہ ہندو قیادت نے بھارت کی تقسیم کو بادل نخواستہ قبول کیا تھا اور آج بھی بنگلہ دیش بھارتی لیڈر شپ کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح چبھ رہا ہے۔

O

خفیہ معاہدہ اور 2010

1971ء کی جنگ میں مشرقی پاکستان کے بنگالیوں کی مدد بھارتیوں نے کسی اور جذبے سے نہیں کی تھی ان کا مقصد ہندو کے اسی خواب کو پورا کر کے مشرقی پاکستان کو بھارت کا حصہ بنانا تھا۔ 1971ء کی جنگ کے بعد بھارت اور گورنمنٹ آف بنگلہ دیش کے درمیان جو معاہدہ طے پایا اس سے صاف عیاں ہے کہ بھارت کسی صورت ایک آزاد بنگلہ دیش کے قیام پر راضی نہیں تھا بلکہ وہ ایسا بنگلہ دیش چاہتا تھا جس پر ہمیشہ کے لئے بھارت کی گرفت مضبوط رہے۔ یہ وہ سات نکاتی خفیہ معاہدہ ہے جو اکتوبر 1971ء میں بھارت اور بنگلہ دیش کی صوبائی حکومت کے درمیان طے پایا۔

(مصنف کی مراد شاید تب کلکتہ میں قائم ہونے والی نام نہاد بنگلہ دیش جلاوطن حکومت ہے جس سے یہ خفیہ معاہدہ طے ہوا تھا جسے بعد میں بنگالیوں کی مرضی کے خلاف جبر اور دھونس دھاندلی سے سرکاری حیثیت دے دی گئی)

نکات ملاحظہ فرمائیں......

1-...... بنگلہ دیش کی آزادی کے بعد موجودہ ایڈمنسٹریٹو آفیسرز (مراد بھارتی فوج اور ''را'' کے افسران ہیں) جنہوں نے بنگلہ دیش کی جنگ آزادی میں حصہ لیا بدستور اپنے عہدوں پر فائز رہیں

گے آزادی کے بعد کسی بھی آفیسر کو نکالنے اور بھرتی کرنے کی ذمہ داری ''بھارتی انتظامیہ'' کی ہو گ

2-...... بنگلہ دیش کی آزاد حکومت اپنی حیثیت میں کسی بھی قسم کی ''ریگولر فوج'' بنانے کی مجاز ہوگی۔

4-...... سیکیورٹی اور لاء اینڈ آرڈر کے مسائل سے نمٹنے کے لئے ''فریڈم فائٹرز'' (یہ فریڈم ظاہر ہے مکتی باہنی اور بھارتی ایجنٹ ہی ہو سکتے تھے) میں سے ایک ''ملیشیا'' قائم کی جائے گی۔

5-...... انڈین آرمڈ فورسز کا چیف آف سٹاف پاکستان کے خلاف جنگ کی قیادت کرے گ باہنی انڈین آرمڈ فورسز کی کمانڈ کے تحت کام کرے گی۔

6-...... آزاد بنگلہ دیش اور بھارت کے درمیان تجارت اور لین دین فری اور اوپن ہوگا، میں ایک مرتبہ دونوں ممالک کی تجارتی نقل وحمل کا جائزہ لیا جایا کرے گا اور ادائیگی پونڈ سٹرلنگ ہوگی۔

7-...... بنگلہ دیش وزیر خارجہ بھارتی وزارت خارجہ سے نزدیکی تعلق رکھنے اور ان کی مشاور ر پابند ہوگا بھارتی وزارت خارجہ بنگلہ دیش وزیر خارجہ کو ''اسسٹ'' Assist کرنے کی ''پابند گی۔

بھارتی حکومت اس گھٹیا شرط کو آج تک کسی بنگلہ دیشی حکومت سے نہیں منوا سکی لیکن ا 2010ء میں حسینہ واجد اس پر عمل پیرا ہے۔ وہ اس طرح کہ بھارت افغانستان میں ذلیل ہو کے بعد بنگلہ دیش کو اپنا معاون بنانا چاہتا ہے۔ بنگلہ دیش کابل میں اپنا سفارتخانہ بھارت کی مدد قائم کر رہا ہے جہاں کا عملہ بھی بھارتی ہوگا۔ ظاہر ہے یہ ''را'' کا مرکز بنے گا۔

(بحوالہ ہمایوں رشید چوہدری کا انٹرویو CIA In The Libration War of Bangladesh مصنف مسعود الحق)

مسٹر ہمایوں رشید چوہدری ''چیف آف دی مشن آف پروونشل گورنمنٹ آف بنگلہ دیش ان د نے اپنے انٹرویو کے دوران انکشاف کیا کہ نذر الاسلام ایکٹنگ پریذیڈنٹ آف پروونشل بنگلہ د گورنمنٹ اس معاہدے پر دستخط کرنے کے بعد بہت سٹپٹائے لیکن وہ کچھ کر نہیں کر سکتے تھے ا سازش کا اندازہ اس بات سے لگا لیجئے کہ آج تک اس معاہدے کو بھارت یا بنگلہ دیش حکومت دونو میں سے کسی نے بھی شائع نہیں کیا۔

متذکرہ بالا معاہدے پر عملدرآمد کے لئے بنگلہ دیش کی پروونشل گورنمنٹ نے درج ذیل اقدامات کیے تھے۔

الائیڈ فورسز کا کمانڈر انچیف جنرل عبدالغنی عثمانی کے بجائے لیفٹیننٹ جنرل جگجیت سنگھ اروڑہ کو مقرر کیا گیا۔

پاکستانی افواج کے ہتھیار جنرل اروڑہ کے سامنے ڈلوائے گئے۔

انڈین سول سروس کے افسران نے بنگلہ دیش آزاد ہوتے ہی ڈھاکہ پہنچ کر سول انتظامیہ کی تمام ذمہ داریاں سنبھال لیں۔

16 دسمبر 1971ء کو پاکستانی فوج کے ہتھیار ڈالنے کے بعد بھارتی فوجیں بنگلہ دیش میں مقیم رہیں۔

O

بھارتی حکومت تو اپنی افواج کے بنگلہ دیش میں لامحدود مدت تک قیام پر بضد تھی لیکن بنگلہ دیش کے عوام کی شدید مخالفت اور دس جنوری 1972ء کو شیخ مجیب الرحمٰن کی آمد نے بھارتی فوجوں کو واپسی پر مجبور کیا کیونکہ شیخ مجیب نے جلسہ عام میں بھارتی فوجوں کی واپسی کا مطالبہ کر دیا تھا بھارت کے سابقہ صدر گیانی ذیل سنگھ نے اپنے ایک انٹرویو میں جو 27 جولائی 1987ء کے بھارتی اخبارات میں شائع ہوا ''بھارتی منصوبے'' کا پردہ پہلی مرتبہ چاک کیا۔ گیانی ذیل سنگھ نے اس انٹرویو میں کہا کہ ''بھارتی فوجوں کی واپسی قرین انصاف نہیں تھی اس سے بھارتی مفادات کو زبردست دھچکا لگا''۔

''را'' کا یہ منصوبہ کہ بنگلہ دیش کے قیام کے بعد بھارتی فوجیں وہاں موجود رہیں فیل ہو گیا تو اس نے بھارتی بالادستی اس نوزائیدہ مملکت پر قائم رکھنے کے لئے دوسرے طریقے اختیار کر لئے ''را'' کے منصوبہ ساز اس تلخ حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ کسی بھی ملک کو زیادہ دیر تک زبردستی اپنے قبضے میں فوج کے ذریعے نہیں رکھا جا سکتا۔ آج کی دنیا میں کسی بھی فوج کے غاصبانہ قبضے کو پذیرائی نہیں ملتی بلکہ مہذب دنیا میں اسے زبردست لعن طعن کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ استعماری قوتوں نے اس کلیہ کو تسلیم کر کے اس سے دستبرداری کا اعلان کر دیا ہو۔

''را'' بنگلہ دیش کو بڑی تیزی سے اس صورت حال کی طرف گھسیٹ رہی ہے۔ اس منصوبے پر عمل پیرا بھارت چالیس بین الاقوامی نوعیت کے دریاؤں والے بنگلہ دیش کو اس کا پانی روک کر صحرا

میں تبدیل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

چٹاگانگ میں پہاڑی قبائل چکمہ کو بنگلہ دیشی حکومت کے خلاف متحرک کر دیا گیا ہے اور ان مسلح تحریک جاری ہے ''را'' کی طرف سے بنگ بھومی کے کور میں اپنے خفیہ ایجنٹوں کو بنگلہ دیش داخل کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جا رہا ہے تعلیمی درسگاہوں میں ہڑتالیں اور مظاہرے کر وہاں کا ماحول پراگندہ کیا جا رہا ہے تاکہ اپنی تعلیم جاری رکھنے کے لئے طلباء و طالبات بھا درسگاہوں میں داخلہ لینے پر مجبور کر دیئے جائیں۔ ٹریڈ یونین ازم کی آڑ میں ''را'' بنگلہ دیش فیکٹریوں اور کارخانوں میں ماحول کشیدہ کیے رکھتی ہے اور آئے روز بند اور ہڑتالوں کی کال معاشی حالات کو دگرگوں کر دیا ہے۔ بنگلہ دیشی عوام کو نفسیاتی طور پر احساس عدم تحفظ کا شکار کرنے لئے بھارت کی بارڈر سیکیورٹی فورسز نے تلپتی موہوری چار نرل چار اور بہت سے دوسرے د نوعیت کے بنگلہ دیشی سرحدی علاقوں پر زبردستی قبضہ کر کے انہیں بھارت کا حصہ بنا دیا ہے۔ بی ا ایف بارڈر سیکیورٹی فورسز اور بھارتی انٹیلی جنس کے ایجنٹ جب جی چاہے بنگلہ دیش میں گھس جا ہیں وہاں کے شہریوں کو اغوا کرنا اور قتل کر دینا معمولی کارروائی بن کر رہ گیا ہے۔ سب سے بڑھ ک کہ بنگلہ دیش کی 90 فیصد مسلم آبادی کو اس کی شناخت سے محروم کرنے کے لئے سیکولر نظریات لٹ اور دیگر ذرائع سے ان کی اذہان پر بڑا زبردست حملہ کیا گیا ہے۔ اسلامی عقائد پر رکیک حملے معمول کی بات بن کر رہ گئے ہیں۔

تسلیمہ نسرین اس کی ایک گھناؤنی مثال ہے جو ''را'' کی پیشکش تھی اور جسے ''را'' نے است کرنے کے بعد فالتو ٹشو پیپر کی طرح ایک کونے میں پھینک دیا۔

''را'' کے ایجنٹوں کی طرف سے بنگلہ دیش میں سیاسی انتشار پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش رہی ہے صورتحال اتنی گھمبیر ہو چکی ہے اُن ایجنٹوں کی حرکات سے عوام گمراہ ہو کر واقعی اپنی لیڈر پر عدم اعتماد کا اظہار کرنے لگے ہیں اور ان کی پریشان فکری کا یہ عالم ہے کہ اب وہ دوست اور دشم پہچان بھی کھونے لگے ہیں۔ ''را'' اب اس چکر میں ہے کہ لوگوں کا اعتماد مکمل طور پر اپنی لیڈر انتظامیہ مقننہ پر سے ختم ہو جائے اور خانہ جنگی کی ایسی کیفیت پیدا ہو کہ لیڈر حضرات خود غیر ملکی طا کو (71ء کی طرح) مداخلت کر کے اپنے ہی ملک پر قبضہ کرنے کی دعوت دینے پر مجبور ہو جا ہمالیہ کی ریاست سکم پر ایسے ہی حالات پیدا کرنے کے بعد بھارت نے قبضہ کیا تھا۔

سکم والی سازش کا تانا بانا ''را'' برق رفتاری سے بنگلہ دیش میں بن رہی ہے اور جلد از جلد اس کھیل کو منطقی انجام تک پہنچانے میں کوشاں ہے بڑی مہارت اور یکسوئی کے ساتھ اس منصوبے پر عمل پیرا ہے۔ ''را'' کے منصوبہ ساز بنگلہ دیش کے عوام کی ملی ثقافت چھین کر معیشت کو مفلوج کر کے، سیاسی انارکی پیدا کر کے یہاں ایسی عدم اعتماد اور نفسانفسی کی فضا پیدا کرنے میں کوشاں ہیں کہ پھر بھارت کو ماضی کی طرح بغیر کسی روک ٹوک کے بنگلہ دیش میں اپنی فوجیں داخل کرنے کا موقع مل جائے یا بنگلہ دیش کی حکومت کو خود اپنے حالات پر قابو پانے کے لئے بھارتی فوج کی ضرورت محسوس ہو اور وہ بھارت سے مداخلت کی باقاعدہ درخواست کرے۔

''نام نہاد مدد کی درخواست'' کا یہ بہانہ پیدا کرنے کے لئے 1971ء کے فوراً بعد ہی بھارت نے بنگلہ دیش کے ساتھ 25 سالہ دوستی کا زبردستی معاہدہ کر لیا تھا۔ اسی طرح ایک تو قانونی طریقہ واردات اپنایا گیا جس کے ساتھ ہی تسلیمہ نسرین جیسی ''را'' کی ایجنٹوں کے ذریعے بھارت اور بنگلہ دیش کے درمیان موجود سرحدوں کو ختم کرنے کی گھناؤنی مہم چلائی جا رہی ہے تاکہ بنگلہ دیش کو باقاعدہ بھارت کا حصہ بنا دیا جائے۔ بڑی بے شرمی اور ڈھٹائی کے ساتھ فی زمانہ جبکہ دنیا میں سرد جنگ کی کیفیت بھی قریباً ختم ہو چکی ہے۔ بھارت کی انٹیلی جنس ایجنسیاں ابھی تک مشرقی اور مغربی بنگال کو متحد کرنے کی تحریک چلا رہی ہیں اور اس کا مسلسل پراپیگنڈہ کیا جا رہا ہے۔

بنگلہ دیش ''را'' کے لئے ایک ٹیسٹ کیس کی حیثیت اختیار کر چکا ہے جہاں وہ اکھنڈ بھارت کا بلیو پرنٹ تیار کر رہی ہے۔

O

تاریخ پر نظر رکھنے والے ہر قاری کو اس حقیقت کا علم ہے بنگال کی تقسیم میں سب سے اہم کردار پنڈت جواہر لال نہرو نے ادا کیا تھا جبکہ اس کے برعکس جھوٹا پراپیگنڈہ کر کے غلط تاثر پیدا کرنے کی بھونڈی کوشش کی جا رہی ہے۔ ہندو اکثریت کا مل بنگال کی لیجلیٹو اسمبلی میں 20 جون 1946ء کو نہرو کی تحریک پر 21/58 تناسب سے بنگال کی تقسیم کے حق میں فیصلہ دیا تھا جبکہ مسلمان ممبران نے 35-106 کے تناسب سے متحدہ بنگال کے حق میں ووٹ دیا۔ دراصل نہرو نے بنگال کی ہندو آبادی کو اس مفروضے کی بنیاد پر خوفزدہ کر رکھا تھا کہ متحدہ آزاد بنگال کی صورت میں آبادی کے لحاظ سے چھ فیصد زائد مسلمان پر حکومت کرنے لگیں نہرو نے اپنی دانست میں بنگال کو ایک آزاد ملک بننے سے اس

لئے روکا تھا کہ بعد میں پھر کمزور مشرقی بنگال کو بھی بھارت کا باقاعدہ مغربی بنگال کی طرح حصہ بنالیا جائے جس کا اظہار اس نے بعد میں کیا۔

بنگال کو ہم نے ایک طے شدہ پلان کے مطابق دو حصوں میں تقسیم کروایا تا کہ بعد میں سارا بنگال انڈیا میں ضم کیا جاسکے۔(ہفت روزہ جھنڈا 13 مئی 1992ء)

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ ان تاریخی سچائیوں کے باوجود ہندو لیڈرشپ بضد ہے کہ بنگال کی تقسیم ان کا نہیں مسلم لیڈرشپ کا کیا دھرا ہے ہندو آج بھی مسلم لیڈرشپ پر کیوس ہونے کا الزام دو قومی نظریے کی وجہ سے لگاتا آرہا ہے جبکہ تاریخی حقائق اس کے برعکس ہیں۔تاریخ بتاتی ہے کہ نہ تو مسٹر جناح کمیونل تھے اور نہ ہی وہ بنگال کی تقسیم چاہتے تھے نومئی 1997ء کے روزنامہ ہندو نے لکھا کہ جناح بنگالی عوام کی مرضی کے خلاف ان پر کوئی فیصلہ ٹھونسنے کے مخالف تھے اور انہوں نے کبھی یہ ضد نہیں کی تھی کہ متحدہ بنگال ضرور پاکستان ہی کا حصہ بنے۔

(مہاتما گاندھی The Last Phase جلد 11 صفحہ 178)

وہ (جناح) بنگال اور پنجاب کو متحد رکھنے کے لئے بڑی مضبوط دلیل دیتے تھے ان کا کہنا تھا کہ ان صوبوں کا کلچر اور کیریئر ایک ہے اور ان کی تقسیم بڑے تباہ کن نتائج پیدا کرے گی۔اس کے جواب میں نہرو بڑی عجیب بات کہا کرتا تھا کہ جناح کی یہ دلیل جو وہ پنجاب اور بنگال کے متعلق دیتے ہیں وہ سارے ہندوستان پر کیوں منطبق نہیں ہوتی۔مسٹر جناح اس بات کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔اور مضبوط دلائل کے ساتھ بتایا کرتے تھے کہ وہ ہندوستان کیوں چاہتے ہیں لیکن بالآخر قائداعظم کو یہ صاف دکھائی دینے لگا تھا کہ ہندو اور برٹش سامراج ہندوستان کے ساتھ ساتھ بنگال اور پنجاب کی تقسیم ضرور کرے گا اب جناح کے پاس سوائے اس تقسیم کو قبول کرنے کے کوئی راستہ باقی نہیں بچا تھا۔

Social Political history of Bengal Kamal-ul-Din Ahmad
p-83

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ ہندو بنگال کی تقسیم کو ہندوستان کی تقسیم سے مربوط کرتا رہا اور بضد تھا کہ اگر ہندوستان تقسیم ہوا تو بنگال بھی ضرور تقسیم ہوگا۔اپنے اصولی موقف کے باوجود ماؤنٹ بیٹن اور جواہر لال نہروؤں کی سازشوں نے قائداعظم کے لئے سوائے اس کے کوئی راستہ باقی نہیں چھوڑا کہ وہ

اس تقسیم کو ہی قبول کرلیں۔ماؤنٹ بیٹن نے قائداعظم سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اگر وہ 3 جون والا فارمولا تسلیم نہیں کرتے تو برٹش گورنمنٹ اقتدار ہندوستان کی سب بڑی سیاسی جماعت انڈین نیشنل کانگریس کو منتقل کردے گی۔

’’را‘‘ نے اب نہرو کے نامکمل ایجنڈے کو مکمل کرنے کا بیڑہ اٹھایا ہے۔’’را‘‘ کی طرف سے تسلسل کے ساتھ یہ پراپیگنڈہ کیا جارہا ہے کہ بنگال کی تقسیم کے ذمہ دار محمد علی جناح تھے یہ’’را‘‘ کے اس خطرناک منصوبے کا حصہ ہے جس کے ذریعے وہ بنگلہ دیشی عوام کو ماضی کی اس تقسیم کی غلطی کے قائل کرکے بنگال اور بنگلہ دیش کے درمیان سرحد ختم کرنا چاہتے ہیں۔’’را‘‘ کی طرف سے بنگلہ دیشی عوام کے ذہنوں میں یہ بات بٹھائی جارہی ہے کہ بنگال کی موجودہ تقسیم غیر فطری ہے اور اس کے ذمہ دار جناح اور ان جیسے کچھ اور’’کمیونل لیڈر‘‘ تھے اب اس منصوبے کا اگلا مرحلہ یہ ہے کہ اس’’غیر مقدس‘‘ سرحدی لکیر کو مٹادیا جائے۔’’آنند ابازار پتریکا‘‘ کلکتہ نے حال ہی میں بنگلہ دیش کی معیشت اور معاشرت پر ایک انتہائی زہریلا مضمون لکھا جس میں ثابت کیا کہ بنگلہ دیش کی معیشت اور معاشرت تباہ ہوچکی ہے اور الٹی سیدھی دلیل کے ساتھ اس مضمون کے آخر میں بنگلہ دیش حکومت کو بڑی ڈھٹائی اور بے شرمی سے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

’’بنگلہ دیش کے عوام کو ان تلخ سچائیوں کا احساس کرنے کے بعد بھارت میں ضم ہونے کا باقاعدہ مطالبہ کرنا چاہیے‘‘

A thorn has been pricked, in my throat in 1947
I do not want to swallow it.
Rather I desire to extort it.
To reclaim the undivided soil of my ancestorts

(ہفت روزہ مسلم جہاں 3 جنوری 95ء)

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ہمارے بزرگوں نے بھی بنگال کی تقسیم نہیں چاہی لیکن وہ کسی بھی صورت میں’’تخت دہلی‘‘ کی غلامی قبول کرنے پر بھی رضامند نہیں تھے۔انہوں نے بیک وقت انگریز اور ہندو دونوں کی غلامی سے نجات کے لئے آزادی کے علم بلند کیے تھے لیکن یوں لگتا ہے جیسے’’را‘‘ نے تاریخ سے کوئی سبق نہ سیکھنے کا مصمم ارادہ کر رکھا ہے اور وہ پوری شدومد کے ساتھ’’اکھنڈ بھارت‘‘ کے

منصوبے پر عمل پیرا ہے۔

28 فروری 1992ء کو ڈھاکہ میں منعقدہ ریجنل کوآپریشن آف ساؤتھ ایشیا سیمینار میں تقریر کرتے ہوئے انڈین نیشنل کانگریس کے ایک سرکردہ لیڈر مایا رام سرجیون Mayaram surgion نے جو روزنامہ ''آجکل'' کا ایڈیٹر بھی ہے کہا ''اگر یورپ متحد ہوسکتا ہے کیا ہم 47 والی پوزیشن پر واپس نہیں جاسکتے''

افسوسناک بات تو ہے کہ اس سیمینار میں کسی نے مایا رام کی زبان کو لگام نہیں دی البتہ وہاں موجودہ ''را'' کے زرخرید ایجنٹوں نے اس کی اس تجویز کو سراہا اور داد و تحسین کے ڈونگرے برسائے ایک اور سیمنار میں جو کہ سنٹر فار ڈیولپنگ دی سپرٹ آف دی بنگالی نیشنل ازم نے بنگالی کیلنڈر کی 15 ویں صدی کی آمد پر منعقد کیا تھا جس میں سپرٹ آف لبریشن وار کے خودساختہ لیڈر حسن امام نے ''را'' کے ایجنٹ مایارام کے اس نظریے کی زبردست حمایت کی اور کہا

''برصغیر کی تقسیم در تقسیم نے ہمارے دلوں کو بھی ٹکڑوں میں بانٹ دیا ہے حالانکہ ہم اکٹھے رہنا چاہتے تھے شاید اس وقت کوئی اس بات کا یقین نہ کرے کہ ہم مستقبل میں پھر ایک ہو جائیں گے''

(روزنامہ انقلاب 30 اپریل 96ء)

حسن امام لگاتک دلال نرمل کمیٹی (71ء کے پاکستان حمایتی غداروں کا صفایا کرنے والی کمیٹی) کا ایک سرگرم ممبر ہے۔ اس کا مندرجہ بالا بیان یہ بتانے کے لئے کافی ہے کہ وہ اور اس کی اس نام نہاد کمیٹی کے دیگر ممبران کس ایجنسی کے لئے کام کر رہے ہیں۔؟

بنگالی قومیت کے بدنام نہاد علمبردار آخر مغربی بنگال کے لوگوں کو یہ سبق کیوں نہیں پڑھاتے کہ وہ بھارت سے قطع تعلق کر کے بنگلہ دیش کے ساتھ اپنا ناطہ جوڑ لیں۔ آخر وہ اس کام کے لئے بنگلہ دیش ہی کے لوگوں کو کیوں اشتعال دلاتے رہتے ہیں؟ آخر وہ بنگلہ دیشیوں کو کیوں بھارت میں ضم ہونے کی ترغیب دے رہے ہیں۔ کیا ہم نے اپنی جانوں کی قربانیاں اس لئے دی تھیں کہ بالآخر بھارت کی غلامی اختیار کرلیں؟ مایارام اور ان جیسے دوسرے ''را'' کے ایجنٹوں کو جرمنی کا الحاق تو نظر آ رہا ہے لیکن وہ روس، چیکو سلواکیہ اور یوگوسلاویہ کا حشر کیوں نہیں یاد رکھتے۔ غیر فطری الحاق کے نتائج بڑے بھیانک ہوا کرتے ہیں۔

''را'' کو ان تلخ حقائق کا شدت سے ادراک ہے۔ کہ بنگالی مسلمانوں کا مذہبی اور مذہب کی بنیا

پر وجود میں آنے والی ان کی ثقافت بنگلہ دیش کے بھارت میں ادغام کے راستے کی بڑی رکاوٹیں ہیں سچا مسلمان کبھی اپنے مذہب اور اقدار سے ناطہ نہیں توڑ سکتا۔

گزشتہ کچھ سالوں سے ''را'' نے ہندو ثقافتی حملہ بڑی شدت سے کیا ہے اور بنگالی کلچر کے نام پر بنگلہ دیش میں ہندو رسومات کو متعارف کروایا جا رہا ہے اور بنگلہ دیشی مسلمان، منگل پردیپ ناقوس اور گھنٹیاں بجانے کی قباحتیں اپنانے لگے ہیں لیکن یہاں بھی وہ ناکام دکھائی دیتے ہیں تاریخ بتاتی ہے کہ مندرجہ بالا رسومات بھی کبھی تمام بنگالیوں میں رائج نہیں رہیں اور یہ بھی بنگالی کلچر کا کوئی ناگزیر حصہ نہیں تھیں لیکن یہ حقیقت تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ باقی نہیں رہا کہ ''را'' نے اس محاذ پر بہت کامیابیاں حاصل کی ہیں اور اپنے ہم خیال بنگالی مسلمان دانشوروں کا ایک گروپ بنانے میں کامیاب ہو چکی ہے۔ اسی صورت حال کی سنگینی کا احساس کرتے ہوئے پروفیسر سید علی احسن کہتے ہیں۔

''بنگالی مسلمانوں میں ایک ایسا گروہ پیدا ہو چکا ہے جو دیپ جلانا، ناقوس پھونکنا، اور گھنٹیاں بجانا اپنی روایات جانتے ہیں اور ہمارے گھریلو اور قومی تقاریب میں یہ قباحتیں در آئی ہیں۔ جبکہ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ یہ تمام ہندو تعصبات کی نشانیاں اور ان کا اس خطے کے رہنے والوں کے طرز معاشرت سے کبھی کوئی تعلق نہیں رہا''

(ہفت روزہ بکرم 25 اپریل 93ء)

شیخ مجیب قتل کیوں ہوئے؟

شیخ مجیب الرحمٰن اوراس کا پہلا وزیراعظم ''را'' کے مستند ایجنٹ تھے یہ بات کئی اہم ذرائع سے ثابت ہو چکی ہے حالانکہ مجیب کے حامی اس پر یہ دلیل دیتے ہیں کہ مجیب نے اگر بھارت سے تعاون کیا تو وہ مغربی پاکستان سے آزادی حاصل کرنے کے لئے کیا تھا لیکن دوسری طرف یہ بات بھی ہے کہ مجیب کو آزادی دلا کر بھارت نے اس کی مدد سے اپنے مضبوط ترین دشمن پاکستان کو نیچا دکھایا۔ بھارتیوں کی مجیب کو مدد بھائی چارے یا انسانیت کے ناطے ہرگز نہیں تھی نہ ہی وہ مجیب الرحمٰن کے عشق میں مبتلا تھے۔ وہ تو اپنا کھیل مجیب کو کٹھ پتلی بنا کر کھیل رہے تھے۔ اس تلخ حقیقت کا ادراک مجیب الرحمٰن کو بنگلہ دیش کے قیام کے فوراً بعد ہی ہو گیا تھا۔ بھارتی چاہتے تھے کہ مجیب کو انہوں نے آزادی دلانے میں جو مدد کی ہے اس کے عوض مجیب اپنا اور اپنی قوم کی طرف سے غلامی کا پٹہ انہیں لکھ کر دے دے۔

1972ء کے معاہدے دوستی کے بعد تو بھارتیوں کو یقین ہو چلا تھا کہ چڑیا ان کے پنجرے سے نکل کر کہیں نہیں جا سکتی۔ بہرحال جب اس نو آزاد ملک نے ایک آزاد حکومت کی حیثیت سے اپنا کام شروع کیا تو بھارتیوں کو یہ طرز عمل نہیں بھایا۔

''را'' کو شیخ مجیب الرحمٰن سے ان بنیادوں پر زیادہ خطرہ تھا۔

1- ''را'' کو احساس تھا کہ مجیب عوام میں اپنی مقبولیت کی بنیاد پر ان کے لئے مسائل کھڑے کر سکتا ہے۔

2- جب شیخ مجیب الرحمٰن نے بھارتی آرمی کو بنگلہ دیش چھوڑنے کے لئے کہا تو وہ ناراض ہو گئے۔

3- 16 دسمبر 71ء کو بھارت نے بنگلہ دیش کے سول معاملات چلانے کے لئے اپنی طرف سے

جو انتظامیہ بھیجی تھی جب مجیب نے ان کو واپس بلانے اور مقامی انتظامیہ کو چارج سنبھالنے کے لئے کہا تو بھارت کو طیش آ گیا۔

4- لاہور میں ہونے والی او آئی سی کی اسلامی کانفرنس میں شیخ مجیب الرحمٰن کی شمولیت بھارتیوں کو ہرگز پسند نہیں تھی۔ بھارت چاہتا تھا کہ بنگلہ دیش ایک سیکولر اور طفیلی ملک بنا رہے۔ انہیں بنگلہ دیش کے دیگر ممالک خصوصاً اسلامی بلاک سے تعلقات ہرگز پسند نہیں تھے۔

''را'' نے شیخ مجیب الرحمٰن کو اپنا تابع فرماں رکھنے کے لئے عوامی لیگ اور حکومت کے اہم عہدوں پر اپنے زر خرید ٹٹو مسلط کر دیئے تھے جو ہر وقت بنگلہ دیش حکومت کو بھارت کی کٹھ پتلی بنائے رکھنے کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ جب ''را'' کو خطرہ محسوس ہوا کہ شیخ مجیب الرحمٰن پر پرزے نکالنے لگا ہے تو انہوں نے پھر عوامی لیگ کے دو ٹکڑے کروا دیئے۔ اس صورتحال سے عوام بددل ہو گئے کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ ان کی حکومت اپنے نہیں بھارت کی صوابدید کے مطابق فیصلے کرتی ہے۔ اس طرح عوام اور حکومت میں دوریاں اور بدگمانیاں جنم لینے لگیں کیونکہ انہوں نے بھارت کی غلامی کے لئے پاکستان سے آزادی حاصل نہیں کی تھی بعد میں شیخ مجیب الرحمٰن کے مخالفین نے اپنی الگ جماعت بھی بنانے کا اعلان کر دیا اور ''را'' نے بنگلہ دیش میں تشدد کی سیاست شروع کروا دی۔

ہڑتال، بند، جلوس، جلسے، دھماکے اور خفیہ قتل و غارت گری کا ایسا سلسلہ شروع کیا جو آج تک رکنے میں نہیں آیا۔ شیخ مجیب الرحمٰن کے مخالفین نے گونو آمی (GONO) ''عوامی فوج'' کے نام سے ایک باقاعدہ دہشت گرد تنظیم ''را'' کی معاونت سے مجیب الرحمٰن کے خلاف کھڑی کر لی۔ اس دہشت گرد فوج کے ہاتھوں شیخ مجیب الرحمٰن کے دور میں ہونے والی کارروائیوں کے دوران دس ہزار سے زیادہ لوگ مارے گئے۔ ان میں بہت سے محب وطن لوگ بھی شامل تھے جو اس عوامی فوج میں اپنی دانست میں بنگلہ دیش کو بھارتی تسلط سے رہائی دلانے کے لئے شامل ہوئے تھے۔ ''را'' نے اپنے ٹاؤٹوں کے ذریعے بنگلہ دیش کی معیشت تباہ کرنے کے لئے یہاں جعلی کرنسی پھیلائی ''شانتی باہنی'' کے ذریعے جیوٹ ملوں میں لوٹ مار کروائی، دھماکے کروائے اور سمگلنگ کے ذریعے بنگلہ دیش کی تجارت کو تباہ کرنے میں کوشاں رہے۔

اس کے ساتھ ساتھ ''را'' نے مجیب الرحمٰن کو BAKSAL ون پارٹی حکومت کا نظریہ اپنانے کے لئے دباؤ ڈالنا شروع کیا تاکہ اس کو ایک ڈکٹیٹر کے روپ میں دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔

''را'' نے راکھی باہنی کے ذریعے بنگلہ دیش کی تمام قوم پرست قوتوں کو تباہ کرنے کا کام شروع کیا اور ''راکھی باہنی'' کی فوج سے باقاعدہ لڑائی شروع کروادی۔ شیخ مجیب الرحمٰن کو جب ''را'' کی سازش کا علم ہوا تو وہ گھٹنوں تک اس دلدل میں پھنس چکا تھا اس کی ہردلعزیزی ختم ہو رہی تھی جس کے نتیجے میں 15 اگست 1975ء کو شیخ مجیب الرحمٰن کے خلاف فوج نے بغاوت کی اور اسے اس کے خاندان سمیت مار ڈالا۔ حسینہ واجد جو وہاں موجود نہیں تھی محفوظ رہی۔ جس نے لندن میں یہ سبق سیکھ لیا کہ اقتدار صرف ''را'' کی مدد سے ملے گا اور اس پر عمل پیرا ہے۔

O

شیخ مجیب الرحمٰن کے بعد خوندکر مشتاق احمد نے زمام اقتدار سنبھالی اس نے نیشنلسٹ اور اسلامی حمایتی پالیسیاں اپنانے کا اعلان کیا لیکن جلد ہی اس کی بھی چھٹی ہوگئی۔ ''را'' نے اس مرتبہ خالد مشرف کے ذریعے مشتاق خوندکر کا دھڑن تختہ کر دیا۔ اس کے بعد ضیاء الرحمٰن بنگلہ دیش کے صدر بے۔ صدر ضیاء نے اپنی شناخت ایک وطن دوست کی حیثیت سے برقرار رکھی اور بھارتی بالادستی کے خلاف ڈٹے رہے۔ صدر ضیاء کی آزادانہ اور اسلام دوست پالیسی اور سب سے بڑھ کر ان کا تلپاتی جزیرے TALPATTI سے متعلق مضبوط موقف جس کے مطابق انہوں نے بنگلہ دیش کے اس جزیرے پر بھارتیوں کے ناجائز قبضے کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے بھارتی حکومت سے جزیرہ خالی کرنے کے لئے کہا بھارت کے لئے بڑے پریشان کن مسائل پیدا کرنے لگا جلد ہی صدر ضیاء ''را'' کی آنکھوں میں بری طرح کھٹکنے لگے۔

''را'' نے ان کے خلاف فوج میں بغاوت کی سیریز شروع کروا دی۔ ایک کے بعد ایک بغاوت۔ 18 بغاوتیں کروانے کے بعد بالآخر ''را'' انہیں قتل کروانے میں کامیاب ہو ہی گئی۔ آخری بغاوت ایسی ہوئی جس کے نتیجے میں صدر ضیاء مارے گئے۔

فاضل مصنف کی کتاب The Secretsbehind The Killing of Zia میں اس اجمال کی مکمل تفصیل درج ہے۔

O

ممتاز بھارتی سیاست دان سبرامنیم سوامی نے صدر ضیاء کے قتل اور دیگر سرگرمیوں کا اقرار کیا: ''را'' کے ملوث ہونے کے مکمل ثبوت فراہم کیے ہیں۔

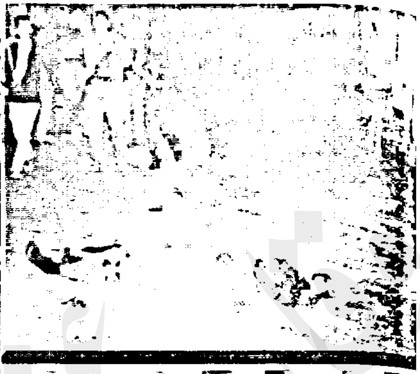

مسز اندرا گاندھی کے قتل کا بدلہ مہاسبھائی ہندوؤں نے سکھوں کو زندہ جلا کر لیا

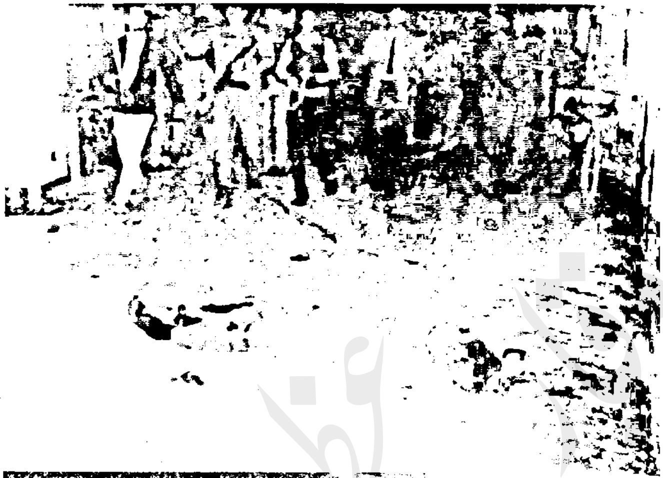

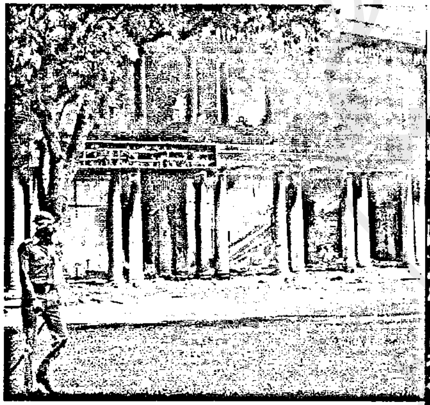

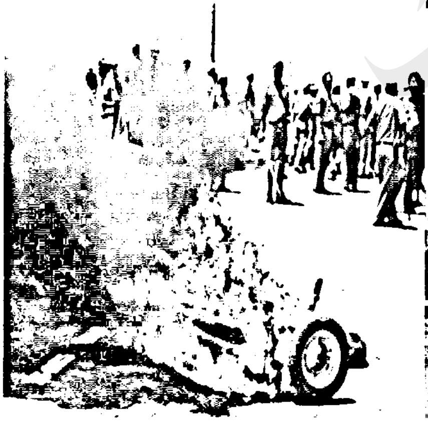

ندہ سکھوں اور اُن کے گھروں
کو جلانے کے لہورنگ مناظر

لاشوں کے یہ انبار جنھیں
بعد میں زندہ جلادیا گیا
کا حساب سکھوں کو
کون دے گا۔
انصاف کب ملے گا؟

اپنے پیاروں کی
لاشوں پر نوحہ کناں
ان عورتوں کو
انصاف کون دے گا

سبرامنیم سوامی نے ممتاز بھارتی سیاسی ہفت روزہ ''سنڈے'' کو انٹرویو میں بتایا۔

بھارتی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کے حکم پر ''را'' نے صدر ضیاء الرحمٰن کے قتل کا منصوبہ نایا۔ آر ں کا وُڈ ائریکٹر جنرل ''را'' اور شنکرن نائر نامی ''را'' کے اعلیٰ آفیسر نے مل کر قتل کا سارا منصوبہ ترتیب ۔ اندرا گاندھی کی منظوری ملنے پر اس گھناؤنی سازش پر تیزی سے عمل درآمد ہوا ابھی کام جاری ہی کہ اندرہ گاندھی حکومت کی چھٹی ہوگئی اور مرار جی ڈیسائی برسر اقتدار آئے۔ جب ڈیسائی کو اس زش کا علم ہوا تو انہوں نے ''را'' کو حکم دیا کہ اس منصوبے پر عمل روک دے۔ اس پر ''را'' نے بائی سے کہا کہ اب اس منصوبے پر عملدرآمد نہیں روکا جا سکتا بصورت دیگر ''را'' کے بہت سے راز ں ہو جائیں گے اور ساری دنیا کے سامنے بھارت کی بے عزتی الگ ہوگی لیکن ڈیسائی اپنے موقف ٹے رہے اور انہوں نے ''را'' کو سختی سے روکے رکھا اس دوران ان کی حکومت ہی ختم کر دی گئی اور زاندرا گاندھی دوبارہ برسر اقتدار آگئیں جن کے آنے کے کچھ ہی عرصہ بعد بالآخر صدر ضیاء الرحمٰن کو وادیا گیا۔

سبرامنیم سوامی کہتے ہیں کہ اگر ''را'' ایسا نہ کرتی تو اس لمبے عرصے تک صدر ضیاء الرحمٰن بنگلہ دیش پر ومت کر رہے ہوتے۔ بہرحال بھارتی حکومت اس الزام سے انکار کرتی رہی ہے کہ اس نے ضیاء ۂمٰن کو قتل کروایا تھا۔

ضیاء الرحمٰن کے بعد جسٹس عبدالستار ملک کے صدر بنے اور انہوں نے ضیاء الرحمٰن کی پالیسیاں ری رکھنے کا اعلان کیا لیکن 24 مارچ 82 کو بنگلہ دیش مسلح افواج کے کمانڈر انچیف جنرل حسن محمد شاد ایک خاموش انقلاب کے ذریعے برسر اقتدار آگئے۔

بنگلہ دیش میں یہ بات ہر کوئی کہتا ہے کہ حسین محمد ارشاد بھی ''را'' کی مدد سے برسر اقتدار آئے تھے۔ انہوں نے فوج کے ذریعے انقلاب برپا کرنے کا مجوزہ منصوبہ پہلے منظوری اور آشیرواد کے لئے مسز اندرا گاندھی کو بھیجا تھا جس نے مکمل تعاون کا یقین دلایا اور ساتھ ہی وعدہ لیا کہ وہ برسر اقتدار نے کے بعد جلد ہی الیکشن کروائیں جس کے ذریعے بھارت کی ''خصوصی سیاست جماعت'' کو کامیابی دلائی جائے گی لیکن صدر ارشاد نے یہ باتیں صرف زبانی کلامی تسلیم کیں کیونکہ وہ فوج میں ''را'' کے اثر ورسوخ کی وجہ سے اس کی حمایت کے بغیر اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل کر ہی نہیں سکتے تھے۔ جیسے ہی انہوں نے زمام اقتدار سنبھالی بھارتی ''ایڈوائس'' کو نظر انداز کرنا شروع کر دیا اور

جلد ہی بنگلہ دیش کی خارجہ پالیسی بھارتی تسلط سے آزاد ہوگئی۔ صدر ارشاد نے اسلام کو ریاست سرکاری مذہب قرار دیا۔

اس صورتحال نے ''را'' کا غصہ مزید بڑھایا اور اس نے صدر ارشاد کے خلاف ہڑتالیں، جلسے جلوس شروع کروا دیئے جنہوں نے ملکی معیشت اور نظم ونسق کا بیڑہ غرق کر کے رکھ دیا۔ ملک میں بیرونی سرمایہ کاری رک گئی۔ ایک مرحلہ پر صدر ارشاد نے اپنا اقتدار بچانے کے لئے ''را'' کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا لیکن اس دوستی کی قیمت وہ ادا نہیں کر سکتے تھے کیونکہ بھارت بنگلہ دیش کو اپنا حما نہیں طفیلی ملک بنانے کا متمنی ہے نتیجہ ظاہر ہے 6 دسمبر 1990ء کو ان کی ہی چھٹی ہوگئی۔

صدر ارشاد کی رخصتی کے بعد بنگلہ دیش میں بھارت حمایتی اور بھارت مخالف کی بنیاد پر انتخابا ہوئے جن میں بنگلہ دیش نیشنل پارٹی (بی این پی) برسر اقتدار آ گئی۔ عوام کا خیال یہی تھا کہ بی این اپنے پیشرو صدر ضیاء الرحمٰن کی طرح بھارت کی غلام کی بجائے آزادانہ پالیسی اختیار کرے گی 1991-95ء تک بی این پی نے جو اقدامات یا پالیسیاں اپنائیں وہ کچھ اس طرح ہیں۔

1- بی این پی نے عوامی لیگ اور اس کی باقیات کو اپنی پالیسیوں سے عوام میں دوبارہ زندہ کر دیا

2- بی این پی کی بنیادی خارجہ پالیسی بھارت کی ناراضی کا باعث نہ بنے اور وہ مطمئن رہے۔

3- ''را'' کو بغیر روک ٹوک اپنے کارروائیاں جاری رکھنے کا موقعہ ملا حکومت اور بیوروکریسی م ''را'' کے ایجنٹوں نے بلاخوف وخطر اپنا کام شروع کر دیا جبکہ وطن دوست بھارت مخالف افسران کھڈے لائن لگا دیا گیا۔

4- مارکیٹ اکانومی کی آڑ میں بنگلہ دیش کی مارکیٹوں کو بھارتی اشیاء سے بھر دیا گیا جس نے بنگ دیش کی انڈسٹری تباہ کر دی۔ بنگلہ دیش کی بیشتر فیکٹریاں اور کارخانے بند ہو گئے۔ بھارتی درآمدا سات کروڑ ڈالر سے بڑھ کر 60 کروڑ ڈالر سالانہ ہو گئیں اور تجارت کا توازن 97 فیصد بھارت ا 3 فیصد بنگلہ دیش رہ گیا۔

5- ''را'' نے ''ڈمی اونرشپ'' کی آڑ میں اپنے مقاصد کی بجاآوری کے لئے درجنوں اخبارا اور رسالے بنگلہ دیش سے جاری کروا دیئے۔

6- فریڈم فائٹرز اور عوام کے درمیان نفرت کی خلیج گہری ہونے لگی۔

7- تعلیمی درس گاہوں میں غنڈہ گردی اور قتل وغارت گری معمول بن کر رہ گئی۔ تخریب کاری م

ضافہ ہونے لگا۔ اس صورت حال سے بددل ہو کر لاکھوں کی تعداد میں بنگلہ دیشی طلبہ اپنی تعلیم جاری رکھنے کے لئے بھارتی تعلیمی اداروں میں داخلہ لینے پر مجبور کر دیئے گئے۔

8- ملک اور دین کے خلاف ہذیان بکنے والوں کے خلاف حکومت نے کوئی بھی کارروائی کرنے سے معذرت کر دی۔ تسلیمہ نسرین، احمد شریف، حسن امام اور اقلیتی طالب علموں کے نمائندوں کی حکومت اور اسلام کے خلاف تحریروں، تقریروں اور کارروائیوں کے خلاف کوئی ایکشن نہیں لیا گیا۔

28 فروری 92ء کو سیارام کی طرف سے بنگلہ دیش کو بھارت میں ضم کرنے کی تجویز پر کسی کے کان پر جوں بھی نہیں رینگی۔ یہ خطاب سیارام نے بنگلہ دیش اسمبلی میں کیا جہاں بیگم خالدہ ضیاء اور حسینہ واجد دونوں موجود تھیں دونوں نے پراسرار خاموشی اختیار کیے رکھی۔ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ ہمارے بیشتر قومی لیڈروں نے ''را'' کے خلاف کھل کر ایکشن نہیں لیا اور اس سے دب کر ہی رہے۔ ان میں سے کچھ پر تو بلاجھجک ''را'' کے ایجنٹ ہونے کا الزام بھی لگایا جا سکتا ہے۔ بنگلہ دیش کے سیاسی حلقوں میں ایک ضرب المثل عام طور پر کہی جاتی ہے۔

'' آپ کو اقتدار حاصل کرنے کے لئے بھارت مخالف ہونا اور اقتدار میں رہنے کے لئے بھارت حمایتی ہونا ناگزیر ہے۔'' بدقسمتی سے حکمرانوں کا یہی وطیرہ رہا کسی نے کھل کر ''را'' کے تسلط سے ملک کو نجات دلانے کی کوشش نہیں کی اور یہی ہمارا سب سے بڑا قومی المیہ بھی ہے۔

زین العابدین لکھتے ہیں۔

میں اس بزدلانہ جاہلانہ اور ملک دشمن سوچ کی مکمل نفی کرتا ہوں کہ بنگلہ دیش چونکہ تین اطراف سے بھارت میں گھرا ہوا ہے اس لئے اس کا دفاع نہیں کیا جا سکتا۔ کہا جاتا ہے کہ بھارت سائز میں بڑا ہونے کی وجہ سے برتری رکھتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ملک اپنے سائز میں نہیں بلکہ پالیسیوں کی بنیاد پر زندہ رہتے ہیں۔ تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ میں یہاں سوویت یونین کی بات کرتا ہوں جسے چھوٹے سے ملک افغانستان نے ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیا اور امریکہ جیسی سپر پاور کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔

ملکوں کو طاقت سے نہیں نظریاتی مضبوطی سے عوامی مورال کی بلندی سے بچایا جاتا ہے اور بنگلہ دیش کے لوگوں میں اپنی آزادی کی حفاظت خود کرنے کی صلاحیت موجود ہے جس کا ثبوت وہ اب تک دیتے آ رہے ہیں۔ ہمارے حکمران بھی اس حقیقت سے آگاہ ہیں اس کے باوجود اگر ہمارے

سیاست دان بھارت کی چمچہ گیری اور کاسہ لیسی ہی میں اپنی نجات سمجھتے ہوں تو ان کی عقل پر ماتم ہی کیا جاسکتا ہے ''را'' نے بڑی ہوشیاری سے ہمارے اعلیٰ حلقوں میں رسائی حاصل کر رکھی ہے وہ اپنے ہم خیالوں ایجنٹوں کو بڑے بڑے انعامات وکرامات سے نوازتے ہیں اور اپنے زرخرید غلاموں کے ذریعے بنگلہ دیش کی شہ رگ کو اپنے کنٹرول میں رکھتے ہیں ایک مثال ملاحظہ کریں۔

ڈھاکہ کے ہفت روزہ ''بکرم'' نے اپنی 29 نومبر 1993ء کی اشاعت میں بنگلہ دیش کے پہلے اسسٹنٹ سیکرٹری وزارت جہاز رانی وآبی وسائل کا انٹرویو شائع کیا ہے۔ اخبار لکھتا ہے ''1972ء میں ہمیں ایک جہاز کی ضرورت تھی۔ پرائم منسٹر سیکرٹریٹ کی طرف سے جہاز خریدنے کی ہدایت جاری ہوئی۔ ہم نے فائل برائے خریداری جہاز وزارت خزانہ کو بھیجی۔ وزیر خزانہ نے فائل اس نوٹ کے ساتھ لوٹائی کہ جہاز کی خریداری کے لئے بھارت سے رابطہ کیا جائے اگر بھارت کے پاس فروخت کے لئے جہاز نہ ہو تو بھی اس کی مشاورت سے ہی کسی دوسرے ملک سے جہاز خریدا جائے۔ ان دنوں جنرل عثمان شپنگ منسٹری کے انچارج اور وزیر خزانہ تاج الدین تھے۔ میں نے فائل بغل میں دبائی اور پرائم منسٹر ہاؤس پہنچ گیا۔ فائل شیخ مجیب الرحمٰن کے سامنے پہنچی اور انہوں نے وزیر خزانہ تاج الدین کا نوٹ پڑھا تو غصہ سے کھولنے لگے میرے سامنے تاج الدین کو طلب کیا اور با آواز بلند نہایت غصے سے پوچھا! مسٹر تاج الدین ہمیں اور کون کون سے معاملات میں بھارت کی اجازت درکار ہوگی۔''

روزنامہ ملت 24 مئی 1995ء کی اشاعت میں لکھتا ہے ''صدر ضیاء الرحمٰن نے فرخا بیراج پر بھارت کے عزائم جاننے کے بعد گنگا بیراج کا منصوبہ شروع کیا تھا جو بھارتی جارحیت کا مسکت جواب تھا بنگلہ دیش کی زراعت کے لئے اس منصوبے کی ضرورت بے پناہ تھی اور بھارتیوں کو یہ فکر دامن گیر تھی کہ اگر اس منصوبے پر عمل جاری رہا تو بنگلہ دیش کی زراعت سبز ہو جائے گی۔ انہوں نے ضیاء الرحمٰن کے جاتے ہی اپنے زرخرید ٹٹوؤں کے ذریعے اس منصوبے کو ناقابل عمل قرار دے کر اس پر عمل درآمد ہی رکوادیا''۔ (بحوالہ روزنامہ ملت 24 مئی 95ء)

O

روزنامہ ''ضیاء کانتا'' کی ایک رپورٹ کے مطابق بھارتی حکومت نے ایک سازش کے تحت بنگلہ دیشی کسانوں کو تباہ کرنے کے لئے ایس ایس پی برانڈ کی کھاد سپلائی کی جب اس کی تباہ کاریوں کا علم

ہوا تھا اس کی درآمد روکنے کے احکامات جاری ہوئے لیکن بیوروکریسی میں موجود ''را'' کے ایجنٹوں نے اس کھاد کو صحیح قرار دلوا کر ہزاروں کی تعداد میں اس کی بوریاں منگوائیں اور کسانوں میں تقسیم کر دیں''۔ (بحوالہ روزنامہ ضیاء کانتا 20 جنوری 95ء)

روزنامہ انقلاب کی ایک اطلاع کے مطابق ایک بھارتی آفیسر کی بنگلہ دیش ٹی اینڈ ٹی بورڈ میں تعیناتی ہوئی۔ اخبار بتاتا ہے کہ ڈائریکٹر آف دہلی کمیونیکیشن سنٹر آف انڈیا سے متعلق منسٹری کی منظوری کے بعد بنگلہ دیش حکومت نے انٹرنیشنل ٹیلی کام یونین سے ایک ڈیٹا ایکسچینج ایکسپرٹ کی خدمات مانگی تھیں۔ انٹرنیشنل ٹیلی کام نے ایک بھارتی جریدہ کا نام دے دیا جسے متعلقہ وزارت نے نامنظور کر دیا لیکن پراسرار ہاتھوں کے کمالات نے اس نامنظوری کو منظوری میں تبدیل کر دیا (بحوالہ روزنامہ انقلاب 7 دسمبر 94ء)

بنگلہ دیش کے ٹرانسپورٹ سیکٹر پر بھارتی وہیکلز قابض ہیں۔ بھارتی ''بجاج'' اور اے پی آئی'' آٹو رکشہ نے بنگلہ دیش کے SUZON ٹمپو کا عملاً خاتمہ کروادیا ہے۔ اس طرح برطانیہ، جرمنی اور کینیڈا سے درآمد کردہ بیڑیوں سے بہت کم لاگت کی پٹیاں مارکیٹ میں پھیلا کر بھارتیوں نے قبضہ جما لیا ہے۔ ایک سازش کے تحت بنگلہ دیش ریلوے کو بھارتی انجن پارٹس خریدنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ تاکہ مستقبل کے لئے بنگلہ دیش ریلوے بھارت کی محتاج ہو کر رہ جائے جبکہ ریلوے ٹینڈر کمیٹی بھارتی انجنوں کو بنگلہ دیش ریلوے کے لئے دوسری پیشکشوں کے مقابلے میں ناکارہ اور غلط قرار دے چکی ہے۔ اس کے باوجود بنگلہ دیش انجنوں کو دیکھ بھال اور مرمت کے لئے بھارت بھیجا جاتا ہے۔ (بحوالہ روزنامہ انقلاب 23 نومبر 1994)

O

نمکیات میں بنگلہ دیش خود کفیل ہے بنگلہ دیش میں آیوڈین ملے نمک کے بے پناہ سٹاک موجود ہیں لیکن بنگلہ دیش میں نمک بھارت سے درآمد کیا جاتا ہے۔ یہ گھٹیا اور مضر صحت نمک ہے۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ اس کا درآمدی لائسنس بھی وزارت درآمدات کی طرف سے مل جاتا ہے۔ بھارتی نمک میں 55 فیصد کلورائیڈ پایا جاتا ہے جبکہ بنگلہ دیش کے نمک میں 99 فیصد لیکن ایسا ہو رہا ہے۔

11 دسمبر 94ء کو بنگلہ نیوی نے 15 بھارتی ماہی گیروں کا ایک ٹرالا گرفتار کیا جن سے تلاشی لینے

پر 126853 بھارتی کرنسی برآمد ہوئی جس کے خلاف 12 دسمبر 96ء کو مونگلا تھانہ میں کیس رجسٹ ہوا یہ لوگ دہشت گردی کرنے آرہے تھے۔ 26 دسمبر 94ء کو متعلقہ مجسٹریٹ کو حکم ملا کہ رقم سمیت ملزمان کو باعزت رہا کر دیا جائے۔ جب متعلقہ منسٹری سے وضاحت مانگی تو انہوں نے جواب دینے سے انکار کر دیا۔ (بحوالہ روزنامہ ملت 30 دسمبر 94)

ایک مرتبہ بنگلہ دیش کو چینی کی قلت کا سامنا ہوا اور بھارت سے چینی درآمد کی گئی لیکن ایسی شرائ کے ساتھ کہ اب بنگلہ دیش میں شکر سازی کی صنعت قحط کا شکار ہوتی دکھائی دے رہی ہے۔ کیونک وزارت تجارت میں موجود ''را'' کے لوگوں نے اسے ہر سال مخصوص مقدار میں چینی کی درآمد سے مربوط کر کے بنگلہ دیش شوگر ملوں کو اپنی چینی گوداموں میں رکھ کر اسے ہر سال ضائع کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ حالت یہ ہے کہ گزشتہ سال 200 ,133 ٹن شوگر بنگلہ دیش میں سٹاک تھی اور ,00 000 ٹن شوگر بھارت سے سمگل ہو کر پہنچ گئی۔ اس سے صورتحال کی سنگینی کا بخوبی اندازہ لگایا جا سک ہے۔

جب حکومت کو بہتر فصل کے لئے بیج درآمد کرنے کی ضرورت پیش آئی تو ''را'' کے ایجنٹوں نے اس کے لئے بھی بھارت کو ترجیح دی۔ عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے البتہ کچھ بیج پاکستا سے بھی درآمد کیے گئے موصول ہونے پر یہ بھیانک لعنت سامنے آئی کہ بھارتی بیج حکومت کے نیٹ کے مطابق نہیں تھا اور چاول کی ساری فصل تقریباً تباہ ہوگئی۔ اسی طرح بھارت سے درآمد کردہ چاو انتہائی گھٹیا اور غیر معیاری ہوتا ہے لیکن بیوروکریسی میں موجود ''را'' کے ایجنٹوں نے حکومت کے ہا پاؤں اس مسئلے پر بھی باندھ رکھے ہیں۔

بنگلہ دیش رائفلز میں بغاوت، بی ڈی آر اور فوج کا ٹکراؤ ''را'' کے چند ماہ پہلے تک کے کارنا ہیں۔ لیکن یہ خوف ''را'' کو ہمیشہ دامنگیر رہتا ہے کہ کبھی نہ کبھی بنگلہ دیش کے غیرت مند عوام اٹھیں گے اور سب کچھ ملیامیٹ کر کے رکھ دیں گے۔ انہوں نے خالدہ ضیاء کی گزشتہ حکومت کا دھڑن تخ اس الزام کے تحت کیا تھا کہ انہوں نے آئی ایس آئی کو بنگلہ دیش میں پناہ دی ہے اور طویل عرصہ واجد کو اس لئے رگڑا دیا کہ ان کے دماغ سے ''آزادی'' کا ''خناس'' نکال بٹھا دیا لیکن اپنی شرائط ساتھ جن پر وہ آجکل عمل پیرا ہیں۔

''جنگی جرائم'' کے نام پر

مسلمان سے نفرت ہندو کی سرشت میں داخل ہے۔ یہ ایک طویل تاریخ ہے اور اس مختصر تحریر میں جس کا جائزہ ممکن نہیں ہے۔ مشرقی پاکستان پاک فوج کے ایکشن کے فوری نتیجے میں بنگلہ دیش نہیں بن گیا تھا، بھارت کی سرپرستی میں بنگالی ہندوؤں نے قیام پاکستان کے فوراً بعد ہی اس مقصد کیلئے ریشہ دوانیوں اور سازشوں کا آغاز کر دیا تھا۔ عوامی لیگ جیسی سیکولر جماعت ان کی مقصد براری کا بہترین ذریعہ بن گئی۔ آج بھی عوامی لیگ کی پالیسیوں پر ہندو اثر انداز ہی نہیں ہوتے بلکہ پالیسیوں کے خدوخال متعین کرتے ہیں۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ 1971ء میں پاکستانی فوج نے بڑے مظالم کیے تھے تو بھی عوامی لیگ سے سیاسی اختلاف رکھنے والوں اور بالخصوص غیر بنگالی عوام کا کیا قصور ہے۔ اگر بنگلہ دیش کے خودساختہ اور مفروضہ تاریخ دان اور قلمکاروں کا یہ دعویٰ درست ہے کہ سانحہ مشرقی پاکستان میں 30 لاکھ بنگالی ہلاک ہوئے تو 25 مارچ 1971 سے پہلے تقریباً 60 لاکھ غیر بنگالی جو مشرقی پاکستان میں تھے اتنی کثیر تعداد میں یہ لوگ کہاں گئے، آسمان کھا گیا یا زمین نگل گئی۔ اگر بنگلہ دیش میں عوامی لیگ کی موجودہ حکومت ''تحریک آزادی بنگلہ دیش'' کے مخالفین کو سزائیں دینے کیلئے 1971ء کے ''جنگی مجرموں'' کیلئے عدالتی ٹربیونل قائم کر رہی ہے، اس کے لئے کمرہ عدالت آراستہ و پیراستہ کیا گیا ہے اور تحقیقاتی کمیٹی تشکیل دی گئی ہے تو انصاف کا تقاضا ہے کہ غیر بنگالیوں کے قتل عام کے ذمہ داروں کو سزا دینے کیلئے بھی عدالتی ٹربیونل بنایا جائے۔

29 دسمبر 2008ء کے انتخابات میں عوامی لیگ نے ہم خیال بھارت نواز سیکولر جماعتوں اور سابق صدر حسین محمد ارشاد کی قوم پرست جاتیہ پارٹی کے ساتھ اتحاد بنا کر انتخابات میں حصہ لیا جس کی کامیابی کیلئے اسٹیبلشمنٹ اور نادیدہ قوتوں کے کردار کی کہانیاں موضوع بحث رہی ہیں، اقتدار میں

آتے ہی شیخ مجیب الرحمٰن کے قاتلوں کو سزا دی گئی۔ اب قانون سازی کے بہانے اسلام پسند سیا اور مذہبی جماعتوں پر پابندی کی راہ ہموار کی جارہی ہے۔ ریاست کے اہم ستون عدالت عظمیٰ ا صحافت پر دست گرفت مضبوط کرنے کے اقدامات کیے جارہے ہیں۔ برقی اور اشاعتی میڈیا کنٹرول کیلئے دو ٹی وی چینلز پر پابندی لگادی گئی ہے۔ مشہور و معروف بنگلہ اخبار آمار دیش (Amar Desh) کا ڈیکلریشن منسوخ کر کے اس کے ایڈیٹر اور معروف سکالر جناب محمود الرحمٰن کو گرفتار کرا گیا ہے جو سابق وزیر اعظم خالدہ ضیاء کی حکومت میں مشیر کے فرائض انجام دیتے رہے ہیں۔ ا اقدامات سے صحافت سے وابستہ سینکڑوں افراد بے روزگار ہو گئے۔ ان بے روزگار صحافیوں نے ڈھاکہ نیشنل پریس کلب کے سامنے روزانہ مظاہروں کا سلسلہ جاری ہے جبکہ "مکتی جدھا تحریک" تمام الزامات اور جرائم سے مستثنیٰ قرار دیے جانے کا بل چند روز تک اسمبلی میں پیش کیا جارہا ہے۔ مکتی جدھا نے پاکستان کے حامیوں، پاک فوج اور غیر بنگالیوں کے ساتھ جو زیادتیاں کی تھیں انہیں کس عدالت میں چیلنج نہیں کیا جاسکے گا۔ عوامی لیگ کے مخالفین اور غیر بنگالیوں کے خلاف کارروائی کیلئے جو تحقیقاتی کمیٹی تشکیل دی ہے یہ سب کے سب بنگالی اور ذہناً عوامی لیگی ہیں جبکہ سیکولر ذہن کے حامل افسران خصوصی عدالت کے جج مقرر کیے گئے ہیں۔

سابق مشرقی پاکستان کے بیس بڑے شہروں میمن سنگھ کے شانکی پاڑا، پاٹ گودام، ایشورڈی پاربتی پور، پونچھا گڑھ، چاٹگام، دیناج پور، رنگ پور، لال میز ہاٹ، سراج گنج، احمد پاڑا، جیسور، کھلنا خالص پور، پیپلز جیوٹ ملز، نرائن گنج، آدم جی نگر جیوٹ ملز، میر پور، باسوبو، شاہ جہان پور اور ڈھاکہ کے علاقے محمد پور اور دیگر شہروں میں لاکھوں غیر بنگالی موجود تھے جو تہہ تیغ کر دیے گئے۔

جن شہروں میں صرف غیر بنگالی آباد تھے آج وہاں ایک غیر بنگالی موجود نہیں ہے۔ سوال پیدا ہو ہے جو چالیس لاکھ سے زائد غیر بنگالی لاپتہ یا شہید ہوئے، غیر بنگالیوں کی اربوں کھربوں کی املاک ضبط کی گئیں انہیں سرکاری ملازمتوں سے یکمشت نکال دیا گیا اور انہیں پراویڈنٹ فنڈ سمیت تما حقوق سے محروم کر دیا گیا۔ اس ظلم و ناانصافی کو بھی شامل تفتیش کیا جائے۔ عوامی لیگی حکومت اور اس کے اتحادی یہ شور شرابا کر رہے ہیں کہ اگر جنگی مجرموں کو تختہ دار تک پہنچانے میں رکاوٹیں آئیں تو ہم انہیں سزا دینے کیلئے انسانی حقوق کی خلاف ورزی کا مرتکب قرار دیکر فرد جرم عائد کر دی جائے۔ لیکن انہوں نے اس حقیقت کی جانب سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں کہ برسوں سے تین لاکھ سیاسی مخالفین

ریڈ کراس کے تعفن زدہ کیمپوں میں تمام انسانی بنیادی حقوق سے محروم رکھنا کون سی انسانیت کی خدمت ہے۔ چالیس برس کی طویل مدت سے جن کی دو نسلوں کو جانوروں سے بدتر زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔ یہ محصورین مسلسل نت نئے مسائل اور نفرت و تعصب کا نشانہ بنائے جاتے ہیں۔ ان کے لئے صدائے حق بلند کرنا جرم عظیم بن چکا ہے۔ ایسے افراد کو پولیس مقابلے میں مار دیا جاتا ہے یا پھر خفیہ ایجنسیوں کے ہاتھوں ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ بنایا جاتا ہے یا پھر انہیں جھوٹے مقدمات میں ملوث کر کے جیل کی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا جاتا ہے۔ یہ بنگلہ دیش میں اسلامی تحریکوں کے لئے نازک وقت ہے۔

محصورین نے پاکستان سمیت پوری دنیا میں انسانیت دوست، انسانی حقوق کی علمبردار، سماجی، مذہبی اور سیاسی تنظیموں سے اپیل کی ہے کہ وہ ان کی بے کسی، بے بسی، کسمپرسی اور شکستہ حالی کو مدنظر رکھ کر عوامی لیگی حکومت کو انسانیت کش اقدامات سے باز رکھنے میں اپنا کردار ادا کریں۔ 25 مارچ 1971ء سے پہلے جو 60 لاکھ غیر بنگالی مرحوم مشرقی پاکستان میں موجود تھے وہ لوگ کہاں گئے، اسے بھی تفتیش کے دائرہ میں لایا جائے۔ غیر بنگالیوں کی زمینیں، جائیدادیں، دکانیں، مکانات، املاک، ملز اور کارخانے کس مافیا گروپ کے قبضے میں ہیں اور عوامی لیگ کی حکومت نے اپنے پہلے دور میں زمینیں بحق سرکار کیوں ضبط کیں اسے بھی زیر تفتیش لایا جائے اگر مجوزہ خصوصی عدالت کے منصف اعلیٰ اور تحقیقاتی کمیٹی کے ارکان نسلاً بنگالی اور ذہناً عوامی لیگی سوچ کے حامل ہوئے تو وہ عدل و انصاف کے تقاضے پورے نہیں کر سکیں گے۔

ایک اور اہم معاملہ یہ ہے کہ 1971ء میں مکتی بدھا ہی پاک فوج کے مدمقابل تھی اور اس نے بھارتی فوج کے تعاون اور اشتراک سے شورش برپا کی اور پاک فوج پر حملے کیے، لہٰذا انڈین فوج بھی ایک فریق ہے، اس لئے انڈین فوج کو بھی خصوصی عدالت اور تحقیقاتی کمیٹی کے روبرو پیش کیا جائے۔ عام خیال یہ ہے کہ غیر بنگالیوں سے مراد اردو بولنے والے ہیں، جبکہ 1971ء تک سابق مشرقی پاکستان میں پنجابی، پشتو اور بلوچی بولنے والے بھی کثیر تعداد میں موجود تھے، وہ بھی ظلم و ستم کا نشانہ بنے اور کسی بھی قومیت کا فرد مکتی باہنی اور انڈین فوج کے ظلم و ستم سے محفوظ نہیں رہا۔ عوامی لیگ حکومت کی تمام پالیسیاں ہندو اور سیکولر افراد تشکیل کرتے ہیں اور یہ جو نام نہاد خصوصی عدالت اور تحقیقاتی کمیٹی بنائی جارہی ہے اس کا مقصد بچے کھچے پاکستانیوں (محصورین) اور اسلام پسند تحریکوں کا قلع قمع کرنا

ہے، اس کے لئے بنگلہ دیش کے 16 کروڑ عوام میں محصورین کے خلاف نئے سرے سے نفرت اور تعصب کی آگ بھڑکائی جا رہی ہے۔ اس کے پس پشت ایک اور بہت بڑا مقصد بھارت مخالف سیاسی سرگرمیوں کا قلع قمع کرنا ہے۔ نفرت اور تعصب کی نئی آگ بھڑکانے کے نتیجے میں محصورین آخری پناہ گاہ ریڈ کراس کے کیمپوں سے بھی محروم ہو جائیں گے۔ یہ محصورین دو نسلیں گزرنے سے بعد بھی پاکستان کا پرچم سینوں سے لگائے اور پاکستانی شناخت کو برقرار رکھ کر زندہ ہیں۔ پاکستانیوں کی اخلاقی اور اسلامی اخوت کے تحت ذمہ داری ہے کہ وہ اس سلسلے میں کردار ادا کریں بالخصوص کراچی اور دیگر شہروں میں متاثرہ خاندانوں سے تعلق رکھنے والے افراد محصورین کے خلاف عوامی لیگی حکومت کے عزائم کو ناکام بنانے کے لئے متحد ہوں۔ بنگلہ دیش میں قائم ہونے والی ''جنگی جرائم کی متنازعہ عدالت اور جانبدارانہ تحقیقاتی کمیٹی'' کے خلاف آواز بلند کریں۔ اقوام متحدہ، یورپی یونین، اسلامی کانفرنس تنظیم اور عرب لیگ عرضداشتیں اور مراسلہ جات ارسال کریں۔ پاکستان میں ذرائع ابلاغ متاثرین کے مطالبات اور مظاہروں کو مناسب کوریج دیں، کیونکہ عالمی سطح پر رائے عامہ کی تشکیل اور دباؤ ہی بنگلہ دیش میں عوامی لیگ کی حکومت کو ایسے انسانیت سوز اقدامات سے روک سکتے ہیں۔ پاکستان سمیت دنیا بھر میں انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزی کا نوٹس لے اور جس حد تک ممکن ہے اپنا کردار ادا کرے۔

حسینہ واجد نے بھارتی ایجنڈہ پورا کرنے کی شرط پر حکومت تو حاصل کر لی ہے لیکن اس بات کے امکانات کم دکھائی دیتے ہیں کہ انہیں کامیابی حاصل ہو۔ شاید انہوں نے تاریخ سے کوئی سبق نہیں سیکھا۔ اگر انہیں اس بات کا علم ہوتا کہ جس مکتی باہنی کی مدد سے بھارتی حکومت نے پاکستان کے دو ٹکڑے کیے تھے اس مکتی باہنی کے بھارتی کمانڈر میجر جنرل شوبیگ سنگھ کو جلد ہی اس تلخ حقیقت کا احساس ہوا کہ انہیں ''ہندو سامراج'' نے استعمال کیا ہے اور اب اندرا گاندھی نے سانپ کی طرح اپنے بچوں کو بھی کھانا شروع کر دیا ہے۔ سکھوں نے جب ہندو تسلط۔ آزادی اور اپنے مذہبی تشخص کی بحالی کا عزم کیا تو انہیں ''غدار'' قرار دے کر ان کی نسل کشی شروع کر دی جس پر جنرل شوبیگ سنگھ نے خالصتان تحریک میں شمولیت اختیار کی اور دربار صاحب پر بھارتی فوج کے حملے کے دوران سکھ حریت پسندوں کی قیادت کرتے ہوئے مارے گئے۔

صدارتی حکم نامہ

2 جون 1984ء کی صبح بھارت کے صوبہ آسام کا دورہ کرتے ہوئے بھارتی صدر گیانی ذیل سنگھ صبح کا اشنان کر رہا تھا۔ آج کے پروگرام کے مطابق اس نے خاصے فساد زدہ علاقے کا دورہ کرنا تھا۔ اس ضمن میں سیکیورٹی کے خصوصی اقدامات کیے گئے تھے۔ ان اقدامات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ صوبے کی کم از کم ذمہ دار شخصیتوں تک بھارتی صدر کا حتمی پروگرام پہنچ سکے۔ اس کا سبب ''را'' کی وہ خفیہ رپورٹ تھی جو ہوم منسٹری کو پہنچائی گئی جس میں بتایا گیا تھا کہ آسام میں سرگرم عمل ''الفا'' تحریک علیحدگی کے آسام کی صوبائی حکومت میں ''ہمدرد'' موجود ہیں اور وہ لوگ انتہا پسندوں کے لئے کوئی بھی ''قانونی حد'' عبور کر سکتے ہیں۔ بھارتی انٹیلی جنس کے انتظامات کا یہ عالم تھا کہ مقامی انٹیلی جنس یونٹوں میں جہاں کہیں آسامی آفیسر موجود تھے انہیں سیکیورٹی انتظامات سے بڑے معصومانہ طریقے سے الگ کر دیا گیا تھا۔ صرف غیر آسامی اور ''را'' کے انتہائی قابل اعتماد آفیسرز کو ہی گیانی ذیل سنگھ کے پروگرام کی اطلاع دی گئی تھی۔ عام حالات میں اہم ملکی شخصیات (وی آئی پی) کی حفاظت کی ذمہ داری بھارتی ''سی بی آئی'' سنٹر بیورو آف انٹیلی جنس پر عائد ہوتی ہے۔ لیکن معاملے کی اہم نوعیت کے پیش نظر بھارتی صدر کی سیکیورٹی کے انتظامات ''را'' نے خود سنبھال رکھے تھے۔ صدر کی آمد سے تین روز پہلے ہی مرکز سے انٹیلی جنس افسران کی ایک خصوصی ٹیم اسی مقصد کے لئے آسام روانہ کر دی گئی تھی جس نے مقامی انتظامیہ کو سیکیورٹی معاملات سے عملاً علیحدہ کر دیا تھا۔

بھارتی صدر گیانی ذیل سنگھ کو اس بات سے بہت الجھن ہوتی تھی کہ اس کے معمولات کو اس سے بھی خفیہ رکھا جائے۔ آج بھی جب وہ ناشتے کی میز پر پہنچا تو اس کا ''اے ڈی سی'' پروگرام میں تبدیلی کی اطلاع کے ساتھ موجود تھا۔

''خیریت۔ پھر کوئی سیکیورٹی پرابلم آ گئی ہے''۔اس نے اپنے اے ڈی سی کی طرف طنزیہ مسکراہٹ اچھالی۔نوجوان کیپٹن کے چہرے کا رنگ ایک لمحے کے لئے بدلا پھر وہ اپنی سخت تربیت کے مطابق نارمل ہو گیا۔

''جناب والا! پرائم منسٹر نے دورہ ملتوی کر کے فوراً دہلی آنے کے لئے کہا ہے۔ایئر فورس کا خصوصی جہاز اس مقصد کے لئے ہوائی اڈے پر موجود ہے۔''

کیپٹن نے ایڑیاں جماتے ہوئے کہا۔

گیانی ایک لمحے کے لئے چونکے۔مسز اندرا گاندھی نے انہیں خصوصی ہدایات کے ساتھ آسام بھیجا تھا اور اب وہی اچانک دورہ ملتوی کر کے واپس آنے کے لئے کہہ رہی تھیں۔

''او۔کے''۔۔۔۔۔

انہوں نے صرف دو لفظ کہنے پر اکتفا کیا۔صورت حال بالکل غیر واضح تھی۔گیانی جی کو پرائم منسٹر کی طرف سے آنے والے خصوصی حکم کی کاپی فراہم کی گئی تھی۔یہ حکم پرائم منسٹر نے بڑے ''مودب'' انداز میں رات کے دو بجے روانہ کیا تھا۔چونکہ گیانی ذیل سنگھ اس وقت سو رہے تھے اس لئے ان کے عملے نے انہیں جگا کر آگاہ کرنے کے بجائے صبح تک انتظار کرنا مناسب جانا۔یوں بھی اس حکم میں ''صبح پہلی فرصت'' میں دہلی پہنچنے کی درخواست کی گئی تھی۔ہوائی اڈے تک صدر کو کمانڈوز کی حفاظت میں پہنچایا گیا تھا۔اس وقت گیانی کا ذہن دو معاملات میں الجھا تھا۔ایک تو پنجاب میں سکھوں کی یورش۔۔۔دوسرا وزیراعظم کا غیر ملکی دورہ۔۔۔ پہلے مفروضے پر اس نے اس لئے زیادہ توجہ نہ دی کہ یہ کوئی ایسا معاملہ نہیں تھا جس پر اسے بلایا جانا ضروری سمجھا جاتا۔مٹھی بھر انتہا پسندوں پر قابو پانے کے لئے پنجاب میں لاکھوں کی تعداد میں پولیس، سی آر پی، بی ایس ایف اور دیگر قانون نافذ کرنے والی ایجنسیوں کے اہلکار تھے۔! دوسری بات البتہ اہم تھی۔۔۔!! پاکستان کی طرف سے سرحدوں پر تناؤ کی خبریں صدارتی محل میں گردش کرتی رہتی تھیں اور مقبوضہ کشمیر کے سرحدی علاقوں میں جھڑپیں روزانہ کا معمول بنتی جا رہی تھیں۔ان حالات میں مسز اندرا گاندھی نے یورپ کا دورہ کرنے کی ٹھانی تھی......!

''کیا ایک مرتبہ پھر ایڈونچر پسند اندرا مہارانی پاکستان پر جنگ مسلط کرنے جا رہی تھی؟''

یہ تھا وہ اہم سوال جو گیانی ذیل سنگھ کو بار بار ہچکولے دے رہا تھا۔پنجاب میں بھارتی فوج کی

مسلسل آمد کی خبریں گیانی ذیل سنگھ کو اپنے خصوصی ذرائع سے مل رہی تھیں۔اس کے ذرائع اطلاعات بتا رہے تھے کہ یہ فوجیں پاکستان کے خلاف نہیں بلکہ سکھوں کو کچلنے کے لئے استعمال کی جائیں گی۔ لیکن......!

گیانی کے ذہن نے یہ دلیل ماننے سے انکار کر دیا تھا۔وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مسز اندرا گاندھی سکھوں کو اشتعال دلا کر بھارت کے لئے مستقل دردسر مول لینے کا خطرہ مول لے گی۔گیانی ذیل سنگھ کے پنجاب کی اکالی لیڈر شپ سے تعلقات کوئی آج کی بات نہیں تھی۔گو کہ وہ ہمیشہ سے کانگریس کا حمایتی رہا تھا۔لیکن جب سے وہ بھارت کا صدر بنا۔اکالی اپنے اکثر کام لینے کے لئے اس کی چوکھٹ پر ہی سجدہ ریز ہوا کرتے تھے۔پنجاب کی مقامی سیاست پر اس کی گرفت بہت گہری تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اکالیوں کی کون سی کمزور رگ کو کس وقت دبایا جا سکتا ہے؟ اس کی یہی ''کوالیفکیشن'' اسے بھارتی صدر کے اہم منصب تک پہنچانے کا ذریعہ بنی تھی۔ بھارتی ایئر فورس کے طیارے نے ساڑھے بارہ بجے پالم پور کے بین الاقوامی ہوائی اڈے پر لینڈ کیا......!! خدا جانے کیا مصیبت آن پڑی تھی۔ معاملات کتنے سنگین ہو گئے تھے کہ گیانی جی کو وی آئی پی لاؤنج کی طرف جانے کی بجائے وہیں سے کار میں سوار کروا دیا گیا۔!

حالانکہ وی آئی پی لاؤنج میں عمائدین سلطنت ان کے استقبال کو موجود تھے۔ایشیا شاید انہیں اخبار نویسوں کی فوج سے بچانے کے لئے کیا گیا تھا۔یہ لوگ جانے کہاں سے اطلاع پا کر ہوائی اڈے پر اکٹھے ہو گئے تھے۔شاید آسام سے ہی یہ خبر آؤٹ ہوئی تھی کیونکہ دہلی میں تو اس بات کو پوشیدہ رکھا جا رہا تھا۔گیانی ذیل سنگھ راشٹر پتی ہاؤس پہنچے تو پہلا فون انہیں بھارتی وزیراعظم کا ملا۔مسز اندرا گاندھی نے انہیں اچانک دورہ ملتوی کر کے یہاں آنے کی زحمت دینے پر معذرت کرتے ہوئے مطلع کیا تھا کہ وہ دس منٹ تک راشٹر پتی ہاؤس پہنچ رہی ہیں۔ حالانکہ یہ راشٹر پتی ہاؤس کا لنچ ٹائم تھا......!!

گیانی ذیل سنگھ کے عملے کے لوگ جانتے تھے کہ یہ سکھ صدر ڈسپلن کا بہت زیادہ پابند ہے خصوصاً اپنے ڈاکٹروں کی ہدایات پر وہ انتہائی سادہ لیکن بروقت کھانا کھانے کا عادی تھا۔لیکن......! آج اس نے اچانک دوپہر کا کھانا ملتوی کرنے کا ارادہ ظاہر کر کے اپنے عملے کے لوگوں کو قدرے بوکھلا دیا تھا۔صرف گیانی جی کے پرسنل سیکرٹری کو ہی اس بات کا علم تھا کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ گیانی جی بھارتی

وزیراعظم کے منتظر تھے۔ انہوں نے چائے کی ایک پیالی پینے پر اکتفا کیا۔ دس منٹ بعد ہی ''راشٹر پتی بھون'' کے عملے کو اطلاع مل گئی کہ بھارتی وزیراعظم بھارتی صدر کی ملاقات کو آرہی ہیں۔ صدارتی محل کا سارا عملہ ''سٹینڈ بائی'' ہوگیا۔ مسز اندرا گاندھی نے معمول کے مطابق چانکیائی مسکراہٹ اپنے ہونٹوں پر جما رکھی تھی اور دیویوں کے سے انداز میں دونوں ہاتھ سینے پر باندھے گیانی جی کے سامنے موجود تھی۔ سفید اچکن پر سرخ پھول سجائے گیانی ذیل سنگھ نے بھی ''سیاسی مسکراہٹ'' کے ساتھ وزیراعظم کا استقبال کیا۔ دونوں سیدھے میٹنگ روم کی طرف گئے تھے......!!

O

مسز اندرا گاندھی کے ساتھ آنے والے خصوصی عملے کے ایک فرد نے جسے بھارتی پریس ''آراین کاؤ'' کے نام سے جانتا تھا جو ''را'' کا بانی اور موجودہ سیکیورٹی چیف تھا، ایک فائل وزیراعظم کو بڑے ادب کے ساتھ تھمادی۔ وزیراعظم نے فائل ہاتھ میں پکڑی اور دونوں خصوصی میٹنگ روم میں داخل ہوگئے۔ گیانی جی کو حیرت ہو رہی تھی کہ ابھی تک وزیراعظم نے ان کے دورہ آسام کے حوالے سے ایک بھی بات نہیں کی تھی۔ وہ مسلسل پنجاب کی مخدوش حالت کا ذکر کر رہی تھیں......!!

جیسے ہی گیانی نے اپنی سیٹ سنبھالی۔ وزیراعظم نے انہیں سکھ دہشت گردوں کی طرف سے سلامتی کو درپیش حالات کی تازہ ترین سمری کے نوٹس پڑھ کر سنانے شروع کر دیئے جو ان کے ہاتھ میں موجود فائل میں درج تھے......!

گیانی جی حیرت سے کبھی وزیراعظم اور کبھی اس فائل کی طرف دیکھ لیتے جو اس سیکیورٹی چیف این کاؤ نے انہیں تھمائی تھی۔ ابھی تک انہوں نے حالات پر اپنی کوئی رائے نہیں دی تھی......!! ان کی گہری خاموشی وزیراعظم کو کھلنے لگی تھی۔ اچانک ہی مسز اندرا گاندھی نے گیانی ذیل سنگھ کی طرف نظریں اٹھا کر ان سے صورتحال پر تبصرہ مانگا تھا۔ گیانی جی نے بڑے محتاط انداز میں گفتگو کرتے ہوئے اپنی دانست میں مسز اندرا گاندھی کے دل میں پیدا شدہ خطرات دور کرنے کی کوشش کی تھی۔ ایک گھنٹے تک وہ انہیں یقین دلاتے رہے کہ صورتحال اتنی گھمبیر نہیں اور وہ پنجاب میں موجود اپنے لوگوں کی حمایت سے اس پر قابو پالیں گے۔ انہوں نے بھارتی وزیراعظم کو باور کروانا چاہا کہ پنجاب میں سکھوں کی ایک ہی مضبوط سیاسی جماعت اکالی دل ہے جو ہر طرح ان کے ساتھ ہے۔ وقت آنے پر وہ لوگ حکومت کی صفوں میں کھڑے ہوں گے......!! دو گھنٹے تک دونوں تبادلہ خیالا

کرتے رہے۔ اس گفتگو کے دوران گیانی جی نے مسلسل پانی پیا تھا......

دوسری طرف بھارتی وزیراعظم بھی ایسی ہی صورتحال سے دوچار تھیں...... کیونکہ جس طرف وہ گیانی جی کو لانا چاہتی تھی وہ بات گیانی ذیل سنگھ ماننے کو تیار ہی نہیں ہو رہے۔ اچانک مسز اندرا گاندھی اٹھ کر کھڑی ہوگئیں...... انہوں نے ڈرامائی انداز میں گھنٹی بجائی تھی۔

محافظ کے اندر آنے پر انہوں نے آراین کاؤ کو طلب کیا جو نجانے کب سے میٹنگ روم سے ملحقہ کمرے میں فائلیں اپنے سامنے رکھے پیش آئندہ حالات کی منصوبہ بندی کر رہا تھا۔ جیسے وہ اندر داخل ہوا اور مودب انداز میں سر جھکاتے ہوئے اس نے کرسی سنبھالی تو مسز اندرا گاندھی نے اسے مخصوص اشارہ کیا۔ آراین کاؤ نے ایک فائل کھول کر صدر گیانی ذیل سنگھ کے سامنے رکھ دی۔

یہ فائل ایک ٹائم بم تھا......! جو بھارتی سکھ صدر کے اعصاب پر پھٹا اور وہ لرز کر رہ گیا۔ تاریخ اپنے آپ کو دہرانے جا رہی تھی۔ ایک سکھ جرنیل سکھوں کے خون سے ہولی کھیلنے کے لئے اتاؤلا ہوا جاتا تھا...... فائل میں جنرل رنجیت سنگھ دیال کی طرف سے جی ایچ کیو کو رات 12 بجے موصول ہونے والا پیغام رکھا تھا۔

''جنرل سنگھ بھنڈرانوالہ ہرمندر صاحب کو بم سے اڑانے پر تلا ہوا ہے۔ مجھے فوراً آرمڈ کی مدد بھیجی جائے...... فوجی کارروائی ناگزیر ہو چکی ہے''......!

''جناب صدر! صورتحال اس ٹیلی گرام سے بھی زیادہ کشیدہ ہے۔ پاکستان نے ہر طرح کا خطرناک اور تباہ کن اسلحہ دربار صاحب میں دہشت گردوں تک پہنچا دیا ہے۔ یہ لوگ ملکی سلامتی کے لئے چیلنج بن چکے ہیں...... سول فورسز ان پر قابو پانے میں مکمل ناکام ہو چکی ہیں اور فوج کا دباؤ ان لوگوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے''......

آراین کاؤ نے اپنی تقریر شروع کی۔ اس نے گیانی جی کے سامنے دربار صاحب کے کمپلیکس کا نقشہ بچھا کر ایک ایک نازک مقام پر انگلی رکھتے ہوئے انہیں ''ات وادیوں'' (انتہا پسندوں) کے مورچوں کی اطلاع دی اور بتایا کہ یہاں کس نوعیت کا اور کتنا خطرناک اسلحہ موجود ہے۔ میٹنگ کو 100 منٹ گزر چکے تھے جب اچانک مسز اندرا گاندھی نے ایک ٹائپ شدہ کاغذ نکال کر بھارتی صدر کے سامنے رکھ دیا۔ کاغذ پر ٹائپ تحریر نے ایک مرتبہ پھر گیانی جی کے ہاتھوں کے طوطے اڑا دیئے۔ بھارتی آئین کے مطابق ان سے دربار صاحب پر فوجی حملہ کرنے کے ''حکم'' پر دستخط کرنے

کی درخواست کی جا رہی تھی۔ گیانی ذیل سنگھ نے کاغذ پڑھ کر میز پر رکھ دیا......!

اتنا اہم فیصلہ کرنے کے لئے اسے کچھ وقت چاہیے تھا۔

لیکن......!

بھارتی وزیراعظم انہیں ایک لمحہ دینے کے لئے تیار نہیں تھی۔

''محترم صدر میری درخواست ہے کہ ہمیں بدمزگی پر مجبور نہ کیا جائے''......!!

آراین کاؤ کے ان الفاظ نے گویا پگھلتا ہوا سیسہ گیانی ذیل سنگھ کے کانوں میں انڈھیل دیا۔ یہ کھلی دھمکی تھی......!! جارحیت تھی......!! صدر جمہوریہ بھارت کی سراسر توہین تھی......!!!

لیکن......!

وہ مجبور تھا......!

بزدل گیانی ذیل سنگھ نے اپنا نام سکھ تاریخ کے غداروں میں لکھوانے کا فیصلہ کر لیا تھا...... وہ موت اور ذلت کے خوف سے لرزاں تھا......! کپکپاتے ہاتھوں سے اس نے اپنی زندگی کے سب سے زیادہ بھیانک اور مکروہ حکم پر دستخط کیے...... اس کی حالت ایسی ہو رہی تھی جیسے اس نے اپنی موت کا ''بلیک وارنٹ سائن'' کیا ہو۔

''تھینک یو سر!'' کہتے ہوئے آراین کاؤ نے فائل جھپٹ لی۔

قہر کی دیوی......! کالی ماتا......! بھارتی وزیراعظم مسز اندرا گاندھی نے اسے آنکھ کے اشارے سے باہر جانے کے لئے کہا تھا۔ آراین کاؤ کی روانگی کے چند منٹ بعد ہی مسز اندرا گاندھی مردہ دل بھارتی صدر کے ساتھ کمرے سے باہر آ گئی۔ اس کے چہرے کی خونی مسکراہٹ بہت گہری ہو چکی تھی۔

گو کہ پرائم منسٹر ہاؤس سے روانگی کے وقت ہی ان لوگوں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر ''گن پوائنٹ'' پر بھی گیانی جی سے دستخط کروانے پڑے تو اس سے گریز نہیں کیا جائے گا۔

لیکن......! بزدل سکھ نے ذرا سی بھی مزاحمت نہیں کی تھی اور ایک ہی دھمکی کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ مسز اندرا گاندھی تھوڑی دیر بعد صفدر جنگ روڈ کی طرف فتح کے نشے میں سرشار اڑی چ جا رہی تھی۔ اس نے ایک وقت میں تین شکار کھیلے تھے۔ کانگریس کی ہاری ہوئی بازی وہ سکھوں پر حم کر کے جیتنا چاہتی تھی اب دنیا کی کوئی طاقت اسے اگلے الیکشن میں ناکام نہیں کروا سکتی تھی کیونکہ ہن

ٹ پکے ہوئے پھل کی طرح اس کی جھولی میں گر پڑتا۔ گیانی ذیل سنگھ بھارت کا صدر لیکن سکھ تھا۔ ِ سکھ جرنیل سے اس نے صورتحال کی سنگینی کا ٹیلی گرام لے کر دوسرے سکھ صدر سے سکھوں کے رک ترین مذہبی مقام کی تباہی کا حکم حاصل کر لیا تھا۔ اس طرح وہ دنیا کے سامنے سرخرو ہو گئی تھی۔ وہ ام عالم کو بتانے جا رہی تھی کہ دربار صاحب میں مورچہ بند سکھ کوئی مذہبی لوگ نہیں اگر ایسا ہوتا تو ب سکھ جرنیل اور دوسرا سکھ صدر ان کے خلاف حملے کی منصوبہ بندی اور حکم کیوں جاری کرتے ؟

آپریشن بلیوسٹار

اپنے راج سنگھاسن کی طرف لوٹتے ہوئے گیانی ذیل سنگھ کا دل خزاں زدہ پتے کی طرح لرز تھا۔ آنے والی تباہی کے تصور سے اس کا رواں رواں کانپ رہا تھا......! بھارتی صدر جانتا تھا کہ وہ خوفناک فیصلہ لکھ کر دے آیا ہے۔ اب وہ حکومت کے کسی بھی بہیمانہ عمل پر احتجاج نہیں کر سکتا تھا۔ اب وہ اس عمل کا حصہ بن چکا تھا......! راتوں رات تین لاکھ بھارتی فوج پنجاب کی طرف کوچ کرر تھی......!!

"آپریشن بلیوسٹار" کا آغاز ہو چکا تھا۔

مکافات عمل عجب تماشہ دکھانے جا رہا تھا......!! لیکن......! یہ سب کچھ یونہی نہیں ہو گیا تھا۔ تاریخ نے گن گن کر ورق پلٹے تھے......مظلوم ظالم......اور ظالم مظلوم...... یونہی نہیں بن گئے تھ اس کا ایک مکمل پس منظر تھا......ایک کہانی تھی۔ ایک تاریخ تھی۔

13 اپریل 1978ء اس دن کو تحریک خالصتان میں سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے......!!

آزادی حاصل کرنے کے 31 سال بعد اور پاکستان کے بازوئے شمشیرزن الگ کرنے محض سات سال بعد براہمن سامراج نے اپنے ہاتھوں اپنے تابوت میں آخری کیل ٹھو دی......!!

کانگریس کے پرفریب نعروں کا شکار ہونے والی سکھ قوم کو احساس ہو گیا کہ ان کی لیڈر شپ 14 "جرائم پیشہ" قوم بتانے کے بعد سے بھارتی حکومت نے قیام بھارت کے ساتھ ہی گویا سکھ کی تباہی کی بنیاد بھی رکھ دی تھی۔

13 اپریل 1978ء تک بھارتی حکومت ایک طے شدہ سازش کے تحت سکھوں کو مذہبی معاش

رمعاشی طور پر تباہ کرنے کے منصوبے پر عمل پیرا رہی۔

ان کے گھروں میں جہاں گوروں کی تصاویر لٹکائی جاتی تھیں۔ وہیں دیوی دیوتاؤں کی تصاویر بھی ائی جانے لگیں۔ سکھوں اور ہندوؤں کو "ایکتا" کے فریب میں الجھانے کے لئے مشترکہ شادیوں کو واج دیا گیا اور ان کی حوصلہ افزائی کی جانے لگی۔ چانکیائی سیاست کے تابع ہندو کا سازشی ذہن کتنا یانک روپ اختیار کر سکتا ہے اور دوسروں کے گھروں کو جلانے کے لئے ہندو ذہنیت کیا گل نہیں کھلا لتی۔ اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ بعض براہمن گھرانے ایک سازش کے تحت اپنے ب بچے کو کیس (لمبے بال) رکھوا کر اسے سکھ بنا دیتے تھے۔ اس طرح ہندو نے سکھوں کے سماجی ھانچے کو ہی تباہ کر ڈالنے کی سازش تیار کر لی تھی۔ بنیادی طور پر سکھ مذہب پرست قوم ہیں......!! یہ لوگ "ششتر کے ادھین ہے راج" یعنی تلوار اور طاقت ہی حکومت کی بنیاد ہے کہ پیروکار رہے ں۔

سکھوں کی واحد سیاسی جماعت "اکالی دل" دراصل ایک مذہبی جماعت ہے اکالی دل نہ صرف کھوں کے مذہبی معاملات کی رکھوالی کرتا ہے بلکہ ان کے سیاسی معاملات کی رکھوالی بھی اس کا ذمہ ہے۔ اس بات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سکھ قوم بنیادی طور پر سیاست کو دین کا حصہ تصور کرتی ہے اور یہ کہنا بے جا نہیں ہوگا کہ اس ضمن میں سکھوں کے آخری گورو گوبند سنگھ نے اسلامی علیمات کا خاصا اثر قبول کیا تھا اور شاعر مشرق کے اس اصول کہ۔

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

کو بہت پہلے اپنا لیا تھا اور سکھ سیاست کا دھارا اسی اصول پر بہتا نظر آتا ہے۔

....

جس طرح 1852 کی جنگ آزادی کے بعد انگریزوں کو مسلمانوں کو کچل دینے کے باوجود اس ات کا دھڑکا لگا رہتا تھا کہ اس خاکستر سے کوئی چنگاری ضرور اٹھے گی اور ان کے اقتدار کو جلا کر راکھ کر ڈالے گی اور اس خطرے کو بھانپتے ہوئے انہوں نے مسلمانوں کے جذبہ جہد پر کاری ضرب لگانے کے لئے "مرزائی" مذہب کو جنم دیا۔ بعینہ بھارتی حکومت نے سکھوں کے ایک فرقے "نرنکاری" کو جسے سکھ اپنے مذہب کے مطابق غیر سکھ قرار دیتے آئے ہیں خوب بڑھاوا دیا اور اس نام نہاد فرقے کو جس کے ممبران کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں تھی ناجائز مراعات دے کر اتنا مضبوط کر دیا

کہ بھارتی حکومت کی پشت پناہی سے یہ لوگ سکھ دھرم کے لئے ایک چیلنج بن گئے۔ نرنکاریوں کو دھڑا دھڑ اسلحے کے لائسنس جاری کر کے جہاں ان کی دھاک عام سکھوں کے دلوں پر بٹھانے کی کوشش کی گئی۔ وہاں انہیں مسلسل ہلاشیری کے ذریعے اس قابل بھی بنا دیا گیا کہ وہ طاقت کے بل بوتے پر سکھوں کو نیچا دکھائیں......! سکھ سیاست چونکہ اکالی دل کے گرد ہی گھومتی ہے۔ اور اکالی لیڈر شپ کو قیام بھارت کے ساتھ ہی بھارتی حکومت نے ''درباری سیاست'' میں بری طرح الجھا لیا تھا یہ لوگ سوائے اپنی وزارتوں کے اور کسی مسئلے کو سکھ قوم کا مسئلہ نہیں سمجھتے تھے اسی چکر میں پڑے رہتے تھے۔

یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ 1978 تک اکالی صرف جوڑ توڑ کی سیاست ہی کرتے آئے تھے جب کانگریس کا پلا بھاری ہوتا تو اس کے ساتھ ساز باز کر لیتے اور جب اکالی دھڑا مضبوط ہوتا تو اکالی دل کے ٹکٹ پر الیکشن لڑتے۔ انہوں نے کبھی ''ترنکاری جتھے'' کے خطرے کو اہمیت ہی نہیں دی تھی۔ عموماً اکالی دل اس وقت حکومت کے خلاف ''مورچہ'' لگاتا تھا جب اس نے حکومت پر دباؤ ڈال کر کچھ مراعات حاصل کرنی ہوتی تھیں۔

سکھوں کے دو مضبوط مذہبی اکھاڑے یا سکول آف تھاٹ School of Thought ہیں۔

1- دمدمی ٹکسال

2- اکھنڈ کیرتنی جتھہ

ان دونوں مذہبی مدارس کے فارغ طلباء بعد میں سکھ گوردواروں میں ''بھائی'' یعنی مذہبی رہ بنائے جاتے ہیں۔ سکھوں کے بیشتر ''پاٹھی'' (گورو گرنتھ صاحب سکھوں کی مذہبی کتاب کی تلاو کرنے والے) اور ''کیرتنی'' (جنہیں راگی بھی کہا جاتا ہے جو گا کر عبادت کرتے ہیں) کا تعلق دونوں میں سے کسی ایک دینی مدرسے سے ہوتا ہے۔ چونکہ گوردواروں کی سیاست پر ان دونو مدارس کا اثر ہوتا ہے اور اس بات کا خطرہ تھا کہ کہیں گوردوارے بھارتی حکومت کے کنٹرول سے با نہ نکل جائیں۔ اس خطرے کے پیش نظر ایس جی پی سی (گوردوارہ پربندھک کمیٹی) کو بھی اکالی دل ہی ایک ونگ بنا دیا گیا۔

اس طرح عملاً یہ کوشش کی گئی کہ گوردواروں کو بھی اکالی دل کے کنٹرول میں رکھا جا۔ ''نرنکاری'' خطرے کو سب سے زیادہ دمدمی ٹکسال اور اکھنڈ کیرتنی جتھے نے محسوس کیا اور دوا

کے خلاف سراپا احتجاج بھی ہوتے رہے لیکن براہمن سیاست کے نقار خانے میں ان کی آواز کبھی طوطی'' سے زیادہ اثر نہ دکھا سکی۔

13 اپریل سکھوں کے لئے زبردست ثقافتی اور مذہبی حیثیت کا حامل تہوار ہے......اس روز بیساکھی'' منائی جاتی ہے۔ بیساکھی کے متعلق پنجاب میں عموماً یہی سمجھا جاتا ہے کہ یہ فصلوں کی کٹائی خوشی میں منایا جانے والا تہوار ہے۔ لیکن......! شاید غیر سکھ اقوام کو اس بات کا علم نہ رہا ہو کہ یہ ھوں کا سب سے بڑا مذہبی تہوار بھی ہے۔ سکھ مذہب کے مطابق اس روز سکھوں کے آخری گورو وبند سنگھ جی نے ''خالصہ سجایا'' تھا یعنی سکھ جو اس سے پہلے باقاعدہ ''سنگھ'' نہیں بنے تھے انہیں قاعدہ ایک جماعت یعنی (پنتھ) کا روپ دیا۔ اس روز گورو گوبند سنگھ نے ہر سکھ کو اپنے نام کے ساتھ سنگھ'' اور ہر سکھ عورت کو اپنے نام کے ساتھ ''کور'' لگانے کا حکم دیا جن کے معنی شیر اور شیرنی ہیں۔ س شکل اور روپ میں ہمیں سکھ آج نظر آتے ہیں۔ یہ روپ سکھوں نے اس روز دھارن کیا (اپنایا) ھا۔ سکھ بیساکھی ''خالصے کا جنم دن'' کے روپ میں مناتے ہیں۔ اس روز سکھوں کے لئے عید کا سماں ندھ جاتا ہے۔ گھروں اور گوردواروں میں خصوصی تقاریب منائی جاتی ہیں۔ اس روز سکھوں کا عالمی جتماع ان کے متبرک مذہبی مقام ''دربار صاحب'' میں ہوتا ہے جہاں سال کا سب سے بڑا ''دربار'' سجایا جاتا ہے۔

خصوصی عبادات کی جاتی ہیں اور پنجاب کے شہروں میں میلے لگائے جاتے ہیں۔ اس روز سکھ خصوصی اہتمام کے ساتھ اپنا مذہبی لباس زیب تن کرتے ہیں اور پنجاب میں بیساکھی کے جلوس نکالے جاتے ہیں۔

13 اپریل 1978ء کا دن بھارتی حکومت نے سکھ مذہب پر اپنی دانست میں بھرپور حملہ کرنے کے لئے چنا تھا۔ بعینہ 29 سال پہلے 13 اپریل 1919 کو جلیانوالہ میدان میں فرنگی سامراج نے مسلمانوں اور سکھوں کا قتل عام کیا تھا۔ شاید چانکیہ کے چیلے ایک مرتبہ پھر اس ''خونی روایت'' کو دہرانا چاہتے تھے۔ اس مرتبہ انہوں نے ارادہ کیا تھا کہ وہ سکھوں سے ان کا مذہبی مرکز یعنی ہرمندر صاحب چھین کر نام نہاد سکھوں ''نرنکاریوں'' کا اس پر قبضہ کروا دیں گے۔ اس طرح ایک مستقل خطرہ ٹل جاتا اور سکھ روحانی طور پر تباہ ہو کر رہ جاتے۔

مذہبی اور معاشی طور پر نیا سامراج اپنی دانست میں ان کا تیا پانچہ کر ہی چکا تھا۔ اب وہ اس روحانی

غذا کے سپلائی سنٹر پر جہاں سے سکھوں کو تھوڑی بہت سپلائی ابھی جاری تھی اپنے قبضے میں لینا چاہ
جس کے لئے 50 ہزار نرنکاریوں کا اجتماع اسی روز امرتسر میں کیا گیا تھا۔

سکھ اپنے مذہبی اجتماع کو ''دربار'' کا نام دیتے ہیں۔ دربار صاحب امرتسر میں ہزاروں سکھ موج تھے۔

''ہرمندر صاحب'' کے سامنے والے تالاب میں تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی اور سکھ اپنے مذہب کے مطابق ''اشنان'' کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ سارا صحن سکھ سنگت سے بھرا ہوا تھا اور ''م صاحب ہال'' میں دیوان سجایا گیا تھا۔

اس وقت پنجاب پر اکالی دل کی حکومت تھی اور اس وقت کے اکالی دل حکومت کے وزیر ما جتھیدار جیون سنگھ عمرانگل اس مذہبی اجتماع کی صدارت کر رہے تھے۔

سٹیج پر سکھ دھرم کی روایات کے مطابق دمدمی ٹکسال کے سربراہ کی حیثیت سے سنت جرنل بھنڈرانوالے اور کیرتنی جتھے کے سربراہ کی حیثیت سے بھائی فوجا سنگھ بھی موجود تھے۔ سردار عمرانگل کے خطاب کے دوران بھنڈراں والا کے کچھ اہلکار بھاگتے ہوئے سٹیج تک پہنچے اور انہوں نے بھنڈرانوالے کو بتایا کہ امرتسر شہر کے ''مہتہ چوک'' میں 50 ہزار نرنکاری، اپنے گورو گوربچن کی کمان میں جمع ہو چکے ہیں۔

ایک مسلح جلوس کی قیادت گوربچن سنگھ کی بیوی کلونت کور ایک پالکی میں بیٹھ کر کر رہی ہے۔ خطرناک ارادے سے اس طرف بڑھ رہا ہے۔ اس جلوس میں زیادہ تعداد مسلح نرنکاریوں کی ہے جو سکھوں کو گالیاں دیتے ہوئے اس طرف آ رہے ہیں۔

نرنکاریوں کے خطرے کو سنت بھنڈرانوالہ نے کبھی نظر انداز نہیں کیا تھا۔ انہیں اس بات کا ایک مذہبی رہنما کی حیثیت سے احساس تھا کہ ہندو سامراج نے اس فرقے کو سکھوں کے خلاف کس لئے منظم کیا ہے۔

یہ سن کر سنت جرنیل سنگھ سٹیج پر پہنچے اور انہوں نے اکالی وزیر عمرانگل کو مخاطب کر کے نرنکاریوں کے اس خطرناک جلوس اور ان نعروں کی طرف اس کی توجہ دلائی جو نرنکاری بلند کرتے اس طرف آ رہے تھے۔ اس پر عمرانگل نے کھڑے ہو کر اجتماع کو یقین دہانی کروا دی کہ جلوس ادھر نہیں آئے گا۔

اس پر سنت جرنیل سنگھ نے کہا کہ اس مذہبی دن نرنکاریوں کا مسلح اجتماع اور سکھ مذہب کے خلاف

ال انگیز تقاریر کا کیا جواز ہے جبکہ پنجاب پر سکھوں یعنی اکالی دل کی حکومت ہے۔

عمرانگل نے اس پر سنت جرنیل سنگھ کو قریباً ڈانٹتے ہوئے یاد دلایا کہ بھارت میں سیکولر راج ہے نرنکاریوں کا یہ اجتماع سرکاری اجازت کے ساتھ ہو رہا ہے۔ سنت بھنڈرانوالہ یہ سن کر خاموشی سے ے اور کمپلیکس کے دوسرے حصے میں واقع ''سرائے رام داس'' کی طرف چلے گئے۔ صاف محسوس ہا تھا کہ انہوں نے عمرانگل کی اس ڈانٹ کا برا منایا ہے اور وہ خاصے غصے میں دکھائی دے رہے ے۔

انہیں سرائے رام داس کی طرف جاتے دیکھ کر ان کے سینکڑوں پیروکار اور ''کیرتنی جتھے'' کے سکھ اس طرف آ گئے جلد ہی وہاں ہزاروں سکھوں کا اجتماع ہو گیا۔

یہاں سنت جرنیل سنگھ نے ''سکھ سنگت'' سے اپیل کی کہ وہ انہیں اجازت دیں کہ سنت جی اپنے کاروں کا جتھہ لے کر جائیں اور نرنکاریوں کے اس طوفان کو روکنے کی کوشش کریں۔

ان کے پیروکار جانتے تھے کہ یہی بھارتی سرکار کی منشا ہے۔

بھارتی حکومت کو بھی اس بات کا علم تھا کہ سنت جرنیل سنگھ سکھ دھرم کے خلاف کوئی حرکت داشت نہیں کرتے تھے اور جوش میں آ کر وہ کوئی غلط قدم ضرور اٹھائیں گے اور اسی چکر میں بھارتی ومت خطرے کے اس کانٹے کو نکال باہر پھینکے گی۔

سکھ دھرم کی تعلیمات کے مطابق ان کا کوئی بھی لیڈر اپنی ذاتی حیثیت میں فیصلہ نہیں کر سکتا وہ ہر ملے کے لئے ''سکھ سنگت'' کی اجازت کا محتاج رہتا ہے......!

سکھ سنگت نے بھنڈرانوالے کو اجازت دینے سے انکار کر دیا اور یہ طے پایا کہ سکھوں کے ''پیارے'' جو فیصلہ کریں گے وہی مانا جائے گا۔ پانچ پیاروں نے فیصلہ کیا کہ سکھوں کا ایک جتھہ نکاری اجتماع کی طرف ضرور بھیجا جائے گا جو انہیں جا کر سمجھائے کہ وہ ایسی حرکات نہ کریں جو کھوں کو اشتعال دلا کر کسی غلط فیصلے کے لئے مجبور کریں۔ اس ضمن میں ایک مشترکہ کمانڈ کیرتنی جتھے ور دمدمی ٹکسال کی تیار کی گئی جس میں دونوں جتھوں کے ''پانچ پانچ پیارے'' جتھے کی کمانڈ کرنے کے لئے تیار کیے گئے اور 150 سکھ دونوں مذہبی مدارس کی طرف سے ان کی کمانڈ میں ''ارداس'' کے بعد نرنکاری اجتماع کی طرف چل دیئے۔ سکھ کوئی بھی اہم کام کرنے سے پہلے ارداس کرتے ہیں۔ جسے ان کے ہاں ''ارداسا سودھنا'' کہا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ ارداسا سودھنے کے بعد واپسی ممکن نہیں

ہوتی۔ان لوگوں نے اجتماع کی طرف جانے کے لئے "لوہ گڑھ" والا راستہ اپنایا تھا یہ جھتہ اس طرف بڑھ رہا تھا جدھر نرنکاری مسلح اجتماع کر رہے تھے۔اجتماع سے بمشکل چار سو گز کے فاصلے پر پولیس کے جوانوں نے اس جھتے کا راستہ روکا۔ خیال رہے کہ یہ لوگ بالکل غیر مسلح تھے۔

جھتے کے کمانڈوں نے پولیس سے کہا کہ وہ نرنکاری رہنماؤں سے بات کرنا چاہتے ہیں وہ یہاں لڑنے کے لئے نہیں آئے جس کا ثبوت ان کا غیر مسلح ہونا ہے۔ پولیس نے انہیں اس کی اجازت دینے سے انکار کر دیا......!

ابھی یہ گفت وشنید جاری ہی تھی جب اچانک اس جھتے پر فائرنگ شروع ہو گئی۔ مسلح نرنکاری سکھوں پر گولیاں برسا رہے تھے اور پولیس ان کا ساتھ دے رہی تھی۔

پولیس کے ہندو ڈی ایس پی مسٹر جوشی نے کیرتنی جھتے کے سربراہ فوجا سنگھ کی طرف پستول تانتے ہوئے کہا۔

"تم اس شرارت کی جڑ ہو۔ تمہیں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں"

اس کے ساتھ ہی اس نے کئی گولیاں فوجا سنگھ کے جسم میں اتار دیں۔ڈی ایس پی کی طرف سے اشارہ ملتے ہی پولیس نے بھی غیر مسلح سکھوں پر گولیاں برسانا شروع کر دیں۔صاف دکھائی دے رہا تھا کہ پولیس اور نرنکاری اکٹھے ہو کر سکھوں کا قتل عام کر رہے ہیں۔

دیکھتے ہی دیکھتے پرامن سکھوں کی لاشیں گرنے لگیں۔ 13 سکھ موقعے پر مارے گئے۔ 78 شدید زخمی ہوئے جن میں سے بعض ان زخموں سے جانبر نہ ہو سکے اور کچھ عرصہ بستر مرگ پر گزارنے کے بعد مر گئے۔

حیرت کی بات یہ تھی کہ اس قتل عام کے دوران نرنکاری اجتماع جاری رہا۔اور اس سانحے کے چار گھنٹے بعد جب ان کے گورو نے اپنی تقریر ختم کر لی تو ان لوگوں نے منتشر ہونا شروع کیا۔

نرنکاریوں کی حفاظت کے لئے پولیس کی زائد نفری پہلے سے موجود تھی۔ان لوگوں نے امرتسر میں کرفیو کا سا سماں پیدا کر دیا تھا اور جس راستے سے نرنکاری واپس جا رہے تھے اسی راستے کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا تھا۔نرنکاری گورو گوربچن سنگھ کو پولیس اپنے خصوصی پہرے میں امرتسر کے ہوائی اڈے "راجا سانسی" تک لے کر آئی جہاں سے وہ ایک خصوصی پرواز کے ذریعے دلی روانہ ہو گیا تاکہ مرکزی حکومت کو اپنی اس خصوصی کارکردگی سے خود آگاہ کر کے داد وصول کر سکے۔

آج سے پہلے سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالے کی حیثیت ایک مذہبی رہنما سے زیادہ کچھ نہیں تھی۔

O

13 اپریل 1978ء کے دن ان کی سیاسی زندگی کا آغاز بھارتی حکومت نے اس خونی ڈرامے سے خود ہی کر دیا تھا۔ یہ واقعہ خالصتان کی موجودہ تحریک آزادی کا سنگ میل کہلاتا ہے۔اس روز سکھوں نے جرنیل سنگھ بھنڈرانوالے کی کمانڈ میں اپنے علیحدہ وطن کے حصول کا فیصلہ کر لیا تھا۔جس نرنکاری اجتماع سے سکھوں پر گولی چلائی گئی تھی۔ اس میں مہمان خصوصی پنجاب کے مشہور اردو روزنامہ "ہند سماچار" کا ایڈیٹر لالہ جگت نرائن تھا...... یہ وہی لالہ جگت نرائن ہے جسے بعد میں خالصتانی سکھوں نے گولیوں کا نشانہ بنایا......!!

"جنتا پارٹی" کے مقامی لیڈروں کی پشت پناہی بھی حملہ آوروں کو حاصل تھی......!

اس واقعے نے سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ کی شہرت میں بے پناہ اضافہ کیا۔اس کی دو وجوہات تھیں۔

1- پہلی وجہ تو سنت جی کا روایتی نرنکاری مخالفت رویہ جس کی بنیاد پر انہیں سکھ دھرم کا محافظ سمجھا جانے لگا۔

2- دوسری اہم وجہ اکالیوں کی بے پناہ مخالفت۔

اکالیوں نے محسوس کر لیا تھا کہ سنت جرنیل کی شکل میں ان کے سر پر خطرے کی ایک مستقل تلوار لٹک گئی ہے اور جب تک وہ اس خطرے سے نجات حاصل نہیں کر لیتے تب تک ان کی سیاسی دکانداری ڈانواں ڈول رہے گی۔

انہوں نے فوری طور پر سنت جرنیل سنگھ کو اس واقعے کا ذمہ دار ٹھہرا دیا اور الزام لگایا کہ ان کی وجہ سے 13 سکھ مارے گئے اور درجنوں زخمی ہوئے۔اکالیوں کی طرف سے یہ بھی کہا گیا کہ سنت جرنیل سنگھ کانگریس کا ایجنٹ ہے اور اس نے اکالیوں کی ساکھ تباہ کرنے کے لئے یہ سارا ڈھونگ رچایا ہے تاکہ پنجاب میں اکالی وزارت کا خاتمہ کر کے کانگریس کے لئے راہ ہموار کی جائے۔

دوسری طرف پولیس نے بھی سنت جرنیل سنگھ کو اس واقعے کا ذمہ دار قرار دے دیا اسی طرح جب حکومتی اور سیاسی سطح پر سنت جی کی مخالفت شروع ہوئی تو عام سکھ بھی سوچنے لگا کہ ضرور دال میں کالا ہے اور یہ مخالفت ہی دراصل سنت جرنیل سنگھ کی شہرت اور مقبولیت کا باعث بن گئی۔اب بڑی عجیب

صورتحال پیدا ہوگئی تھی......!ایک طرف اکالی وزارت تھی جو اس واقعے کو دبا کر امن وامان قائم کرنا اور اپنی سرکاری کو برقرار رکھنا چاہتی تھی۔

دوسری طرف سنت جرنیل سنگھ تھے جو ''سکھ شہیدوں'' کے خون کا حساب طلب کر رہے تھے اور فوری طور پر اس مقدمے کا فیصلہ چاہتے تھے۔

جن لوگوں کو اس قتل عام کے ضمن میں گرفتار کیا گیا ان پر بھنڈرانوالے خصوصی عدالت میں کیس چلانے کا مطالبہ کر رہے تھے۔

اس ضمن میں سنت جی کی طرف سے مطالبہ کیا گیا کہ ہائی کورٹ ججوں کا غیر جانبدار پینل اس واقعے کی تفتیش کرے لیکن اکالی سرکار اس معاملے کو صوبے تک محدود رکھنا چاہتی تھی انہوں نے اسے یکسر رد کرتے ہوئے بھارتی آئین کے مطابق فوجداری مقدمہ قائم کیا اور سست رفتاری سے مقدمہ چلنے لگا۔ اب تو سنت جرنیل سنگھ اور اکالیوں کے درمیان باقاعدہ ٹھن گئی تھی......!!

گو کہ سنت جرنیل سنگھ نے ابھی تک کھل کر اکالیوں کی مخالفت نہیں کی تھی وہ ان سے صرف ایک ہی مطالبہ تکرار کے ساتھ دہرا رہے تھے کہ قاتلوں کو جلد از جلد کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔

اس کے برعکس اکالی اور کھیل کھیلنے جا رہے تھے......!

سکھ سیاست میں بنیادی اہمیت جیسے کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے ''گوردوارے'' کی ہے گوردواروں کے انتخابات نزدیک آرہے تھے اور اکالیوں کو احساس ہو چکا تھا کہ عام سکھ چونکہ ان سے ناراض ہے اس لئے انہیں ''نرنکاری'' اور ''رادھاسوامی'' ووٹ درکار تھے۔

اس کے لئے اکالیوں نے باقاعدہ سودابازی کی اور جیلوں میں قید نرنکاریوں سے ایک معاہدہ کر لیا کہ اگر ان کے ووٹ اکالی امیدواروں کو گئے تو اکالی انہیں جیلوں سے رہا کرادیں گے۔

اس خفیہ معاہدے کی ضرورت اکالیوں کو کیوں پیش آئی؟ عام سکھوں کی مخالفت کے علاوہ اس کی دو اہم وجوہات تھیں۔

1- سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالے کی ذاتی کوششوں سے ''اکال تخت'' نے جسے سکھ اتہاس میں مرکزی اہمیت حاصل ہے نرنکاریوں کے خلاف فتویٰ جاری کر دیا تھا جب کہ اکالی دل یہ نہیں چاہتا تھا۔

اکال تخت کی طرف سے جاری ہونیوالے اس فتویٰ کے بعد اب ہر سکھ کی یہ مذہبی ذمہ داری بن

گئی تھی کہ وہ نرنکاریوں کے خلاف ہر سطح پر بغاوت کرے ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے۔

اس ''حکم نامے'' کی رو سے نرنکاری سکھ مذہب کے باغی قرار پائے تھے اور یہ کریڈٹ بھنڈرانوالہ کو مل گیا تھا۔

2- عموماً گوردواروں پر اکالی دل ہی کی ایک شاخ گوردوارہ پربندھک کمیٹی کا قبضہ رہتا تھا لیکن اس مرتبہ بھنڈرانوالے نے ایک نئی مصیبت کھڑی کر دی اور کہا کہ گوردواروں کے انتخابات میں اس سکھ کو حصہ لینے کی اجازت دی جائے جو ''امرت دھاری'' یعنی مکمل سکھ دھرم کا پابند ہو جبکہ اکالیوں کے پاس ایسے لوگ آٹے میں نمک کے برابر تھے۔

اس کے ساتھ ہی ایک بڑی مصیبت اکالیوں کے لئے یہ بھی آن کھڑی ہوئی کہ دمدمی ٹکسال کے سابقہ چیف کرتار سنگھ کا بیٹا امریک سنگھ سکھ سٹوڈنٹس فیڈریشن کا صدر بن گیا۔

امریک سنگھ چونکہ سنت جرنیل سنگھ کا فرماں بردار تھا اس لئے سنت جی اسے عملی سیاست میں لانا چاہتے تھے اور امریک سنگھ کی روحانی مطابقت کی وجہ سے سکھ سٹوڈنٹس فیڈریشن اور دمدمی ٹکسال ایک دوسرے کے بہت نزدیک آگئے تھے اور جب نرنکاریوں کے خلاف بطور احتجاج دہلی میں ''چپ جلوس'' نکالنے کا اعلان ہوا، تو سنت جی کے حکم پر ہزاروں سکھ نوجوان وہاں پہنچ گئے اور اکالی دل کی مخالفت کے باوجود بہت کامیاب جلوس نکالا۔

جب سنت جرنیل سنگھ کی طرف سے گوردوارہ الیکشن میں ''امرت دھاری'' سکھوں کا اعلان ہوا تو اکالی ٹپٹا گئے اور انہوں نے سنت جی کو رام کرنے کے لئے اپنے بہت ہوشیار اور گھاگ سیاسی لیڈر اجاگر سنگھ سیکھواں کو بھیجا۔ جس نے سنت جرنیل سنگھ سے ملاقات کر کے انہیں اپنے جال میں پھانسنا چاہا لیکن بھنڈرانوالے قابو نہ آئے۔ اس مرحلے پر دونوں کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ کچھ اسی نوعیت کی تھی۔

اجاگر سنگھ۔۔۔آپ نے یہ کیا مصیبت کھڑی کر دی۔

بھنڈرانوالہ۔۔۔شرومنی اکالی دل نے اپنے گوردواروں کے انتخابات لڑنے کے لئے جو فارم امیدواروں کا شائع کیا ہوا ہے اس میں یہ بات درج ہے کہ وہ صرف ان امیدواروں کو ٹکٹ جاری کرے گا جن کا سارا خاندان ''امرت دھاری'' ہوگا۔ آپ نے جن کو ٹکٹ جاری کیے ہیں۔ کیا ان کے خاندان ''امرت دھاری'' ہیں۔

اجاگر سنگھ۔۔۔ساری امرت دھاری نہیں۔

بھنڈرانوالہ۔۔۔کیوں؟

اجاگر سنگھ۔۔۔سارے امرت دھاری مل نہیں سکتے۔

بھنڈرانوالے۔۔۔اگر 56 سال میں آپ لوگ 140 ''امرت دھاری'' سکھ پیدا نہیں کر سکے تو آپ کو سکھوں پر حکومت کرنے کا حق نہیں دیا جا سکتا۔ اپنے گھروں کو واپس لوٹ جاؤ اور کرسیاں خالی کر دو۔ (خیال رہے کہ شرومنی اکالی دل کو قائم ہوئے 56 سال ہو چکے تھے اور 140 گوردواروں میں انتخاب ہو رہا تھا)

اجاگر سنگھ۔۔۔آپ کے پاس 140 ''امرت دھاری'' سکھ ہیں۔

بھنڈرانوالے۔۔۔ہاں۔ میں 140 سکھ دیتا ہوں آپ انہیں ٹکٹ جاری کریں۔

اجاگر سنگھ۔۔۔مجبوری ہے۔

بھنڈرانوالے۔۔۔اگر مجبوری ہے تو صاف کہہ دو کہ ہم کرسیاں نہیں چھوڑنا چاہتے مذہب کے نام پر پاکھنڈ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میدان ہاتھ سے نکلتا دیکھ کر اکالی دل نے پراپیگنڈہ شروع کر دیا کہ سنت جی کو کانگریس کی طرف سے بہت سا پیسہ ملا ہے اور وہ اس کے بل بوتے پر اب سکھوں کو گوردواروں پر کانگریس کا قبضہ کروانا چاہتے ہیں۔

سنت جرنیل سنگھ کی عادت تھی کہ وہ خود پر ہونے والی تنقید کا جواب نہیں دیا کرتے تھے اور اپنا کام کرتے رہتے تھے۔ انہوں نے اکالی دل پر آخری چوٹ اس وقت لگائی جب شرومنی اکالی دل کے پردھان عمرا ننگل کے مقابلے پر امریک سنگھ کو کھڑا کر دیا۔

اس حملے نے اکالی دل کو بوکھلا کر رکھ دیا......!!

اس وقت کے اکالی چیف منسٹر پرکاش سنگھ بادل نے اب بھنڈرانوالہ مخالفت کی کمان سنبھال لی تھی۔

اکالی دل نے یہ پروپیگنڈہ تیز کر دیا کہ سنت جرنیل سنگھ چونکہ نرنکاری سکھوں کے مخالف ہیں اس لئے انہیں ووٹر نہ بننے دیا جائے۔۔۔اس ضمن میں اکالیوں نے اپنے ایک خاص رکن سابقہ ڈائریکٹر ہیلتھ پنجاب سردار موہن سنگھ کے ذریعے پنجاب اور ہریانہ ہائی کورٹ میں اپیل بھی دائر کر دی۔

لیکن......!

ان کی ایک نہ چل سکی۔

اپیل ہائی کورٹ نے یہ کہہ کر رد کر دی کہ اب انتخابات کا اعلان ہو چکا اور ووٹر لسٹ فائنل ہو چکی ہے۔ اس میں ردوبدل ممکن نہیں۔

اس کے بعد اکالی دل نے جعل سازی کا آغاز کیا اور قریباً ہر نرنکاری اور رادھا سوامی کو ووٹ بنا لیا۔

جتھیدار عمرا ننگل نے کرنال جیل میں بند نرنکاری منڈل کے سینئر ممبر گوبند سنگھ سے ملاقات کر کے اسے پیش کش کی کہ اگر وہ نرنکاریوں کو حکم جاری کر دے کہ وہ عمرا ننگل کو ووٹ دیں گے تو ان کی رہائی کی کوشش کی جائے گی۔ گوبند سنگھ نے خفیہ ہدایت اپنے پیروکاروں کو جاری کر دی۔ جس میں کہا گیا کہ ہر نرنکاری شرومنی اکالی دل کو ہی ووٹ ڈالے۔

گوردوارہ الیکشن میں اکالی سرکار نے ہر ممکن بے ایمانی کی اور پولیس کی مدد سے کئی جگہ سنت جرنیل سنگھ کے حامیوں کو ووٹ ڈالنے سے روکا گیا۔ خصوصاً عمرا ننگل کی جیت کو ممکن بنانے کے لئے ہر ممکن بے ایمانی کی گئی۔ کیونکہ اکالی دل جانتا تھا کہ اگر عمرا ننگل کو شکست ہو گئی تو ان کی سیاست کا جنازہ اٹھ جائے گا۔

عمرا ننگل الیکشن میں کامیاب تو ہو گیا۔

لیکن......!

اکالی دل کو علم ہو گیا تھا کہ اب پنجاب میں ایک مستقل عذاب ان کے سر پر مسلط ہو چکا ہے۔

اس گوردوارہ الیکشن نے سنت بھنڈرانوالہ کو ایک ہیرو کی حیثیت سے اجاگر کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

4 جنوری 1980ء سکھ اتہاس کا اگلا اہم موڑ ہے۔

اکالی دل نے اپنے وعدہ پورا کیا اور نرنکاریوں کی مدد سے کامیابی حاصل کرنے کے بعد حق نمک ادا کرنے کے لئے ان کے خلاف سرکاری گواہوں کو کیس سے الگ کر لیا۔ حکومتی سطح پر کوئی ایسے شواہد نہ چھوڑے گئے جن کی مدد سے نرنکاری اپنے انجام کو پہنچتے۔

اس روز کرنال کی سیشن کورٹ میں سیشن جج آر ایس گپتا نے نرنکاریوں کو اس مقدمے سے بری

کر دیا۔

حکومتی سطح پر پہلے ہی نرنکاریوں اور اکالی دل کے درمیان یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ فیصلے کے خلاف اپیل نہیں کی جائے گی اور ایسا ہی ہوا۔

اس پر نرنکاری تکبر کا شکار ہو گئے۔ انہوں نے سکھوں کو طعنہ دیتے ہوئے کہا۔

''تمہارا گورو 52 آدمی رہا کروا کے لایا تھا جبکہ ہمارے گورو نے 60 آدمی بری کروائے ہیں۔''

یاد رہے کہ اس مقدمے میں 64 نرنکاری گرفتار ہوئے تھے گوربچن سنگھ کی ضمانت ہو گئی تھی اور تین ملزم الگ رکھے گئے تھے باقی نرنکاری گورو کے ساتھ تھے۔ جج نے اپنے فیصلے میں پولیس، سرکاری وکیل اور صوبائی حکومت کو نامکمل ثبوت اور گواہیاں فراہم کرنے کا ذمہ دار قرار دیا تھا۔

اس صورتحال نے سنت جی کے غصے کو اور بڑھایا۔ اب انہوں نے کھل کر اکالیوں کی مخالفت شروع کی اور 13 سکھوں کا خون نرنکاریوں کے ساتھ ساتھ ان کے گلے بھی ڈال دیا۔

وہ اپنی تقاریر میں سکھوں کو واضح اشارے دینے لگے کہ اگر اکالیوں کی عدالت نے نرنکاریوں کو بری کر دیا ہے تو سکھ ''اکال پرکھ'' (خداتعالیٰ) کی عدالت کے فیصلے پر عمل کریں۔

اس صورتحال کا نتیجہ تھا کہ سکھوں میں اشتعال بڑھنے لگا۔ دوسری طرف نرنکاریوں کے حوصلے بھی بڑھتے چلے گئے۔

نرنکاری گورو گوبچن سنگھ نے سنت بھنڈرانوالہ کے خلاف تقاریر کا سلسلہ جاری رکھا اسے درپردہ اکالی دل کی مکمل حمایت حاصل تھی جس کی مدد سے اس نے پنجاب کے کونے کونے میں جا کر سکھوں کو یہ باور کروانا چاہا کہ ان ہنگاموں کی ذمہ داری بھنڈرانوالہ پر عائد ہوتی ہے۔

اکالیوں نے دکھاوے کے لئے 6 ماہ کی پابندی اس پر عائد کی لیکن مرکزی حکومت نے یہ پابندی ختم کر دی اور اسے پولیس کی خصوصی گارڈ بھی مہیا کر دی گئی۔ پولیس کی سنگینوں کے سائے میں گوا س نے پنجاب کا دورہ کامیاب بنا لیا لیکن چندی روز بعد 24 اپریل 80ء کو جب رات کے ساڑھے گیارہ بجے گوربچن سنگھ اپنی بیوی کلونت کور اور نرنکاری سیوادل کے کمانڈر انچیف پرتاب سنگھ سمیت نرنکاری بھون کے سامنے ایک ''سماگم'' سے واپس پہنچا تو کسی نے نرکاری بھون کے کمرے سے ہی گولی چلائی جس سے اس کا کمانڈر انچیف پرتاب سنگھ اور گوربچن سنگھ موقعے پر ہی مارے گئے۔

نرنکاری بھی گوبند سنگھ نے اس قتل کا الزام سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ پر لگایا اور اپنے پولیس کو

دیئے گئے بیان میں تکرار کے ساتھ یہ بات کہی کہ بھنڈرانوالے نے نرنکاری گوربچن سنگھ کے قتل کا اپنے پیروکاروں کو نہ صرف حکم دیا بلکہ اسے ''پنتھ'' کی بڑی خدمت بھی بتایا۔ ---

بھنڈرانوالہ کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں تھی کہ ان پر کیا الزام لگایا گیا اور کون لگا رہا ہے۔

نرنکاری گورو کے قتل پر انہوں نے قاتلوں کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے علی الاعلان کہا۔

''گوربچن سنگھ کے قاتلوں نے سکھ قوم کی پاؤں تلے روندی گئی عزت گرتی ہوئی مونچھ اور اپنی ماں کے پیئے ہوئے دودھ کی لاج رکھی ہے۔ اور گردن پر گھٹنا رکھ کر شہیدوں کے خون کا بدلہ لیا ہے۔''

O

پرتاب کور کون تھی؟

پرتاب کور نام تھا اس کا......!!

عمر تو اس کی چالیس کے لگ بھگ رہی تھی۔لیکن......اس عمر میں بھی وہ سرتاپا قیامت تھی۔ بہت بڑے سرکاری افسر کی بیوی ہونے کے ناطے اس نے بڑی تیزی سے کامیابی کی منازل طے کی تھیں۔ امرتسر سے لدھیانے تک اس کی دھوم مچی تھی۔لوگ سمجھتے تھے کہ اس کے خاوند کی تیزی سے ترقی کا راز کیا ہے!

پولیس انسپکٹر سے وہ دنوں میں ایس ایس پی بنا تھا۔اس کے کورس فیلو حیران تھے کہ مہندر سنگھ کو کون سے ایسے سرخاب کے پر لگ گئے ہیں جنہوں نے اسے یوں دیکھتے ہی دیکھتے زمین سے اٹھا کر آسمان کی بلندیوں پر پہنچا دیا ہے۔ حالانکہ......! وہ اپنے ڈیپارٹمنٹ کے لئے ہمیشہ ایک بدنما داغ رہا تھا......! اس کی رشوت ستانی کے قصے زبان زد خاص و عام تھے۔ بے گناہوں کو گناہ گار اور گناہ گار کو بے گاہ ثابت کر دینا مہندر سنگھ کے بائیں ہاتھ کا کھیل رہا تھا۔اس نے اپنی سروس میں نجانے کتنے قاتلوں کو بری کروایا اور کتنے بے گناہوں کو تختہ دار پر پہنچایا تھا۔

حیرت کی بات تو یہ تھی کہ جس شہر میں بھی تعیناتی ہوئی اس کے قصے اس کی اس شہر میں آمد سے پہلے ہی یہاں پہنچ جاتے اور اخباراجات اس کی آمد سے پہلے ہی آسمان سر پر اٹھا لیتے۔لیکن......! جیسے ہی وہ اپنا چارج سنبھالتا آہستہ آہستہ سب نارمل ہو جاتا۔لوگ کہتے تھے اس کے پس پردہ پرتاب کور تھی......کسی بھی اخبار کے ایڈیٹر کو اس کی محض ایک جھلک ہی کافی تھی......! اس کے پاس کسی کو بھی ''رام'' کر لینے کے لئے سب کچھ تھا۔حسن، جوانی، دولت شباب اور سب سے بڑھ کر دھمکی......!! وہ دھمکی جس پر وہ عمل کر دینے کی قوت بھی رکھتی تھی۔ جب کبھی کسی ایماندار افسر نے ہر مہندر سنگھ

کی حرکات کا نوٹس لیا اسے منہ کی کھانی پڑی۔

پرتاب کور ایک رات گھر سے باہر رہتی اور سارا کام ''او۔کے'' کروا کے واپس لوٹ آتی۔

اس کی رنگینیاں زبان زد خاص و عام تھیں۔ بڑے بڑے اعلیٰ افسران اس کی قربت کے مشتاق رہتے تھے۔ جس شہر میں بھی وہ ہوتی وہاں کی راتیں اس کے دم سے دن کی روشنی کو شرمانے لگتیں......!! کوئی تقریب اس کے بغیر مکمل نہیں ہوتی تھی۔ پرتاب کور کو علم تھا کہ کس افسر کی کون سی نبض پر ہاتھ رکھ کر کس کا کام کروا سکتی ہے۔لیکن......! جس روز لوگوں نے سنا کہ اس نے دربار صاحب میں مستقل ڈیرے ڈال دیئے ہیں تو بڑے بڑوں نے اپنے دانتوں میں انگلیاں لے لیں۔ نجانے اسے کیا ہوا کہ ایک روز جب وہ جانے کس ترنگ میں دربار صاحب متھا ٹیکنے لگی تو وہاں سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ کا گوربانی پر لیکچر ہو رہا تھا۔خدا جانے اس کے دل میں کیا سمائی کہ واپسی کا ارادہ ترک کر کے وہ سنت جی کا لیکچر سننے بیٹھ گئی۔......!! اس کے ہمراہی حیران تھے کہ پرتاب کور بیٹھ کر اٹھنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ پہلے تو انہوں نے اسے بھی پرتاب کور کی کوئی ادا جانا اور سوچا کہ وہ تھوڑی دیر بعد اٹھ کر آ جائے گی۔لیکن......ان کی حیرت پریشانی کا روپ دھارنے لگی جب پرتاب کور نے واپس جانے سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ اب وہ باقی ساری زندگی سنت جی کے چرنوں میں ہی گزارے گی۔

اس کے خاوند اور دو جنونی عاشقوں نے اس تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا کیونکہ پرتاب کور نے اپنے تمام پرانے ناطے توڑ دیئے تھے اور سب کو ملنے سے انکار کر دیا تھا۔

اس کی ایک ہی خواہش تھی کہ کسی بھی طرح سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ کے قدموں میں اسے جگہ مل جائے۔

تین روز تک وہ دربار صاحب میں سنت جرنیل سنگھ اور ان کے جتھے کے لوگوں کی ''سیوا'' کرتی رہی۔اس نے لنگر خانے میں ''سیوا'' کرنے کی ڈیوٹی سنبھالی تھی اور یہاں دیوانہ وار کام کر رہی تھی۔

لوگ حیران تھے کہ اتنی ماڈرن اور عیاش عورت پر سنت جرنیل سنگھ نے کیا سحر پھونک دیا ہے کہ وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر صرف دھرم کی پرچارک بن گئی ہے۔اخبارات نے پرتاب کور سے متعلق عجیب عجیب افسانے تراشے کسی نے اسے پرتاب کور کی ادا جانا اور کسی نے اس کا ''پراشچت'' قرار

دیا...... جلد ہی اخبارات کو بھی یقین ہونے لگا کہ وہ کوئی ڈرامہ نہیں رچا رہی واقعی اس نے خود کو سکھ دھرم کی ''سیوا'' کے لئے مخصوص کر لیا ہے۔

دسویں روز پرتاب کور نے سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ کے ہاتھوں ''امرت سنچار'' کر لیا۔ امرت سنچار کرنے کے بعد کوئی بھی سکھ مکمل سکھ بن جاتا ہے اور اسے صبح شام نہ صرف ''گوربانی'' کا دو تین گھنٹے پاٹھ کرنا پڑتا ہے بلکہ زندگی بھر کبھی شراب، نشہ آور اشیاء اور گوشت انڈہ وغیرہ کو چھو بھی نہیں سکتا۔ یہ معمولی فیصلہ نہیں تھا۔ زندگی کی ساری عیاشیوں کو اچانک ''تیاگ'' کر یہ راستہ اپنا لینا تلوار کی دھار پر چلنے والی بات تھی۔

یہ دس دن اس نے دربار صاحب ہی میں بسر کیے تھے۔ اس دوران اس کی قیمتی پوشاک اتر گئی تھی اپنے جسم پر موجود تمام زیورات اس نے سنت جی کے قدموں میں رکھ کر ان کی فروخت سے حاصل ہونے والی آمدنی ''بھنڈرانوالہ جتھہ'' کے سپرد کر دینے کا اعلان کیا تھا اور ''سکھی بانا'' (ایک مخصوص لباس جو بہت سادہ ڈھیلا ڈھالا اور سوتی کپڑے کا بنا ہوتا ہے) پہن لیا تھا۔ اس نے اپنے سر پر جتھے کی سکھ عورتوں کی طرح پگڑی باندھ لی تھی جس پر دوپٹہ اوڑھا جاتا تھا۔ پرتاب کور کے گلے میں نہ صرف چھوٹی سی کرپان رہتی تھی ایک بڑی کرپان اس نے اپنے ہاتھ میں بھی تھامنا شروع کر دی تھی۔

سنت جرنیل سنگھ اپنے جتھے کے ساتھ ان دنوں پنجاب کا طوفانی دورہ کر رہے تھے۔ وہ گاؤں گاؤں جاتے سکھوں کو انکی مذہبی تعلیمات سے آگاہ کرتے......!

ان کے تباہ حال اور بھیانک مستقبل کی تصویر انہیں دکھاتے......!

اور......

انہیں اپیل کرتے کہ اب بھی وقت ہے کہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آ جائیں اور ہندوؤں کے ہاتھوں بندروں کی طرح ناچنے کی بجائے اپنے قومی تشخص کی فکر کریں جسے تباہ کرنے کے لئے بھارتی حکومت ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہے۔

سنت جرنیل سنگھ جس گاؤں یا شہر میں تبلیغ کے لئے جاتے وہاں کے سکھوں کو خاص طور پر اس بات کی نصیحت کرتے کہ وہ مسلح رہا کریں۔ ان کی یہ خصوصی ہدایت تھی کہ پنجاب کے ہر دیہات میں دو موٹر سائیکل اور چار رائفلیں ہونا ضروری ہیں۔

وہ سکھوں سے کہا کرتے تھے کہ ان پر ایک خوفناک رات مسلط ہونے والی ہے اور قہر کی ایسی

بھی ان پر ٹوٹے گی جس کے سامنے انہیں اپنے جسموں کے بند باندھنے ہوں گے۔ وہ اپنے پیروکاروں کو بتایا کرتے تھے کہ جس طرح ان کے گورو صاحبان نے ہر سکھ کو ''ششتر دھاری'' (مسلح) رہنے کا حکم دیا ہے۔ اس کے بعد کسی بھی سکھ کا غیر مسلح رہنا ٹھیک نہیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ اپنے پیروکاروں کو جدید اسلحہ اپنے پاس رکھنے اور اس کی تربیت حاصل کرنے کا درس دیا کرتے تھے۔

ان کا کہنا تھا کہ زمانے کے حالات کے مطابق ان لوگوں کو ہتھیار اٹھانے چاہئیں۔ کرپان سکھ کی پہچان ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سکھ صرف کرپان پر بھروسہ کر کے بیٹھ رہے بلکہ اسے جدید اسلحہ بھی اپنے پاس رکھنا چاہیے......!

سنت جی کے ان بیانات کو حکومت بے حد تشویش کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔ گو وہ کوئی پڑھے لکھے آدمی نہیں تھے اور انہوں نے سکول میں صرف پرائمری تک ہی تربیت حاصل کی تھی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیوں نے پہلے پہل ان کے بیانات کا زیادہ نوٹس نہیں لیا۔ لیکن......! اب بھارتی حکومت محسوس کرنے لگی تھی کہ سنت جرنیل سنگھ آتش فشاں ہے جو کسی بھی لمحے پھٹ جائے گا۔

انہیں دن رات یہی فکر دامنگیر رہتی تھی کہ سنت جی کے اٹھائے ہوئے طوفان سے کیسے عہدہ برا ہوا جائے۔

اس کے لئے ضروری تھا کہ کسی بھی طرح انکے جتھے میں اپنے ''مداخلت کار'' داخل کیے جائیں۔ بھارتی انٹیلی جنس کو اب سنت جی کی نظر میں ایسا طوفان دکھائی دینے لگا تھا جو کسی بھی لمحے ان کو راکھ کی طرح اڑا لے جاتا۔ انہیں سنت جی کے پل پل کی خبر چاہیے تھی۔

ان کی خفیہ سرگرمیوں سے آگاہ رہنا ناگزیر تھا......! اور اس مقصد کے لئے ضروری تھا کہ سنت جرنیل سنگھ کے نزدیکی حلقے میں انٹیلی جنس کے آدمی داخل ہوائیں۔

دوسری طرف سنت جرنیل سنگھ کی حفاظت کی ذمہ داری سکھ سٹوڈنٹس فیڈریشن کے پردھان امریک سنگھ نے سنبھال رکھی تھی۔ سینکڑوں کی تعداد میں پنجاب کے کونے سے سکھ نوجوان ان کی حفاظت کے لئے موجود رہتے تھے۔ یوں تو سکھ سٹوڈنٹس فیڈریشن کے ہزاروں کارکن سنت جی کا دم بھرنے لگے تھے اور بھنڈرانوالہ کی شکل میں انہیں ایک ایسا رہنما میسر آ گیا تھا جو انکے مفادات پر سودے بازی کیے بغیر ان کے مستقبل کو داؤ پر لگائے بغیر اور ہندو کی سازش کو سمجھتے ہوئے ان کی رہنمائی صحیح منزل کی طرف کر رہا تھا لیکن سینکڑوں نوجوان وہ تھے جو اپنا گھر بار چھوڑ کر امرتسر میں ان

کے گرد جمع ہونے لگے تھے......!

ان نوجوانوں کی کمانڈ امریک سنگھ کے ہاتھ میں تھی۔

امریک سنگھ ٹکسال کے سابقہ جتھیدار اور سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ کے پیشرو کا بیٹا تھا۔ اس طرح اسے سنت جی سے ایک روحانی نسبت بھی تھی جو روز بروز مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جا رہی تھی۔ اس مرتبہ جب سنت جرنیل سنگھ اپنے جتھے کے ساتھ پنجاب کے دورے پر نکلے تو جہاں امریک سنگھ اور اس کے درجنوں ساتھی سنت جی کے باڈی گارڈز اور ''سیواداروں'' کے روپ میں ان کے ہمراہ چل رہے تھے وہاں پرتاب کور بھی ان کے ساتھ تھی۔ اس نے روایتی سکھ عورتوں کی طرح خود کو سکھی اصولوں کے مطابق ہتھیاروں سے سجا رکھا تھا۔ دن رات گوہ گوربانی پڑھتی اور سنت جی کی بڑھ چڑھ کر سیوا کیا کرتی تھی۔ اتنی مشہور اور سوسائٹی کی جانی پہچانی عورت کو سنت جرنیل سنگھ کے ہمراہ دیکھ کر لوگ بہت متاثر ہوتے تھے اور بہت سے نوجوان پرتاب کور کے ''درشن'' کرنے کے لئے بھی سنت جی کی محفل میں آجایا کرتے تھے۔ اس مرتبہ جب سنت جی اپنے دورے سے واپس لوٹے تو ان کے پیروکاروں نے اس بات کو بطور خاص محسوس کیا کہ اس مرتبہ ان کا دورہ امید سے بڑھ کر کامیاب رہا ہے اور بہت زیادہ تعداد میں سکھوں نے ''امرت سنچار'' کیا ہے......!

دورے سے واپسی پر امریک سنگھ نے پرتاب کور سے خصوصی ملاقات کی وہ اس بات کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ کہیں پرتاب کور کی شکل میں بھارتی انٹیلی جنس نے اپنی ایجنٹ تو ان میں داخل نہیں کر دی۔

امریک سنگھ اندازہ نہ کر سکا کیونکہ اسی کی تنظیم کا دوسرا سرکردہ رہنما ہرمندر سنگھ سندھو جو فیڈریشن کا جنرل سیکرٹری تھا۔ پرتاب کور کی شخصیت کو بہت بڑھا چڑھا کر پیش کرتا رہا۔ جب بھی امریک سنگھ کو اس پر شک گزرتا ہرمندر سنگھ سندھو فوراً گفتگو کا رخ بدل دیتا اور کبھی اس کا خیال بھی اس طرف نہ جانے دیتا (یہ وہی ہرمندر سنگھ سندھو ہے جسے بعد میں سکھ حریت پسندوں نے 1990 میں غداری کے الزام میں مار ڈالا تھا) پرتاب کور کی سرگرمیاں پہلے پہل تو بھنڈرانوالہ جتھے کے کچھ جانثاروں کے نزدیک مشکوک تھیں پھر انہیں اس بات کا یقین ہونے لگا کہ واقعی پرتاب کور اب وہ نہیں رہی اور اس کی آمد بھی کسی سازش کی کڑی نہیں......!! پرتاب کور کو اب بھنڈرانوالہ جتھہ کا خاصا اعتماد حاصل ہو گیا تھا اور اس کی سرگرمیاں بھی روز بروز بڑھنے لگی تھیں۔ وہ نہ صرف سنت جی کے جتھے کے ساتھ جا

اب اس نے باقاعدہ ''کیرتن'' (سکھوں کا مذہبی گانا) بھی شروع کر دیا تھا......!! کچھ عرصہ بعد پرتاب کور نے امرتسر شہر کے ماڈرن علاقے میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ لیکن......! پرتاب کور نے اپنے پولیس آفیسر خاوند کی شکل دیکھنے سے بھی انکار کر دیا تھا۔ اس کی وجہ اس نے یہ بتائی کہ اس کا خاوند اس پولیس کا کارندہ تھا جس نے سنت جی اور ان کے ساتھیوں پر ظلم ڈھایا تھا۔ پرتاب کور نے اپنے خاوند سے کہا تھا کہ وہ استعفیٰ دے کر اس کی طرح سنت جی کے جتھے میں شامل ہو جائے اور ''سکھ پنتھ کی چڑھدی کلا'' کے لئے کوشاں ہو......!

اس طرح پرتاب کور راتوں رات سکھوں کے دھارمک حلقوں میں مقبولیت حاصل کرنے لگی۔

اس کے اس اقدام کو بہت سراہا گیا۔

وہ اخبارات جو پرتاب کور کو فاحشہ اور ریاکار عورت لکھا کرتے تھے وہی اب اسے سکھ دھرم کی عظیم علمبردار سمجھنے لگے تھے۔ امرتسر کے بجلی گھر انٹروگیشن سنٹر پر موت کا سناٹا طاری تھا۔ صرف پہرے داروں کے قدموں کی چاپ تھی جو کبھی کبھی اندھیرے کے اس سناٹے میں چیخ بن کر گونجنے لگتی تھی۔ بجلی گھر کا انٹروگیشن سنٹر مقامی آبادی کے لئے دہشت اور خوف کی علامت بنا ہوا تھا۔ یہ سمجھا جاتا تھا کہ ایک مرتبہ اس میں داخل ہونیوالا اول تو زندہ باہر آ ہی نہیں سکتا اگر خوش قسمتی سے آ بھی جائے تو اس کا جسم بھی مکمل نہیں ہوتا۔ جس وحشیانہ طریقے سے یہاں مشتبہ دہشت گردوں کی تفتیش کی جاتی تھی اس کی کہانیاں ایک طرح سارے پنجاب اور بھارت میں پھیلنے لگی تھیں۔ کبھی کبھی جب امرتسر کے کسی نواحی قصبے یا دیہات میں کسی ''پولیس جعلی مقابلے'' میں مارے جانے والے نوجوان کی مسخ شدہ لاش ملتی تو علاقے میں کہرام مچ جاتا۔

عموماً یہ لاشیں ناقابل شناخت ہوتی تھیں۔ جسم پر اتنا تشدد کیا جاتا تھا کہ دیکھنے والوں کا کلیجہ منہ کو آنے لگتا تھا۔ بجلی کے شاک سے جسم جلانا تو معمول کی بات تھی یہاں متعدد ایسی لاشیں ملتی تھیں جن کے جسموں میں سوراخ کیے ہوئے ہوتے تھے۔ یہ وحشت اور بہیمیت کی انتہا تھی۔

ان لوگوں کا تعلق سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ کے جتھے سے تھا جیسے ہی انٹیلی جنس کو خبر ملتی کہ سنت جی کے جتھے میں شامل فلاں نوجوان حریت پسندانہ کارروائیوں میں ملوث ہے اسے بڑے پراسرار طریقے سے اغوا کر لیا جاتا۔ ان دنوں نوجوانوں کو دربار صاحب یا ان کے گھروں سے اغوا نہیں کیا جاتا تھا بلکہ گھر اور دربار صاحب کے راستے ہی سے وہ غائب ہو جاتے تھے۔ کہیں بھی راہ چلتے ایک

''جیپی'' جب ان کے نزدیک آکر رکتی جس میں سے پانچ چھ مسلح سفید پوش برآمد ہوتے اور ا نوجوان کو اٹھا کر جیپ میں پھینک دیتے۔ کسی کی جرات نہیں تھی کہ وہ ایسی پراسرار جیپوں کی طرف ا اٹھا کر دیکھنے کی ہمت بھی کرے لوگ چپ چاپ کان لپیٹ کر نکل جایا کرتے تھے۔

امرتسر میں ایسے اغوا ہونے والے نوجوانوں کی منزل بجلی گھر کا یہ تفتیشی مرکز تھا جہاں قصائی درندے انٹیلی جنس افسران کے روپ میں کسی بھی ایسے شکار کے منتظر رہتے تھے۔ کسی بھی ایسے نوجوا کو دیکھتے ہی ان کی آنکھوں میں خون اتر آتا۔ وہ درندوں کی طرح اس پر پل پڑتے اور تب تک ا درندگی کا نشانہ بناتے رہتے جب تک کہ وہ بے ہوش نہ ہو جاتا۔

ہوش میں آنے پر اس نوجوان کو پانچ منٹ کی مہلت دی جاتی جس کے بعد تشدد کا عمل دوبا شروع ہو جاتا اور اس وقت تک یہ سلسلہ جاری رہتا جب تک کہ اس کے جسم اور روح میں تعلق ق رہے۔ اس کے بعد اس کی لاش پولیس ٹرک میں ڈال کر کسی نامعلوم مقام کی طرف روانہ کر دی ج جہاں پولیس کے جیالے لاش پھینک کر ہوائی فائرنگ کر کے مقابلے کا تاثر دیتے اور پھر اس کی لا پولیس کارروائی کے بعد ورثاء کے حوالے کر دی جاتی۔

اخبارات کو ان لاشوں کی تصاویر شائع کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ نہ ہی ان کے ''انتم سن (آخری رسومات) کی ادائیگی کی اجازت دی جاتی تھی۔ پولیس اپنے پہرے میں لاش کو ''شمش گھاٹ'' تک لے جاتی جہاں اسے نذر آتش کر دیا جاتا۔

اکثر یہ بھی ہوتا کہ لاش کے ورثاء کو بھی اپنے پیارے کے آخری درشن نصیب نہیں ہوتے تھے۔

ایس پی بھلہ کی اس وقت آمد یوں تو اچنبھے کی بات نہیں تھی کیونکہ وہ رات کے کسی پہر بھی اچا کسی خفیہ مشن پر یہاں آجایا کرتا تھا۔ لیکن......! چونکا دینے والی بات تو اس کے ساتھ کسی کی موجو تھی۔ اندھیرے میں ایس پی کی جیپ کے اندر موجود دوسرے آدمی کا چہرہ صاف دکھائی نہیں دے تھا۔ کیونکہ اس نے اپنے جسم کو چادر میں اس طرح لپیٹ رکھا تھا کہ سر پر بندھی پگڑی اور آنکھوں علاوہ قریباً سارا جسم ہی چھپا رہا ہے۔

ایس پی بھلہ کی جیپ پر نظر پڑتے ہی پہرے والوں نے دروازے کھول دیئے تھے۔ اور جیپ قلعہ نما عمارت کے دروازے سے گزرتی سیدھی اپنے آفس کے سامنے جا کر رکی تھی۔ جس باہر مستعد گارڈز اس کے احترام کے لئے موجود تھے۔ ایس پی بھلہ کے گارڈز جانتے تھے کہ ایک

کی نیند ان کی جان کا عذاب بن جائے گا۔

یہاں معمولی غفلت کی کم از کم سزا ملازمت سے برطرفی تھی۔ اس لئے ایس پی یہاں موجود ہو یا نہ ہو یہ لوگ ہر وقت چوکس رہتے تھے۔ معمولی آہٹ پر ان کے ہاتھ بے اختیار رائفلوں کے ٹریگرز کو چھونے لگتے۔

جیسے ہی ایس پی بھلہ کی جیپ آئی۔ ایک مستعد محافظ نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ آج بھی معمول کے مطابق ایس پی صاحب جیپ خود چلا رہے تھے۔ وہ رات کے کسی بھی پہر میں عموماً اکیلے ہی اس طرف آیا کرتے تھے یا کبھی کبھی کوئی ''مخبر'' ان کے ساتھ ہوتا لیکن آج آنے والے نے جس طرح اپنی شناخت چھپانے کی کوشش کی تھی اس سے پہرے داروں کا چونکنا ضروری تھا۔

دوسری سمت کا دروازہ جس گارڈ نے کھولا اس نے یہ بات خاص طور سے نوٹ کی کہ ایس پی صاحب کے ہمراہ آنے والے نے زنانہ جوتے پہن رکھے ہیں جس کا مطلب تھا کہ وہ کوئی عورت ہے......!!

اس سے زیادہ اندازہ وہ نہ لگا سکا۔

اسے اس بات کا بھی علم تھا کہ اگر یہ اطلاع اس سے آگے نکل گئی تو اس کا کیا حشر ہوگا۔ وہ بے چارہ یہ بات کسی سے کہہ نہیں سکتا تھا۔ کون تھا؟...... معمول کے مطابق اس کے دوسرے ساتھی نے دونوں کے دفتر پہنچنے کے فوراً بعد اس کے کان میں سرگوشی کی۔

''معلوم نہیں میں نے غور نہیں کیا''...... اس نے جواب دیا۔

''یار مجھے تو کچھ گڑبڑ دکھائی دے رہی ہے۔ دال میں کچھ کالا ہے'' پہلے نے اپنی رائے ظاہر کی۔

''پرکاش! بے وقوف نہ بنو۔ تم جانتے ہو اگر اس گفتگو کی بھنک بھی ایس پی صاحب کے کانوں میں پڑھے گی تو ہمارا کیا حشر ہوگا''۔

پہلے نے اپنے ساتھی پرکاش سے کہا۔

''ہاں یار ہمیں کیا، نرک (جہنم) میں جائے جو کوئی بھی ہے۔ ہمیں تو اپنے کام سے کام رکھنا ہے۔ گدھے کا ماس کتا کھائے''۔

پرکاش نے بھی صورت حال کی سنگینی کا احساس کر لیا تھا۔

دونوں خاموشی سے اپنی جگہ جم کر کھڑے ہو گئے۔

O

ایس پی بھلہ نے اپنے کمرے کی واحد کھڑکی کے سامنے پردہ تان لیا تھا اور اپنے پہرے دارو کو سختی سے ہدایت کر دی تھی کہ کسی کو اس ایریا میں بھی آنے کی اجازت نہ دیں۔

آج خلاف معمول اس نے اپنے کسی ماتحت کو چائے یا کافی کے لئے بھی نہیں کہا تھا ورنہ اس عادت تھی کہ وہ کم از کم چائے یا کافی ضرور منگوایا کرتا تھا۔

اپنے کمرے کو ڈبل لاک لگانے کے بعد جب ایس پی صاحب اپنی سیٹ پر بیٹھ گئے اور ان ہمراہی کو اطمینان ہو گیا کہ اب وہ یہاں مکمل محفوظ ہے تو اس نے اپنے جسم پر لپٹی چادر اتار کر کرسی رکھ دی۔

یہ پرتاب کور تھی......!!

بھارتی انٹیلی جنس ''را'' کا سب سے مضبوط ہتھیار۔

سکھوں کی طاقت کو اندر سے توڑنے کے لئے سب سے موثر ہتھیار......اور......سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ کے قریبی ساتھیوں میں ہر مہندر سنگھ سندھو کے بعد ''را'' کی سب سے مضبوط ایجنٹ

ایس پی بھلہ جو اپنی شراب نوشی اور زنا کاری کی وجہ سے سارے پولیس ڈیپارٹمنٹ میں بدنام تھا پرتاب کور کے سامنے سہمی ہوئی بلی کی طرح بیٹھا تھا......اور اس نے اپنے لاکر کا تالا کھولا اور تصویر ایک البم نکال کر پرتاب کور کے سامنے رکھ دیا۔

''کوئی سیوا ہو تو حکم کیجئے''......کہتے ہوئے وہ اس کے سامنے میز پر بیٹھ گیا۔

مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں، سوائے اس کے کہ میری یہاں آمد کی کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو چاہیئے''......پرتاب کور نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

البم میں لگی تصاویر کو وہ بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔ ایس پی بھلہ گردن لمبی کر کے اسی کی طرف متوجہ تھا کیونکہ دونوں کے درمیان میز حائل تھی۔ بالآخر پرتاب کور کی نظریں ایک تصویر پر جم کر گئیں......! تصویر کے خدوخال پر غور کرنے کے بعد اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور اپنا سر کرسی پشت سے ٹکا لیا۔ یوں دکھائی دے رہا تھا وہ چشم تصور میں کسی کا چہرہ لا رہی تھی......!

چند سیکنڈ تک تصویر پر نظریں جمانے کے بعد اس نے دوبارہ وہی انداز اختیار کیا پھر بڑے اعت سے اس نے اپنے ہاتھ کی انگلی تصویر پر جما دی......

''یہی ہے''......اس نے کہا......

''ہوں......ایس پی بھلہ کے منہ سے بھی ہوں نکلی اور اس نے فوراً ہی ٹیلی فون پر کوئی نمبر ملانا شروع کر دیا۔

شاید دوسری طرف اسے کسی کے فون اٹھانے کا انتظار تھا۔

دو تین منٹ تک گھنٹی بجتی رہی پھر کسی نے فون اٹھا لیا تھا......!

''سر! زحمت کی معافی چاہتا ہوں لیکن مجھے اس وقت کشمیرا سنگھ سے متعلق رپورٹ چاہیئے''......

شاید دوسری طرف کوئی سینئر آفیسر تھا۔ لیکن......! خصوصی اختیارات رکھنے کے سبب ایس پی بھلہ کو ان آفیسروں کو کبھی پرواہ نہیں رہی تھی اور بڑے بڑے آفیسر بھی جانتے تھے کہ اگر کسی نے اس کے حکم کی سرتابی کی......یا اس پر اپنی افسری کا رعب جتانے کی کوشش کی تو اس کا انجام بھی اچھا نہیں ہو گا۔ دوسری طرف فون اٹنڈ کرنے والے نے شاید کچھ دیر انتظار کرنے کے لئے کہا تھا اس دوران وہ اپنے کسی اپنی ہی طرح خواب خرگوش کے مزے لینے والے ماتحت سے کشمیرا سنگھ کی رپورٹ مانگ رہا تھا تا کہ ایس پی بھلہ کے حکم کی فوری تعمیل کی جا سکے۔ پرتاب کور اور بھلہ باتوں میں مصروف ہو گئے۔ اس دوران پرتاب کور نے اسے دربار صاحب میں تازہ اسلحے کی آمد کی خبر سے مطلع کیا تھا۔ جس پر ایس پی بھلہ صرف مسکرا کر رہ گیا۔

پرتاب کور کو اس بات کی سمجھ ہی نہ آ سکی کہ ''را'' کی مدد سے بھارتی وزیراعظم مسز اندرا گاندھی نے جو خفیہ ایجنسی ''تھرڈ ایجنسی'' کے نام سے بے تحاشہ اختیارات سونپ کر قائم کر دی تھی۔ یہ اسی ''تھرڈ ایجنسی'' کا کارنامہ تھا......!

تھرڈ ایجنسی نے مسز اندرا گاندھی کے حکم پر اپنا خونی جال دربار صاحب پر پھیلانا شروع کر دیا تھا۔ یہ لوگ الگ سے گھناؤنا کھیل کھیل رہے تھے......! بھارتی سیاست کی کال دیوی اپنے لہو کی پیاس بجھانے جا رہی ! مسز اندرا گاندھی نے بہر صورت الیکشن جیتنا تھا......اور......اس الیکشن میں کامیاب تب ہی ممکن تھی جب وہ ہندو ووٹرز کو اشتعال دلا سکے۔ اس کے لئے سکھوں کا قتل عام ناگزیر تھا......! اس نے دربار صاحب پر حملہ کر کے دہرے مقاصد حاصل کرنے کا گھناؤنا منصوبہ اپنے قریب ترین اور ذہین ترین ساتھی ''را'' کے سابق ڈائریکٹر ''راؤ'' کی مدد سے تیار کر لیا تھا اور اب اس پر عمل کرنے جا رہی تھی۔ پرتاب کور نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں۔

ایس پی بھلہ کی مسکراہٹ نے اسے باور کروا دیا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ وہ جان گئی کہ یہ بھی اسی طرح کی کوئی سازش ہو گی جس کا ایک مہرہ وہ خود بھی ہے۔

اسے سمجھ آ گئی کہ یہ اسلحہ بھی بھارتی انٹیلی جنس ہی دربار صاحب کے اندر پہنچا رہی ہے تا کہ یہاں موجود سکھوں کو پاکستان کے ایجنٹ قرار دے کران کے خلاف مسلح کارروائی کا جواز تلاش کیا جا سکے۔

اسے اپنی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ اپنی ''حدود'' کا بھی علم تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کے جائز اور ناجائز احکامات کی تعمیل پنجاب کے ہر محکمے کے افسران صرف لئے کر رہے تھے کہ وہ اس وقت بے شمار اختیارات کی مالک ہے۔ لیکن......! اس کے اختیارات کی بھی ایک حد تھی......! اسے بتایا گیا تھا کہ انٹیلی جنس کے دیگر معاملات میں اسے دلچسپی لینے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ اور یہ بھی کوئی ایسا ہی معاملہ تھا......! اپنی تجسس پسند طبیعت کے باوجود اس نے اگلی بات بھی پوچھنی مناسب نہ سمجھی اور خاموشی سے البم میں لگی تصویروں کا جائزہ لیتی رہی۔

ایس پی بھلہ کے فون کی گھنٹی قریباً پندرہ بیس منٹ کے انتظار کے بعد بجی تھی۔

دوسری طرف لائن پر وہی اعلیٰ آفیسر تھا جسے اس نے کچھ دیر پہلے نیند سے اٹھا کر اس سے معلومات طلب کی تھیں۔

''کشمیرا سنگھ قریباً ایک مہینے سے اپنے گھر سے غائب ہے۔ ابھی تک اس کی واپسی کی کوئی اطلاع نہیں مل سکی...... اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ یا تو پولیس کے خوف سے فرار ہو گیا ہے یا پھر سرحد پار ٹریننگ لینے گیا ہے''......

دوسری طرف سے اسے مطلع کیا گیا۔

''سر! دوسری بات زیادہ صحیح دکھائی دیتی ہے۔ آپ کے حکم سے کارروائی کی اجازت ہو تو......''

''کیسی باتیں کر رہے ہیں بھلہ صاحب ''موسٹ ویل کم''۔ آپ جس طرح مناسب سمجھتے ہیں کریں ہمیں تو مطلوبہ نتائج سے غرض ہے اور پھر آپ سے زیادہ ہمارے لئے قابل اعتماد اور قابل عزت کون ہو سکتا ہے''؟

دوسری طرف سے بات کرنے والے اعلیٰ آفیسر کا لہجہ چمچہ گیری کی چغلی کھا رہا تھا۔ شاید اس بے چارے کو بھی اس بات کا علم تھا کہ بھلہ اس کے بھی اعلیٰ افسروں کا چھوڑا ہوا کتا ہے...... جس سے انہیں بہر صورت تعاون کرنا ہے اور اس کی طرف سے اعلیٰ افسر کی تعریف میں کہا جانے والا کوئی بھی

فقرہ بالکل وہی اثر دکھا سکتا ہے جو کہ اس کے خلاف کہے جانے والا فقرہ۔

''شکریہ جناب میں آپ کا خادم ہوں''......

ایس پی بھلہ نے بہر حال پروٹوکول کو ملحوظ خاطر رکھا تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ خوامخواہ اعلیٰ افسران کو اپنا دشمن بنا لے۔

''میں اپنے آدمیوں کو ہدایات جاری کر رہا ہوں کہ وہ اس معاملے سے الگ ہو جائیں۔'' اسی اعلیٰ آفیسر نے کہا......

''دھنواد! ہم کل صبح ہی ایکشن کریں گے۔ مجھے اس کے ٹھکانے کا علم ہو گیا ہے۔'' ایس پی بھلہ نے احترام کے ساتھ فون بند کر دیا۔

''کل نہیں...... ابھی دو دن ٹھہر جاؤ۔ کل ہی اس شخص کی ملاقات مجھ سے ہونی ہے اس لئے دو تین دن مہلت ملنا ضروری ہے۔ اس دوران آپ اس پر کڑی نظر ضرور رکھیں۔ ویسے آپ کو مطمئن رہنا چاہیے۔ جو ایک مرتبہ پرتاب کور کے شکنجے میں پھنس گیا...... پھنس گیا۔ بچ کر نہیں جا سکتا......''

ایس پی بھلہ کے فون رکھتے ہی پرتاب کور نے کہا۔

اس کی بات کرنے کا انداز بھی حکم دینے جیسا تھا لیکن کیا مجال جو بھلہ نے ایک لمحے کے لئے بھی اس کی بات کا برا منایا ہو۔

بھلہ جانتا کہ اس کی موجودہ شان و شوکت کا انحصار بھی پرتاب کور پر ہی تھا۔ یہ پرتاب کور تھی جس کی فراہم کردہ اطلاعات پر اس نے طوفان اٹھا رکھا تھا اور خالصتان نواز حریت پسندوں کے لئے دہشت کا نشان بن چکا تھا۔

''جیسا آپ کا حکم بی بی جی!'' بھلہ نے سر تسلیم خم کیا...... کوئی مزید خدمت ہو تو بندہ حاضر ہے۔''

''فی الحال نہیں...... اور ہاں۔ آج کے بعد تمہارا کوئی بندہ مجھ سے رابطہ نہیں کرے گا۔ میں خود ضرورت پڑنے پر رابطہ کیا کروں گی...... یہ امریک سنگھ۔ بہت چالاک لڑکا ہے...... میں نہیں چاہتی کہ اس کے دماغ میں میرے متعلق کوئی بھی غلط خیال جگہ پائے۔ عین ممکن ہے وہ بھی میری نگرانی کروا رہا ہو...... یہ لوگ سرحد پار سے تربیت حاصل کر کے آتے ہیں اور تم جانتے ہو کہ وہ انہیں خاصا ہوشیار کر کے بھیجتے ہوں گے۔''

''آپ کے حکم کے مطابق کام ہو گا بی بی جی۔ مطمئن رہیئے گا'' ایس پی بھلہ نے پھر سر تسلیم خم

کیا۔

دونوں کچھ دیر باتیں کرتے رہے پھر جس طرح پرتاب کور اندر آئی تھی اس طرح اس نے دوبارہ اپنے جسم کو چادر میں لپیٹا اور ایس پی کے تعاقب میں بڑے اعتماد سے قدم اٹھاتی چل دی۔ جس طرح ایس پی بھلہ اسے اپنے ساتھ لے کر آیا تھا اسی طرح اپنے ساتھ لے کر واپس چلا گیا۔ بجلی گھر تفتیشی مرکز سے کچھ فاصلے پر وہ رک گیا۔

یہاں سڑک کے ایک کونے میں پہلے سے چھپی سیاہ رنگ کے شیشوں والی کار نے جیسے ہی ایس پی بھلہ کی جیپ کو اس طرح آتے دیکھا وہ جیپ کے بالکل ساتھ کھڑی ہوگئی...... پرتاب کور نے ایس پی بھلہ سے گرمجوشی سے مصافحہ کیا اور چپ چاپ اسی کار میں اتر کر سوار ہوگئی۔

سڑکوں پر سوائے پولیس کی گشتی پارٹیوں کے اور کوئی ذی نفس کم ہی دکھائی دیتا تھا۔ یوں بھی شام ڈھلتے ہی یہاں ایک طرح سے کرفیو کا سماں بندھ جاتا تھا اور لوگ پولیس یا پھر خالصتان نواز عناصر کے خوف سے کم ہی باہر نکلتے تھے۔ پرتاب کور کو اپنی کوٹھی سے کچھ فاصلے پر ہی کار سے اتر گئی...... درختوں کے جھنڈ سے ایک سایہ نکل کر تیزی سے اس کی طرف بڑھا یہ انٹیلی جنس کے بہت سے ایجنٹوں میں سے ایک تھا۔ ان لوگوں کو بطور خاص یہاں صرف اس لئے متعین کیا گیا تھا کہ وہ اس بات کا خیال رکھیں کہیں امریک سنگھ کے ساتھی پرتاب کور کی نگرانی تو نہیں کر رہے؟

اس سائے کی طرف سے ''سب اچھا'' کی اطلاع ملنے پر پرتاب کور نے سکھ کا لمبا سانس لیا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتی اپنی کوٹھی کے بغلی دروازے سے اندر داخل ہوگئی۔

اس کی آمد اور واپسی کا سوائے اس کے اور بھارتی انٹیلی جنس کے اور کسی کو علم نہیں ہو سکا تھا۔

لالہ جگت نرائن نے حسب عادت ایس پی کی بات سنی اور قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

''اگر آپ کا مقصد مجھے ہوشیار کرنا ہے تو شکریہ...... لیکن مجھے لگتا ہے کہ آپ مجھے ہوشیار کرنے نہیں بلکہ خوفزدہ کرنے کے لئے تشریف لائے ہیں''......

''لالہ جی! مجھے امید ہے آپ میری بات کو سیریس لیں گے۔ یہ اطلاع ہمارے بہت خاص ذرائع نے دی ہے اور غلط نہیں ہو سکتی۔''

ایس پی بھلہ نے لالہ جی کے قہقہے کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔

''ایس پی صاحب! آپ بالکل بے فکر ہو جائیں یہ سر پھرے سکھ جن کے ہر وقت 12 بجے رہتے ہیں

مجھے کیا ماریں گے ان کی تو عقل ہی ماری گئی ہے...... جو کچھ میں ان کے گورو گھنٹال کے خلاف لکھ رہا ہوں اسے پڑھنے کے بعد ان کی عقل ٹھکانے پر رہ ہی نہیں سکتی''......

لالہ جگت نرائن کے لہجے میں نفرت بھی طنز کے ساتھ سمٹ آئی تھی۔

لالہ جی تین اخبارات کے مالک تھے۔ کانگریس کے پرانے جانثار اور حکومت کے نمک خوار لالہ جگت نرائن نے سنت بھنڈرانوالہ کی کردار کشی کو اپنی صحافت کا مشن قرار دے رکھا تھا۔ آئے روز وہ بھنڈرانوالہ کے خلاف کوئی نہ کوئی اشتعال انگیز خبر لگا دیتا تھا۔ اس کام پر جہاں اسے سنت جی کے مخالفین کی آشیرواد ملتی تھی وہاں سرکاری دربار میں بھی اس کی عزت کو چار چاند لگ رہے تھے......! اخبار کی آمدن میں بڑی تیزی سے اضافہ ہونے لگا تھا...... اس کا سبب اخبار کی اشاعت میں زیادتی نہیں بلکہ سرکار کی طرف سے اشتہارات میں اضافہ تھا۔ خصوصاً مرکزی حکومت کی مکمل حمایت اسے حاصل تھی۔

بہت کم لوگوں کو اس بات کا علم تھا کہ لالہ جگت نرائن کو انٹیلی جنس اور پولیس کے اعلیٰ افسران کی اشیرواد بھی حاصل تھی اور مرکزی حکومت کی جتنی بھی ایجنسیاں یہاں پنجاب میں موجود تھیں ان سب کو سختی سے لالہ جی کی حفاظت کی ہدایت کی گئی تھی...... ایس پی بھلہ چونکہ یہاں پولیس کا انچارج تھا اور اسے آج خاص طور سے آئی جی نے ہدایت کی تھی کہ وہ لالہ جی کو پیغام دے کہ وہ اپنا پٹیالے کا پروگرام منسوخ کر دیں۔

لالہ جگت نرائن نے اگلے ہی روز پٹیالہ جانے کا پروگرام بنایا تھا......!! وہ پٹیالہ کا دورہ ایک خاص مقصد کے تحت کر رہا تھا۔ یہاں کے کانگریس نواز سکھ حلقے جو اسے بہت بڑا لیڈر سمجھتے تھے۔ دراصل وہ سکھ تھے جو اچانک سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ کی مقبولیت سے گھبرا گئے تھے......!!

ان لوگوں کا تعلق کانگریس کے یوتھ ونگ سے تھا اور وہ ایک کیمپ لگا رہے تھے۔ جس کا افتتاح لالہ جگت نرائن نے کرنا تھا۔

ایس پی بھلہ کافی دیر تک لالہ جگت نرائن سے مغز ماری کرتا رہا۔ لیکن...... لالہ جی ضرورت سے زیادہ پراعتماد تھے۔ وہ کسی خطرے کو خاطر میں لانے کے لئے تیار ہی نہیں ہو رہے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ ایک دہشت گرد ہے جس کے ساتھ اس کے مٹھی بھر مسلح ساتھی ہیں جو تعداد میں آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں صرف اپنی غنڈہ گردی کے بل پر وہ لوگوں کو خوفزدہ کر کے اپنا الو

سیدھا کر رہے ہیں۔ وہ سرکاری حلقوں اور اپنے اخبارات میں بھی سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ کا ہی روپ دکھایا کرتے تھے۔

نرنکاری بابا ان کا ذاتی دوست تھا اور اس کی موت کا ذمہ دار لالہ جی کے نزدیک سوائے بھنڈرانوالہ کے اور کوئی نہیں تھا۔ لالہ جی کو آج کل لیڈری کا یوں بھی کچھ زیادہ ہی شوق چرایا تھا۔ وہ سوچتے تھے کہ اگر سردار دربارہ سنگھ پنجاب کا چیف منسٹر بن سکتا ہے تو وہ کیوں نہیں بن سکتا......!

ان دنوں پنجاب اور مرکز دونوں کے لئے ایک ہی خطرہ تھا۔ سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ......!!

اور لالہ جی اپنی دانست میں سنت جرنیل سنگھ کی طاقت کو پارہ پارہ کرنے چلے تھے۔ انہوں نے نرنکاری گورو کے قتل پر جس طرح سنت جی کے خلاف طوفان اٹھایا تھا اس کے بعد ہی حکومت نے سنت جرنیل سنگھ پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت کی تھی۔

لالہ جگت نرائن کا قتل

9 ستمبر 1981ء کی سہ پہر......

لالہ جگت نرائن نے آج پٹیالہ میں کانگریس آئی کے یوتھ ونگ کی طرف سے لگائے گئے آئی کیمپ میں بڑی دھواں دھار تقریر کی تھی۔ اس تقریر میں لالہ جگت نرائن نے کھل کر پہلی مرتبہ بھنڈرانوالہ کو دہشت گرد، غیر ملکی طاقتوں کا آلہ کار، پاکستان کا ایجنٹ خونی اور لٹیرا قرار دیا اور کہا بھنڈرانوالہ پاکستان کے اشارے پر پنجاب کا امن تہہ وبالا کرنے پر تلا ہوا ہے......! اس جلسے میں لالہ جگت نرائن نے پنجابی اخبارات خصوصاً ''اجیت'' اور اکالی پتریکا'' کو دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ اگر انہوں نے بھنڈرانوالہ کی حمایت نہ چھوڑی تو پنجاب کے غیور عوام ان اخبارات کے دفاتر کو جلا کر راکھ کر دیں گے۔ یہ دھواں دھار اور جذباتی تقریر تھی۔ لالہ جی کو خاصی داد ملی۔ وہ اپنے باڈی گارڈ اور ڈرائیور کے ساتھ ایک پولیس جیپ کے ہمراہ پٹیالہ سے اپنے ٹھکانے جالندھر کو روانہ ہو گئے۔ ابھی وہ لدھیانے کے نزدیک ہی پہنچے تھے جہاں سے پولیس گارڈ تبدیل ہونی تھی اور اس جیپ کی جگہ دوسری جیپ نے لینی تھی۔ شام کا اندھیرا لدھیانہ کی اس نواحی بستی کو آہستہ آہستہ اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا۔ لالہ جی اپنی ترنگ میں ڈرائیور کو جلد از جلد جالندھر پہنچنے کی تلقین کر رہے تھے۔

ان کی خواہش تھی کہ وہ اخبار کی فائنل کاپی میں اپنے سامنے اپنی تقریر کی خبر لگوائیں اور وہ تصاویر بھی شائع کریں جو ان مقامی فوٹو گرافرز نے ہاتھوں ہاتھ تیار کر کے انہیں تھما دی تھیں۔ لالہ جی سمجھتے تھے کہ صبح ان کی اسی تقریر کی ان کے اخبارات میں اشاعت کے بعد بھنڈرانوالہ اور ان کے ساتھ منہ چھپاتے پھیریں گے۔

لالہ جی کو مرنے کی اتنی جلدی تھی کہ انہوں نے چند منٹ وہاں رک کر مقامی پولیس کی آمد کا انتظار

کرنا بھی مناسب نہ جانا جس نے انہیں اپنی حفاظت میں لے کر لدھیانہ سے جالندھر تک پہنچانا تھا۔
وہ اپنے ڈرائیور کو کار چلاتے رہنے کی تلقین کرتے ہوئے وہاں سے چل دیئے۔ یہ راستہ جس کے دونوں اطراف کھیتوں کا وسیع سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ لالہ جگت نرائن کے لئے کوئی نیا راستہ نہیں تھا۔ وہ یہاں سے سینکڑوں مرتبہ گزر چکے تھے اور گزشتہ تین چار ماہ میں تو درجنوں مرتبہ انہوں نے اس راستے پر سفر کیا تھا۔ اس لئے بڑے اطمنان سے کار کی اگلی سیٹ پر ڈرائیور کے ساتھ بیٹھے اپنی فتح کے نشے میں سرشار جھومتے ہوئے جالندھر کی طرف گامزن تھے۔ اس راستے پر چلتے ہوئے لالہ جی کو ابھی بمشکل دس پندرہ منٹ ہی گزرے تھے جب اچانک گولیوں کی آواز سنائی دی اور کار کے دونوں اگلے ٹائر برسٹ ہو گئے۔

لالہ جی کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

ڈرائیور نے کمال ہوشیاری سے گاڑی کو بریک لگا کر قابو کیا۔ جیسے ہی کار رکی۔ اچانک ہی تین مسلح سکھ جنہوں نے کاربین اور رائفل تھام رکھی تھیں ان کے سر پر آن پہنچے......!!

حواس باختہ لالہ جگت نرائن کو انہوں نے دروازہ کھول کر نیچے کھینچ لیا اور ان کے سر میں یکے بعد دیگر پانچ گولیاں اتار دیں۔ اس بات کا اطمینان کرنے کے لئے کہ لالہ جگت نرائن مر چکا ہے یا نہیں۔ انہوں نے قریباً دو منٹ تک وہاں رک کر لالہ جی کے ہلنے جلنے کا انتظار کیا جب انہیں یقین ہو گیا کہ اب لالہ جی کو کسی ''فرسٹ ایڈ'' کی بھی ضرورت نہیں تو کھیتوں کے وسیع سلسلے میں غائب ہو گئے۔ لالہ جی کا باڈی گارڈ بھی ان کی ضد کی بھینٹ چڑھ گیا تھا......!! حملہ آور جاتے ہوئے اس کی رائفل بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ زخمی اور خوفزدہ ڈرائیور کو شاید وہ ٹوٹنے والی قیامت کی تفصیل پولیس کو سنانے کے لئے زندہ چھوڑ گئے تھے۔

لالہ جی کی موت کے قریباً پانچ منٹ بعد پولیس کی گشتی پارٹی وہاں پہنچ گئی۔ پولیس کے شیر دل جوانوں نے تینوں قاتلوں کو کھیتوں کے اس سلسلے میں تلاش کرنے پر لالہ جی کی لاش کی حفاظت پر ترجیح دی......!! جب ان کے واویلا کرنے پر لدھیانہ سے سی آر پی اور بارڈر سیکیورٹی فورس کے دستے بھی ان کی مدد کو پہنچ گئے تو ان سینکڑوں پیراملٹری فورسز کے جوانوں نے مل کر انہیں تلاش کرنا شروع کیا۔ لیکن......! اب اس واردات کو آدھا گھنٹہ گزر چکا تھا اور وہاں کچھ بھی باقی نہیں بچا تھا۔ قریباً اد تین گھنٹے نزدیک دور کے دیہاتوں اور نواحی بستیوں میں خوف و ہراس پھیلانے کے بعد وہ لوگ

کام ونامراد واپس لوٹ آئے۔

لالہ جگت نرائن کے قتل کی خبر جنگل کی آگ کی طرح چاروں اطراف میں پھیل گئی تھی فوری طور پر سلح ہندوؤں کے دستے حرکت میں آ گئے۔

ان کا تعلق ہندوؤں کی انتہا پسند مسلح اور حکومتی پشت پناہی کی حامل تنظیموں سے تھا اور لالہ جگت ائن کے قتل کی خبر نے ان میں غم و غصہ کی لہر دوڑا دی تھی۔ قریباً سوا چھ بجے شام لالہ جگت نرائن کو قتل یا گیا تھا......!

آٹھ بجے رات تک ہندو بلوائیوں کا مسلح جلوس جالندھر میں روزنامہ ''اکالی پتریکا'' کے دفتر کے سامنے پہنچ گیا جس نے اخبار کے دفتر کے باہر توڑ پھوڑ شروع کر دی۔

اخبار کے کارکنوں کی خوش قسمتی کہ کسی طرح انہوں نے سکھ سٹوڈنٹس فیڈریشن کے مقامی دفتر کو ندوؤں کے اس مسلح حملے کی خبر پہنچا دی......!

یہ اطلاع ہی ان کی زندگی کی ضمانت بن گئی کیونکہ نزدیک دور انہیں کوئی پولیس والا دکھائی نہیں ے رہا تھا۔

ایک سازش کے تحت پولیس کو یہاں سے ہٹا لیا گیا تھا۔ حالانکہ لالہ جی کے قتل کی خبر جیسے ہی مقامی نامہ نگار نے اخبار کے دفتر میں پہنچائی۔ اکالی پتریکا کے ایڈیٹر نے فوراً پولیس کو فون کر کے دفتر کی حفاظت کے لئے پولیس گارڈ بھیجنے کی درخواست کی تھی۔ پولیس تو ان کی مدد کو کیا آتی انہیں کسی نے جھوٹی تسلی دینے کی ہمت بھی نہیں کی تھی۔ فیڈریشن کے جس دفتر میں یہ اطلاع پہنچی تھی انہوں نے فوراً نزدیکی دفاتر کو خبردار کر دیا شہر کے مختلف حصوں سے سکھ نوجوان ''اکالی پتریکا'' اور ''اجیت'' کے دفاتر کی طرف بھاگے۔ دونوں اخبارات کی خوش قسمتی تھی کہ یہ لوگ بروقت ان کی مدد کو آ گئے۔ ان میں ے کچھ نوجوانوں کے پاس معمولی اسلحہ بھی موجود تھا......!! اس دوران ''اکالی پتریکا'' پر آر ایس ایس ُطرف سے پٹرول کا چھڑکاؤ شروع ہو چکا تھا اور اب وہ لوگ اسے آگ دکھانے کی تیاری کر رہے تھے۔ لیکن......! بروقت سکھ نوجوانوں نے موقعہ واردات پر پہنچ کر ان کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ مدد کرنے والے تعداد میں حملہ آوروں سے ایک چوتھائی کے برابر بھی نہیں تھے یہ سب ھنڈرانوالہ کے پیروکار تھے جس نے انہیں موت سے محبت کا سبق سکھایا تھا اور انہوں نے بھی خوب خوب پھر حق ادا کیا......!

ہاکیوں، لاٹھیوں، کرپانوں اور چند پستولوں کے ساتھ انہوں نے جدید اسلحہ سے لیس آر ایس ایس کے تربیت یافتہ گوریلوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور پندرہ بیس منٹ میں ہی انہیں دم دبا کر بھاگ جانے پر مجبور کر دیا......! بڑا خطرہ ٹل گیا تھا......! پنجابی اخبارات کے دفاتر جلنے سے بچ گئے تھے۔ لیکن......ایک نیا طوفان......کروٹ لے رہا تھا۔

9 ستمبر کی صبح معمول کے مطابق سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ نے دربار صاحب میں اپنی مذہبی تعلیمات کے مطابق رسوم کی ادائیگی کی اور پہلے طے شدہ پروگرام کے مطابق اپنے جتھے کے ساتھ سکھ دھرم کے پرچار کے لئے ہریانہ کی طرف چل دیے۔

ان کے ساتھ جتھے کے ڈیڑھ دو سو سکھ تھے جو دو بڑی بسوں میں سوار ہو کر جا رہے تھے۔ ان لوگوں کی منزل ہریانہ کا سرحدی علاقہ ''چندو کلاں'' نامی دیہات تھا جہاں کی قریباً ساری آبادی سکھ تھی اور یہ لوگ سنت جی کو ایک عرصے سے پرچار کے لئے اپنے ہاں آنے کی دعوت دے رہے تھے۔

سنت جرنیل سنگھ نے اس مرتبہ ایک سال تک مسلسل تبلیغ کا پروگرام بنایا اور تیاری بھی اسی حساب سے کی تھی۔

9 ستمبر کی صبح یہ جتھہ ''ست سری اکال'' کے جے کارے بلند کرتا رہا اور اس کے بعد اپنی منزل کی طرف چل دیا۔

10 ستمبر کی صبح پنجاب کے چیف منسٹر دربار سنگھ نے انتظامی صورتحال کا جائزہ لینے کے لئے ہنگامی اجلاس طلب کر لیا کیونکہ لالہ جگت نرائن کی موت سے پنجاب کی فضا خاصی مسموم ہو گئی تھی اور 9 ستمبر کی رات کو جالندھر میں سکھوں اور ہندوؤں کے درمیان فساد بھی ہو چکا تھا۔

اس میٹنگ میں تمام ذمہ دار لوگ موجود تھے......!!

میٹنگ صبح سے شام تک جاری رہی۔ دوران میٹنگ سردار دربار سنگھ بار بار مرکزی حکومت کو اپنے ہاں ہونے والی کارروائی سے آگاہ کر کے مزید ہدایات لیتا رہا۔

سہ پہر جب میٹنگ اختتام پر پہنچی تو یہاں ایک منصوبہ طے پا گیا تھا!!

اس منصوبے کے مطابق پولیس نے ہریانہ کے سرحدی علاقے ''چندو کلاں'' میں جہاں سنت جرنیل سنگھ اپنے جتھے کے ساتھ موجود تھا حملہ کر کے انہیں جان سے مار دینے کا منصوبہ بنا لیا تھا......!

10 ستمبر کی شام کو پولیس کی طرف سے اخبارات کو جو بیان جاری کیا گیا اس میں لالہ جگت نرائن

قتل کی ذمہ داری براہ راست سنت جرنیل سنگھ پر ڈال دی گئی اور کہا گیا کہ ان کے حکم پر تین سکھ جوانوں نے جن میں دو ان کے قریبی رشتہ دار ہیں لالہ جگت نرائن کو قتل کیا ہے......! پولیس ذرائع ے بتایا کہ 27 جولائی کو دربار صاحب میں تقریر کرتے ہوئے بھنڈرانوالے نے لالہ جگت نرائن کو لی دیتے ہوئے کہا تھا کہ اگر وہ سکھوں کے خلاف ہرزہ سرائی سے باز نہ آیا تو اسے ''گاڑی چڑھا جائے گا۔ (''گاڑی چڑھانا'' سنت جی کی مخصوص اصطلاح تھی جو وہ استعمال کیا کرتے تھے)۔ یس نے الزام لگاتے ہوئے کہا تھا کہ اس سے پہلے سنت جرنیل سنگھ نے ملیر کوٹلہ اور لدھیانے میں ی لالہ جگت نرائن کو قتل کروانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن......یہ لالہ جگت نرائن کی خوش قسمتی تھی کہ وقت ے معمولی سے فرق نے دونوں مرتبہ اس کی جان بچالی۔

پولیس کی طرف سے اس طرح کھل کر کسی بھی معاملے میں پہلی مرتبہ سنت بھنڈرانوالہ کا نام لیا گیا ا۔ جس کا مطلب تھا کہ حکومت نے اب اس مصیبت سے مکمل چھٹکارہ حاصل کرنے کا مصمم ارادہ کر یا ہے۔

10 ستمبر 1981ء کی رات......!!

سنت جرنیل سنگھ اپنے معمول کی عبادات سے فارغ ہو کر گوردوارے میں اپنے لئے مخصوص کمرے میں پہنچے ہی تھے کہ ان کے حفاظتی دستے کے خاص رکن نے ون سنگھ کی آمد کی خبر دی۔

ون سنگھ پولیس ملازم تھا!

اس کی وائرلیس ڈیوٹی تھی اور پولیس ہیڈ کوارٹر لدھیانہ میں تعینات تھا۔ ون سنگھ کا شمار سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالے کے ان جانثار ساتھیوں میں ہوتا تھا جو گو کہ پولیس ملازم تھے لیکن پولیس کی ملازمت میں رہ کر سنت جی کی زندگی کی حفاظت کر رہے تھے۔

ون سنگھ شام کو چلنے والی تیز رفتار ٹرین کے ذریعے یہاں پہنچا تھا۔ اس نے بتایا کہ اس کی روانگی چونکہ خفیہ ہے اور اسے بہرصورت صبح اپنی ڈیوٹی پر پہنچنا ہے اس لئے فوراً اس کی سنت جی سے ملاقات کا بندوبست کر دیا جائے۔ سنت جی کے ساتھ ان کے تین انتہائی قریبی ساتھی موجود تھے......!

ون سنگھ نے ''فتح'' بلانے کے بعد انہیں بتایا کہ لدھیانہ کے پولیس، ہیڈ کوارٹر میں وائرلیس پر پیغام پہنچا ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو آج صبح ہونے تک سنت جی کے اس قافلے پر حملہ کر کے انہیں اور ان کے دس قریبی ساتھیوں کو قتل کر دیا جائے۔ پولیس کو علم تھا کہ سنت جرنیل سنگھ کے ساتھیوں کے

پاس اسلحہ موجود ہے لیکن اتنا زیادہ نہیں کہ وہ جم کر پولیس کا مقابلہ کر سکیں اور ہریانہ حکومت کو بھی ان کی زندگی یا موت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی......!

وسن سنگھ نے بتایا کہ پولیس کا پلان یہ ہے کہ وہ لوگ گھات لگا کر شب خون ماریں گے جس کا مطلب یہی ہے کہ مجبوراً سنت جرنیل سنگھ کے ساتھیوں کو مقابلہ کرنا پڑے گا اور اس مقابلے کو بہانہ بنا کر پولیس اپنا کام کر گزرے گی......!

سنت جی نے فوری طور پر اس کا شکریہ ادا کر کے اسے واپس لدھیانے پہنچنے کی تلقین کی اور اپنے جتھے والوں سے خفیہ صلح مشورہ کرنے لگے۔

سنت جرنیل سنگھ کے ساتھی جانتے تھے کہ یہ شخص زندگی یا موت کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ لیکن...... اس طرح بے بس سے پولیس کے ہاتھوں مارے جانا بھی کوئی ٹھیک نہیں سمجھتا تھا۔ بحث مباحثہ جاری رہا...... ایک ایک پل قیمتی تھا......! لدھیانہ سے پولیس کے دستے اس طرف چل پڑے تھے......

بالآخر جتھیداروں نے متفقہ فیصلہ دے دیا کہ سنت جرنیل سنگھ کا جتھہ یہاں قیام کرے گا وہ خود پانچ جانثاروں کو اپنے ہمراہ لے کر پنجاب کی طرف کوچ کر جائیں اور جس طرح بھی ممکن ہو امرتسر چوک مہتہ پہنچنے کی کوشش کریں۔

''چندوکلاں'' سے سنت جرنیل سنگھ کی منزل گوردوارہ گوروروشن پرکاش چوک مہتہ کا فاصلہ 50 کلومیٹر تھا......!!

اس بات کا علم انٹیلی جنس کو تھا کہ پولیس میں سنت جی کے جاسوس اپنی پل پل کی خبریں پہنچا ہیں۔

پنجاب کی پولیس زیادہ تر سکھوں پر مشتمل تھی اور مسز اندرا گاندھی زبانی تو بہت کچھ کہتی تھیں لیکن سب جانتے تھے کہ وہ سکھوں پر کسی بھی طرح اعتبار کرنے کو تیار نہیں تھیں۔ سنت جرنیل سنگھ کے فرار کے مفروضے کو پولیس نے نظر انداز نہیں کیا تھا...... ''چندوکلاں'' سے پنجاب کی طرف جانے والے راستوں پر پولیس نے سفید پوش ملازمین کا جال بچھا دیا تھا...... تمام سڑکوں پر راتوں رات پولیس اور پیراملٹری فورس کے دستوں نے گشت شروع کر دیا تھا......

نزدیک دور سے تمام کچے پکے راستوں پر انٹیلی جنس ایجنسیوں کے ہزاروں کارندے روپوش تھے۔

رات کے تین بجے تھے جب چندوکلاں کے دیہاتی اچانک ہونے والی فائرنگ کی آواز سن کر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے......!

گولیاں ہوا میں دہشت پھیلانے کے لئے چلائی جا رہی تھیں انہیں سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ مسئلہ کیا ہے۔

اس بات کا احساس سب کو ہو گیا تھا کہ چندوکلاں کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا ہے...... پولیس کی جیپوں اور ٹرکوں پر نصب سرچ لائٹوں کی تیز روشنیوں نے رات کو دن میں تبدیل کر دیا تھا۔ یہ شب خون اتنا منظم تھا کہ ہوا کو بھی چندوکلاں سے باہر نکلنے کا موقعہ نصیب نہ ہوتا......! پولیس اور پیراملٹری فورس کے جوان حالات جنگ میں کہنیاں زمین پر ٹکا کر کندھوں سے رائفلیں جمائے اور ٹریگروں پر انگلیاں رکھے اگلے حکم کے منتظر تھے۔

پولیس نے اپنی دانست میں بہت مستعدی دکھائی تھی اور اس وقت چھاپہ مارا تھا جب کسی کے یہاں سے جانے کا گمان بھی نہیں گزر سکتا تھا...... لیکن......! یہ پنجاب پولیس کی بدقسمتی تھی کہ اس کیمپ میں اب ان کا ''بڑا شکار'' موجود نہیں تھا۔ وہ ان کے ہاتھوں سے نکل چکا تھا۔ آدھ گھنٹہ تک پولیس نے دہشت پھیلانے کے لئے ہوائی فائرنگ کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس دوران بھنڈرانوالہ جتھے کے لوگ جنہیں اس صورتحال سے نمٹنے کے لئے پہلے سے ہدایات جاری ہو چکی تھیں خود کو گوردوارہ میں محصور کر چکے تھے۔ انہوں نے پولیس کی ہوائی فائرنگ سے مشتعل ہونے کے بجائے صبر سے ''دیکھو اور انتظار کرو'' کی پالیسی اپنائی تھی اور اس وقت گوردوارے میں بیٹھے ''پاٹھ'' کر رہے تھے۔ پولیس کو امید تھی کہ جس طرح وہ اشتعال دلانے والی کارروائیاں کر رہی ہے اس کا ضرور کوئی رد عمل ہو گا۔ لیکن......! جب آدھا گھنٹہ تک اندر سے گولی کا جواب نہ آیا تو پولیس والوں کو فکر دامنگیر ہوئی کہ ان کا منصوبہ تو خاک میں ملتا دکھائی دینے لگا تھا۔ ڈی آئی جی مانگٹ جو اس حملے کی کمان کر رہا تھا اس صورتحال سے گڑبڑا کر رہ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ گوردوارے پر حملے کی صورت میں جب تک وہ گوردوارہ تباہ نہ کر دیتے اندر موجود سنت بھنڈرانوالہ جتھے کے کسی بھی سکھ کو باہر نکلنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا......

یہ بڑے منظم اور تربیت یافتہ لوگ تھے اور نفسیاتی جنگ کے زبردست ماہر وہ کم از کم پولیس کو اس کی مرضی کا میدان جنگ بپا کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔

ڈی آئی جی مانگٹ نے فوراً ہی ہوم منسٹر بوٹا سنگھ سے رابطہ قائم کیا جو خاص طور پر اس مشن کی کمان کرنے کے لئے چندی گڑھ پہنچ چکا تھا......! مانگٹ وزیر داخلہ سے اجازت لیے بغیر گوردوارے پر حملے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر بات بگڑ گئی تو اس کی ساری ''کارکردگی'' صفر ہو کر رہ جائے گی الٹے لعنت ملامت کا سامنا بھی کرنا پڑے گا۔ دوسری طرف اسے اپنے ملازمین پر بھی اعتماد نہیں تھا......!!

پولیس فورس میں تب تک زیادہ تعداد سکھوں کی تھی اور اس بات کی کیا گارنٹی تھی کہ یہ لوگ اس کے حکم پر آنکھیں بند کر کے عمل کریں گے اور گوردوارے پر حملہ کر دیں گے۔ ہوم منسٹر بوٹا سنگھ اس کی بات سن کر سوچ میں پڑ گیا......وہ کسی بھی حالت میں اس ''سنہری موقعے'' کو گنوانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر آج پولیس نے بھنڈرانوالے کو ٹھکانے نہ لگایا تو پھر مستقبل میں کبھی بھی کم از کم پولیس بھنڈرانوالے کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی......!!

بہت سوچ بچار کے بعد اس نے بندر کی بلا طویلے کے سر منڈھنے کا فیصلہ کر لیا۔

''مانگٹ تم اپنی صوابدید پر جو بھی چاہو کر سکتے ہو...... میں تمہارے ہر اقدام کی حمایت کروں گا بس مجھے ہر صورت بھنڈرانوالے کی لاش چاہیے۔ خبردار اسے زندہ گرفتار نہ کرنا......''

اس نے اپنی دانست میں مانگٹ پر بڑا کامیاب جال پھینکا تھا......

مانگٹ نے کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں......!

پنجاب پولیس کا ڈی آئی جی اس طرح ''سیاسی بہلاوے'' میں آ کر اتنا خطرناک قدم اٹھانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

بوٹا سنگھ کا جواب ایک سیاست دان کا جواب تھا......

اور......

سردار مانگٹ کم از کم اس کی چال میں پھنسنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اس نے بوٹا سنگھ کو تسلیم دیتے ہوئے سلسلہ منقطع کیا اور چند منٹ بعد وہ جیپ کے مائیک پر گاؤں کے لوگوں سے مخاطب تھا۔

''اگر تم لوگ اپنی جان مال اور عزت کی سلامتی چاہتے ہو تو فوراً بھنڈرانوالہ کو ہمارے حوالے کر دو۔ ورنہ یاد رکھنا پانچ منٹ بعد میں پولیس کو حملہ کرنے کا حکم دے دوں گا اور تم سب کتے کی موت مارے جاؤں گے......''

اس نے اس دھمکی کا دو تین مرتبہ اعادہ کیا اور اب خاموشی سے جواب کا منتظر تھا۔ مانگٹ کے تو وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ سنت جرنیل سنگھ یہاں موجود ہی نہیں۔

اس لائن پر تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا کہ سنت جی یہاں سے رفو فکر ہو چکے ہیں۔ یہ آپریشن تو اتنا خفیہ تھا کہ ان لوگوں نے ہریانہ کی پولیس کو بھی اعتماد میں نہیں لیا تھا اور گاؤں کو گھیرے میں لینے کے بعد ہی مقامی حکام کو اس بات سے باخبر کیا تھا کہ وہ کیا کرنے جا رہے ہیں جس طرح آدھی رات کو ان لوگوں نے اچانک فائرنگ کر کے گاؤں والوں کو دہشت زدہ کیا تھا......اور جس طرح انہوں نے سرچ لائٹوں کی روشنیاں جلا کر پولیس کی بے تحاشا ٹڈی دل اور اسلحے کی نمائش کی تھی اس کے بعد گاؤں کے لوگوں کا ڈگمگا جانا ضروری تھا۔

تین چار منٹ بعد ہی گوردوارے کے سپیکروں سے گاؤں کے سرپنچ کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا کہ سنت جرنیل سنگھ گوردوارے یا اس گاؤں کے کسی بھی گھر میں موجود نہیں ہیں اگر پولیس چاہے تو اپنی تسلی کے لئے سارے گاؤں کی تلاشی لے سکتی ہے۔ اس جواب نے ایک لمحے کے لئے تو ڈی آئی جی مانگٹ کے قدموں تلے سے زمین سرکا دی تھی۔ لیکن......! اس کا دل یہ بات ماننے کو تیار نہیں تھا کہ سنت بھنڈرانوالہ یہاں موجود نہیں ہے۔ اس نے تب بھی یہی سمجھا کہ شاید سرپنچ زیادہ خون خرابہ نہیں چاہتا اور انہیں اس بات کا سگنل دے رہا تھا کہ وہ سنت جی کو خود ہی گرفتار کر لیں۔

''ٹھیک ہے میں پولیس کو حکم دے رہا ہوں کہ وہ تمہارے گھروں کی تلاشی لے اگر کسی نے مزاحمت کی یا فرار ہونے کی کوشش کی تو اسے گولی سے اڑا دیا جائے گا''......

ڈی آئی جی مانگٹ نے جواب دیا......

اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے سورماؤں کو حکم دے دیا کہ وہ بھنڈرانوالے کو اس کے بل سے نکال کر باہر لائیں اور گولی سے اڑا دیں۔ پولیس اور پیرا ملٹری پولیس فورس کے جوان درندوں کی طرح ''چندو کلاں'' پر حملہ آور ہوئے اور دندناتے ہوئے گوردوارے اور مکانات میں جا گھسے......!! تلاشی کے نام پر انہوں نے ہر غیر انسانی حرکت کی......! اپنی ہی بہو بیٹیوں کو بے عزت کیا......! گاؤں کے ایک ایک بچے، جوان اور بوڑھے کو مارا پیٹا......! ان کے گھروں میں موجود ہر قابل ذکر شے لوٹ کر لے گئے......! وہ گاؤں کے لوگوں سے ایک ہی بات پوچھ رہے تھے کہ بھنڈرانوالہ کو انہوں نے کہاں چھپایا ہے......

ابھی تک ان گدھوں کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ بھنڈرانوالہ فرار ہو چکے ہیں۔ تین گھنٹے تک چ کلاں پر قیامت ڈھانے کے بعد پولیس کے جواب سنت بھنڈرانوالہ کے پولیس کے اندھے تہ کے ہاتھوں لہولہان میں پچیس ساتھیوں کو لے کر وہاں سے چل دیئے۔ جاتے جاتے انہوں نے غصہ جتھے کی دونوں بسوں پر نکال لیا تھا اور انہیں نذر آتش کر دیا......!

بسوں میں موجود سکھ اتہاس کی بہت سی قیمتی اشیاء بھی بسوں کے ساتھ ہی جل کر خاک گئیں......!

سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ...... پولیس کا شکار اس کے ہاتھوں سے ایک مرتبہ پھر نکل گیا تھ رات کے دوسرے پہر وہ اپنے خفیہ ٹھکانے سے باہر نکلا تھا......! اس کی منزل اس کی بہن کا گھر جہاں آج اس نے پیغام بھیج کر اپنی ماں کو بھی بلا لیا تھا۔ گزشتہ تین ماہ سے وہ گھر سے غائب تھا۔ ا کی وجہ وہی پولیس کا خوف تھا جس نے قریباً تمام ایسے سکھ نوجوانوں کے اذہان کو اپنی گرفت میں رکھا تھا جو سنت بھنڈرانوالہ کے مرید تھے......!! اسے بھی متعلقہ تھانے میں اس کے ایک حوالد دوست نے پہلے ہی باخبر کر دیا تھا کہ سی آئی ڈی والے کسی بھی روز اسے اغوا کر کے لے جائیں گ کیونکہ مقامی ہندو ایس ایچ او نے اس کے خلاف بڑی غلط رپورٹ دی ہے......! کشمیرا سنگھ نے جس روز سے پیغام وصول کیا اس روز رات کے اندھیرے میں گھر سے نکل گیا یہ اس کی خوش قسمتی تھی ک پولیس نے جب اگلے روز رات کے اندھیرے میں اس کے گھر پر چھاپہ مارا تو وہ گھر میں موجود نہیں تھا۔ پولیس والے حسب ہدایت اس کی بوڑھی ماں اور باپ کو پکڑ کر لے گئے تھے۔ یہ اس کی خوش قسمت تھی کہ گھر میں اس کی کوئی بہن نہیں تھی۔ دو بہنیں تھیں دونوں شادی شدہ اور دوسرے شہروں میں رہ تھیں......! پندرہ بیس روز تک پولیس بوڑھے والدین کو پریشانی کرتی رہی۔ اس دوران کشمیرا سنگ کے گھر کی ہر قابل ذکر شے پر پولیس کا قبضہ ہو چکا تھا اور وہ سوائے کڑھنے یا خون کے آنسو بہانے کے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا......!!

آج بھی اس کے ساتھیوں نے اسے روکنے کی بہت کوشش کی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ ''را'' کا جا بہت دور تک پھیلا ہوا ہے۔ انہیں اس بات کا علم تھا کہ خالصتانی حریت پسند بھی خفیہ منصوبہ بنات تھے وہ بھارتی انٹیلی جنس تک پہنچ جاتے تھے۔ اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کام ہونے کے بع یا اس سے پہلے......!! یہ بات بھنڈرانوالہ کے ساتھیوں کو بہت دیر بعد سمجھ میں آئی تھی کہ لالہ لاجپت

اے کے قاتلوں کے ناموں کی فہرست انٹیلی جنس تک کیسے پہنچ گئی......! کشمیرا سنگھ کا شمار بھنڈرانوالہ کے خصوصی جانثاروں میں ہوتا تھا اور تب تک بھارت کے کسی خفیہ مقام پر قائم ہونے والے سکھوں کے تربیتی کیمپ میں بھی وہ شرکت کر چکا تھا......! دراصل یہی وہ اہم اطلاع تھی جو ''را'' کو ملی اور اب وہ لوگ اس کے گرد اپنا گھیرا تنگ کر رہے تھے۔ جانے کس ترنگ میں آ کر اس نے پرتاب کور کو بتایا تھا کہ جنرل شوبیگ سنگھ کی کمان میں چلنے والے اس خفیہ تربیتی سنٹر میں وہ بھی شامل رہا ہے۔

کشمیرا سنگھ نے بازار کا آخری موڑ مڑا اور ابھی وہ بمشکل لاری اڈے کی طرف جانے والے راستے پر پندرہ بیس گز ہی چلا ہوگا جب اچانک ہی ایک قیامت اس پر ٹوٹی۔ حملہ آوروں کی تعداد دس اور پندرہ کے درمیان تھی خدا جانے وہ کب سے اس جگہ چھپے اس کی آمد کے منتظر تھے۔ جیسے ہی کشمیرا سنگھ ان کے گھیرے میں آیا۔ گھات لگائے بھیڑیوں کی طرح وہ اس پر پل پڑے۔

انہوں نے کشمیرا سنگھ پر ڈنڈوں سے حملہ کیا تھا اور مار مار کر اس کا بھرکس نکال دیا تھا۔ پہلے دو تین منٹ تک تو کشمیرا سنگھ کو اس ناگہانی آفت کا علم ہی نہ ہو سکا جو اس پر ٹوٹی تھی۔ اور...... جب پندرہ بیس ضربات جسم پر لگنے کے بعد اسے سمجھ آئی اور اس نے بھاگنے کی کوشش کی تو منہ کے بل زمین پر گر پڑا۔ اچانک ہی ایک تربیت یافتہ کمانڈو نے جوان سفید پوش بھیڑیوں کی کمانڈ کر رہا تھا اس کی کمر میں اس طرح اچھل کر لات جمائی تھی کہ کشمیرا سنگھ کو اپنی ریڑھ کی ہڈی تڑختی محسوس ہونے لگی تھی......وہ منہ کے بل زمین پر گرا......! اس کے ساتھ ہی کئی مضبوط ہاتھوں نے اسے کاٹھ کباڑ کی طرح جکڑنا شروع کر دیا۔ کسی کے ہاتھ میں اس کا پاؤں تھا۔ کسی کے ہاتھ میں بازو۔ سات آٹھ افراد نے اسے ڈنڈا ڈولی کرتے ہوئے اس بڑی سی وین میں پھینک دیا جو اب ان کے نزدیک آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

کشمیرا سنگھ کو اپنی رگیں درد سے ٹوٹتی محسوس ہو رہی تھیں......! جیسے اس کے جسم کی ساری ہڈیاں ٹوٹ چکی ہوں......اپنی انتہائی کوشش کے باوجود وہ اپنے وجود سے اٹھتی درد کی لہروں کے سامنے ضبط کا بندھ نہ باندھ سکا اور ''ہائے ہائے'' چلانے لگا...... یہ سلسلہ چند منٹ ہی چلا پھر اس کی آواز بند ہو گئی۔ کیونکہ وین میں پہلے سے ..دس سفید پوشوں نے اس کی پسلیوں پر ٹھوکریں مار مار کر اسے ادھ موا اور پھر بے ہوش کر دیا تھا۔

کشمیرا سنگھ کی آنکھ کھلی تو وہ ایک کوٹھڑی کے ننگے فرش پر فالتو سامان کی گٹھڑی کی طرح ڈھیر ہوا پڑا تھا۔ کوٹھڑی کا دروازہ جس میں صرف چار سلاخیں لگی تھیں اور ایک محدود حد تک ہی باہر کچھ دکھائی

دے رہا تھا۔اس کی نظروں نے پہلا منظر یہی دیکھا کہ سلاخوں کے پار ایک چھوٹا سا احاطہ ہے جس میں تین نوجوان سکھوں کو ننگا کر کے ان کے ہاتھ دیواروں سے منسلک لوہے کے کڑوں میں باندھے گئے ہیں اور تین ہٹے کٹے سفید پوش ان کی پنڈلی کی ہڈیوں پر وحشیانہ انداز میں ڈنڈے مارتے ہوئے ان کی چیخ و پکار سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

یوں لگتا تھا جیسے یہاں درندوں کا راج ہو اور انسانوں کے روپ میں ''راکھشش'' آ گئے ہوں۔ جب کوئی مضروب چیختا وہ اس سے زیادہ زوردار آواز میں اس کی نقل اتارتے ہوئے زور زور سے چیختے اور پھر درندوں کی طرح قہقہے لگانے لگتے......!

کشمیرا سنگھ کے دیکھتے ہی دیکھتے ان کی آواز بند ہو گئی۔ شاید اب ان میں چیخنے چلانے کی سکت ہی باقی نہیں رہی تھی۔

اس کے بدن کا رواں رواں درد کر رہا تھا۔لیکن......! یہ منظر دیکھ کر اسے اپنے خون کا خمیر بدلتا محسوس ہونے لگا تھا۔اس کے بدن میں انگارے تڑپنے لگے تھے۔......غصے اور نفرت سے اس کو اپنا خون ابلتا محسوس ہو رہا تھا۔

اس کی آنکھوں نے تینوں میں سے دو کو پہچان لیا تھا۔ یہ اس کے قریبی ساتھی تھے اور وہ جانتا تھا کہ یہ لوگ مر جائیں گے لیکن دشمن کو کچھ نہیں بتائیں گے۔

جب وہ لوگ اپنی تربیت کا آغاز کرتے تھے تو اس ''ارداس'' (دعا) اور عہد کے ساتھ کہ اب ان کا جینا اور مرنا صرف پنتھ (قوم) کے لئے ہو گا۔

اب نہ ان کا جسم ان کا تھا نہ ہی ان کی روح ان کی تھی...... جو بھی تھا وہ ''خالصہ پنتھ'' کا تھا......اور......اس عہد کو اگر مر کر بھی نبھانا پڑتا تو وہ بھی اس کی لاج ضرور نبھاتے......! کشمیرا سنگھ کے دیکھتے دیکھتے تینوں بے ہوش ہو گئے تھے...... یہی اصل میں ان لوگوں کے آرام کا مقصد ہوتا تھا......بے ہوش مظلوموں کے منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر وحشی درندے انہیں چند منٹ کے لئے ہوش میں لائے۔ اپنی مشق ستم کو دوبارہ شروع کیا۔لیکن......اس مرتبہ یہ وقت طویل نہ ہو سکا۔ دو تین منٹ بعد ہی وہ دوبارہ بے ہوش ہو گئے انہوں نے ان تینوں کے بندھے بازو ڈھیلے کئے تو وہ زمین پر کٹے ہوئے درخت کے تنوں کی طرح ڈھیر ہو گئے۔

اس منظر سے کشمیرا سنگھ کا خون کھول اٹھا۔اس نے اپنی کوٹھڑی کی سلاخوں کو مضبوطی سے پکڑا اور

انہیں دیوانہ وار زور سے ہلاتے ہوئے انہیں ننگی گالیاں دینے لگا۔

اس کی گالیوں اور سلاخوں کے زور زور سے ہلنے کی آواز پر وہاں موجود بھیڑیوں نے اس طرح اس کو دیکھا تھا جیسے یہ سب کو ان کی توقع اور امید کے خلاف ہو۔

شاید وہ اس کے اتنی جلدی ہوش میں آنے کی امید نہیں کر رہے تھے۔ غصے سے کھولتے اور چنگھاڑتے ہوئے انہوں نے اپنے ساتھیوں کو آوازیں دینا شروع کر دیں۔

کشمیرا سنگھ نے چند لمحوں کے بعد وہاں پندرہ بیس سفید پوشوں کا اجتماع دیکھا ان میں سے ایک کے ہاتھ میں چابیوں کا گچھا تھا اور سب سے پہلے ہی اس کی کوٹھڑی کی طرف بڑھا باقی لوگ اس کی کمان میں ڈنڈے تھامے جلوس کی شکل میں کشمیرا سنگھ کو گالیاں دیتے اس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے......گالیاں بکتے ہوئے اس نے کشمیرا سنگھ کی کوٹھڑی کا دروازہ کھولا۔ اس کے ساتھ ہی ایک طوفان بدتمیزی در آیا اور جتنے لوگ آسانی سے اس کوٹھڑی میں سما سکتے تھے انہوں نے کشمیرا سنگھ کو اپنی لاٹھیوں سے پیٹنا شروع کر دیا۔

شاید سب کو اس ''سعادت'' کا موقعہ نصیب نہیں ہوا تھا اور باہر موجود درندے اس صورتحال پر تلملا رہے تھے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو گالیاں بکتے ہوئے کہا کہ کشمیرا سنگھ کو باہر لے آئیں اور اب وہ لوگ اس کو دونوں ٹانگوں سے گھسیٹتے ہوئے باہر لے آئے۔

اس کے ساتھ ہی سارا جلوس اس پر پل پڑا......

کشمیرا سنگھ کی زبان کو جیسے کرنٹ لگ گیا تھا......

جب تک وہ ہوش میں رہا انہیں گالیاں دیتا رہا پھر بے ہوش ہو گیا......تین مرتبہ وہ اسے ہوش میں لا کر مارتے رہے پھر اس خوف کے پیش نظر کہ کہیں وہ مر ہی نہ جائے اسے دوبارہ کوٹھڑی میں پھینک کر تالا لگا دیا۔

اس مرتبہ کشمیرا سنگھ کو ہوش آیا تو اس کے جسم نے حرکت کرنے سے انکار کر دیا۔ پیاس سے اس کے حلق میں کانٹے اور ہونٹوں پر صحرائی مسافروں کی طرح پپڑیاں جم رہی تھیں۔ لیکن......اس نے پانی مانگنا اپنی توہین خیال کیا......!! اپنی ساری توانائیاں بمشکل مجتمع کر کے اس نے کروٹ بدلی تو کشمیرا سنگھ کو یوں لگا جیسے اس کی ساری پسلیاں ٹوٹ چکی ہوں۔ اس کی آنکھوں میں البتہ باہر کا منظر دیکھنے کی سکت ابھی باقی تھی۔ اس مرتبہ جو منظر اس نے دیکھا اسے دیکھ کر ایک لمحے کے لئے اس نے

یہی سوچا کہ وہ بے ہوش ہی رہتا تو بہتر تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے قریبی ساتھی منوہر سنگھ کا ادھ موا جسم لٹک رہا تھا اور ایک سفید پوش جس نے ہاتھ میں دھکتی ہوئی سلاخ تھامی ہوئی تھی۔ اس کے پیٹ پر دھکتے لوہے سے نشان لگا رہا تھا...... جب بھی وہ منوہر سنگھ کے جسم پر ضرب لگاتا۔ ذبح ہوئے بکرے کی طرح اس کے حلق سے چیخ نکلتی اور پھر خاموشی چھا جاتی......! کشمیرا سنگھ نے بے ہوش ہونے سے پہلے آخری منظر یہی دیکھا کہ ان لوگوں نے دھکتی سلاخ کا آدھا حصہ منوہر سنگھ کے بے جان جسم میں اتار دیا تھا۔ کیونکہ اس کی چیخ بلند نہیں ہوتی تھی۔ اس بات سے کشمیرا سنگھ بخوبی اندازہ لگا سکتا تھا کہ اس کی روح اب بدن کی قید سے آزاد ہو چکی ہے...... بے ہوش ہوتے ہوئے اس کی آنکھوں کے سامنے اپنے ان ساتھیوں کی مسخ شدہ اور جگہ جگہ سے جلی ہوئی لاشیں لہراتی رہی ہیں جنہیں پولیس والے جعلی مقابلے میں مار کر پھینک جایا کرتے تھے۔

وہ جانتا تھا کہ گولیاں ان کے مردہ جسموں پر چلائی جاتی ہیں اسے علم تھا کہ جس عقوبت خانے میں اسے لایا گیا ہے۔ یہ خالصتانی حریت پسندوں کے لئے مخصوص تھا یہاں ان کے جسموں سے بوٹی بوٹی الگ کر کے انہیں اذیت ناک موت مرنے پر مجبور کر دیا جاتا تھا......!

اسے اس بات کا بھی علم تھا کہ وہ یہاں سے زندہ واپس نہیں جائے گا۔ لیکن...... وہ مطمئن تھا......! سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ کے ہاتھوں ''امرت سیمینار'' کرنے کے بعد اب موت سے اسے والہانہ لگاؤ سا ہونے لگا تھا۔ وہ ''پنتھ کی چڑھدی کلا'' کے لئے مر جانا اپنے لئے سعادت سمجھتا تھا......! درد کی لہروں نے جانے سے اسے کب تک اٹھا اٹھا کر پٹخا اور ہوش و حواس سے بیگانہ کر دیا۔

اس مرتبہ اس کی آنکھ خود نہیں کھلی تھی......! اسے ہوش میں لایا گیا تھا......! کشمیرا سنگھ کو احساس نہ ہو سکا کہ اس کے جسم میں توانائی کو برقرار رکھنے والے دو انجکشن لگائے گئے تھے۔ شاید یہ لوگ ابھی اسے کچھ مزید زندہ رکھنا چاہتے تھے۔ شاید انہیں اس بات کی امید تھی کہ وہ کشمیرا سنگھ کے منہ سے اپنے مطلب کی بات اگلوائیں گے۔

اس نے دیکھا۔ اس مرتبہ وہ ایک قدرے بہتر کمرے میں موجود ہے۔ جہاں ایک طرف کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ کمرے میں قالین نما چٹائی بچھائی گئی تھی اس کے سامنے تین چار سفید پوش کھڑے تھے جن میں ایک ڈاکٹر اور اس کا مددگار بھی شامل تھے۔

ہوش میں آتے دیکھ کر ڈاکٹر کے ساتھی نے کونے میں دھری میز پر موجود دودھ کا گلاس اٹھا کر اس

کے سامنے رکھ دیا۔

کشمیرا سنگھ نے چند ثانئے کے لئے آنکھیں کھول کر حالات کا جائزہ لیا۔ شاید اس کا جسم تھوڑی دیر کے لئے کسی شے کے تحت بے حس کر دیا گیا تھا۔ کیونکہ وہ خود کو قدرے بہتر محسوس کر رہا تھا......!!

''پی لو...... ہم ڈاکٹر ہیں ہمارا تعلق پولیس سے ضرور ہے لیکن بہرحال اس وقت اس نے ڈاکٹر کی طرف زخمی نظروں سے دیکھا پھر کچھ سوچتے ہوئے دودھ کا گلاس اٹھا کر اس طرح ظاہر کیا جیسے وہ دودھ پینے لگا ہو۔

لیکن......!

وہاں موجود وحشیوں کی تعلقات کے بالکل برعکس اس نے گلاس اپنے جسم میں موجود ساری قوت تو اپنے ہاتھ میں مجتمع کر کے سامنے کھڑے ڈاکٹر کی طرف پھینکا جو کسی غیر ارادی اور برقی عمل کے تحت اچانک ہی ایک طرف مڑا اور گلاس اس کے پیچھے کھڑے ایک اور سفید پوش کے منہ پر لگا......!

جس کے منہ سے خون بہنے لگا تھا......! دودھ زمین پر گر کر چٹائی میں جذب ہو رہا تھا اور اس کے چھینٹے قریباً سب ہی لوگوں کے کپڑوں پر پڑے تھے۔

جس کے منہ پر گلاس لگا تھا وہ غصے سے کھولتا اس کی طرف لپکا لیکن اچانک ہی ڈاکٹر نے ہاتھ اٹھایا اور وہ اپنی جگہ کسی ''معمول'' کی طرح جم کر رہ گیا۔

کشمیرا سنگھ اندازہ کر سکتا تھا کہ اس شخص کو خود پر قابو پانے میں کتنی مشکل پیش آ رہی تھی۔

اپنی قمیض کی آستین سے اس نے منہ پر بہتا خون پونچھا اور غصے سے کھولتا کمرے سے باہر نکل گیا۔ ''میں نے تمہیں پہلے بھی کہا ہے کہ تمہاری تفتیش، گرفتاری یا کسی اور معاملے سے ہمارے کوئی تعلق نہیں۔ ہم سرکاری اور اخلاقی طور پر صرف تمہارے علاج کے ذمہ دار ہیں تمہیں بہت چوٹیں لگی ہیں اور تمہارا معدہ بھی خالی ہے۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ تمہاری جسمانی حالت قدرے نارمل ہو جائے اور ہم واپس لوٹ جائیں...... مجھے امید ہے کہ تم ہمارے ساتھ تعاون کرو گے۔ یوں بھی کسی سکھ کا کسی ڈاکٹر حملہ کرنا زیب نہیں دیتا وہ بھی اس صورت میں جب ہم یہاں تمہاری جان بچانے کے لئے آئے ہیں۔''

ڈاکٹر کی بات نامکمل ہی تھی جب اچانک ہی کشمیرا سنگھ نے اسے ٹوک دیا۔

''تم بکتے ہو...... بکواس کرتے ہو۔ میں جانتا ہوں اس عقوبت خانے میں کسی کو زندگی دینے کے

لئے نہیں بلکہ اذیت ناک موت سے دوچار کرنے کے لئے لایا جاتا ہے اور میں بھی یہاں مرنے کے لئے ہی آیا ہوں...... تم لوگ چاہتے ہو کہ میرے جسم کو تھوڑی طاقت پہنچا کر زیادہ دیر تک مشق ستم جاری رکھ سکو...... لیکن میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دے سکتا...... ! میں نے مرنا ہے لیکن تمہاری خواہش کے مطابق نہیں مروں گا۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہیں ایک لمحے کے لئے بھی خوش ہونے کا موقعہ دوں...... تم جو کوئی بھی ہو ایک بات یاد رکھنا کہ تمہارا کوئی بھی حربہ مجھ سے ایک لفظ نہیں اگلوا سکتا...... تم لوگ اپنے دل میں یہ حسرت لے کر مر جاؤ گے کہ کشمیرا سنگھ نے تمہارے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے تھے...... میں گورو گوبند سنگھ کا سکھ ہوں...... مجھے آن اور شان سے جینا ہی نہیں مرنا بھی آتا ہے...... میں تمہارے ہاتھ سے زہر بھی نہیں لوں گا۔ تم سانپ کے بچے ہو...... اژدہے ہو...... تم مجھے دودھ کیا پلاؤ گے۔ تم تو خود ہمارے خون پر پلے بڑھے اور اس قابل ہوئے ہو کہ آج ہم پر ہی ستم ڈھا سکو...... میں تمہارے رزق پر لعنت بھیجتا ہوں۔ دفع ہو جاؤ اور ان کتوں سے کہہ دو جنہوں نے تمہیں یہ ڈیوٹی سونپی ہے کہ میں ہر دم مرنے کے لئے تیار ہوں......''

اپنی بات ختم کر کے اس نے زور زور سے ''جے کارے'' بلند کرنے شروع کر دیے۔

اچانک ہی سامنے کا دروازہ کھلا اور اس نے ایس پی بھلہ کو اندر داخل ہوتے دیکھا۔ اس کے تعاقب میں آنے والوں نے فوراً ہی اس کے دونوں ہاتھوں کو الٹا کر کے ہتھکڑی لگا دی تھی اور اسے دیوار کے ساتھ لگا کر بٹھا دیا تھا۔ کشمیرا سنگھ نے ایس پی بھلہ کو پہلی ہی نظر میں پہچان لیا......!!! اس کی شکل تو سکھوں والی تھی۔ لیکن......!!! ایک عرصے سے جانے کتنے سکھ دل میں یہ تمنا لئے پھرتے تھے کہ کب موقعہ ملے اور اسے کتے کی موت مار ڈالیں۔ دو مرتبہ وہ جان لیوا حملوں سے بچ نکلا تھا...... ایک حملے میں تو اس کے پیٹ اور بازو میں گولیاں بھی لگی تھیں اور دس روز تک موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد وہ بچ چکا تھا!!! اس حملے کے بعد سے اس کی آتش انتقام زیادہ شدت سے بھڑکنے لگی تھی اور اس نے خاص طور پر سے اپنی ڈیوٹی اس عقوبت خانے میں لگوائی تھی۔

یہ بات سکھوں میں عام طور پر کہی جاتی تھی کہ ایک مرتبہ ایس پی بھلہ کی گرفت میں آنے کے بعد کسی خالصتانی کا زندہ بچ نکلنا معجزے سے کم نہیں۔ ایس پی اس کے سامنے کچھ فاصلے پر بچھی کرسی بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں بھرا ہوا پستول تھام رکھا تھا۔

اس کے اشارے پر اس کے ماتحتوں سے کشمیرا سنگھ کو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر اٹھایا اور دیا

سے لگی مضبوط کرسی پر بٹھا کر اس سے منسلک بیلٹوں کے ساتھ اسے اس طرح باندھ دیا کہ پھر کشمیرا سنگھ کے لئے سوائے زبان ہلانے کے اور جسم کے کسی حصے کو جنبش دینا ممکن نہیں رہا۔

اپنا کام مکمل ہونے پر وہ لوگ ایس پی بھلہ اشارے پر کمرے سے باہر نکل گئے۔ اب اس کمرے میں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا......

''کشمیرا سنگھ! میں تمہاری زندگی کی ضمانت تو دے نہیں سکتا لیکن اتنا ضرور کہتا ہوں کہ بات اگلوانے کے ہمارے پاس اور بھی بہت سے طریقے ہیں...... تم شاید یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہیں آج ہی گولی مار کر تمہاری جان خلاصی کر دوں گا لیکن ایسی بات نہیں...... ابھی تمہاری ماں زندہ ہے۔ تمہاری دو بہنیں ہیں۔ تمہاری منگیتر ہے۔ ہم سب کو ایک ایک کر کے تمہارے سامنے لائیں گے اور ان کا جو حشر یہاں ہوگا اس کا تم اندازہ لگا سکتے ہو...... کشمیرا سنگھ یہاں انسان نہیں درندے بستے ہیں۔ یہاں انسان کا نہیں جنگل کا قانون چلتا ہے۔ ہم خود اپنے قانون بناتے اور ان پر عمل کرتے ہیں......''

جیسے جیسے ایس پی بھلہ کے منہ سے باتیں نکل رہی تھیں کشمیرا سنگھ کو اپنا وجود پگھلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ پولیس کے درندے ان کی ماؤں بہنوں کا جو حشر کرتے تھے وہ اس سے بخوبی آگاہ تھا۔ وہ جانتا تھا اگر اس نے کچھ نہ بتایا تو یہ لوگ اس کی بہنوں کو اس کی ماں کو اور اس کی منگیتر کو اس کی آنکھوں کے سامنے بے آبرو کریں گے اسے گلزار سنگھ کی بہن کا انجام یاد آ گیا۔ جسے اس درندگی کے ساتھ بے آبرو کیا گیا تھا مسلسل جنسی تشدد کا نشانہ بننے کے بعد اس نے جان دے دی تھی۔

''واہگورو! سچے بادشاہ مجھے اس امتحان میں بھی سرخرو کرنا''...... اس نے دل ہی دل میں ارداس لی۔ ''تم چاہتے کیا ہو؟''...... کشمیرا سنگھ نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

''کشمیرا سنگھ تم سرحد پار گئے تھے۔ وہاں سے تربیت لے کر آئے ہو۔ تمہیں اس جگہ کا بھی علم ہے جہاں شوبیگ سنگھ نوجوانوں کو تربیت دے رہا ہے۔ پہلے سب کچھ بتا دو۔ میں بھی سکھ ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم نے ہمارے ساتھ تعاون کیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ تعاون کریں گے۔''

ایس پی بھلہ نے اس کی طرف امید بھری نظروں سے دیکھا۔

اس نے کشمیرا سنگھ کی بات سے یہی اندازہ لگایا تھا جیسے وہ رام ہو گیا ہو اور اپنی بہنوں اور منگیتر کی آبرو ریزی کے خوف سے جھک گیا ہے۔

لیکن......!

کشمیرا سنگھ کچھ اور سوچ رہا تھا۔

شاید وہ زندہ اس عقوبت خانے سے نکل سکتا۔ عین ممکن ہے کہ اسے اپنے ساتھیوں تک کوئی بات پہنچانے کا موقع مل جائے۔

وہ جاننا چاہتا تھا کہ وہ غدار کون ہے جس نے یہ ساری باتیں انٹیلی جنس تک پہنچائی ہیں۔

وہ آستین کے اس سانپ کی اصلیت جان کر کسی نہ کسی طرح اپنے ساتھیوں تک اس کا نام پہنچانا چاہتا تھا تاکہ وہ لوگ اس کے شر سے آئندہ کے لئے محفوظ ہو جائیں

''دیکھو ایس پی صاحب! کہیں اس غلط فہمی میں نہ رہنا کہ میں زنجیروں سے بندھا ہوا ہوں اور تم مجھے ڈرا دھمکا کر ہر بات منا لو گے۔ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تمہاری دونوں اطلاعات غلط ہیں۔ میں تمہیں بتا دوں کہ تمہارے کسی ''ٹاؤٹ'' نے دونوں اطلاعات صرف اپنے نمبر بنانے کے لئے تم تک پہنچائی ہیں۔ تم نہیں جانتے کہ یہ لوگ تمہیں بے وقوف بنا کر در اصل اپنا الو سیدھا کر رہے ہیں......''

اس کی اس بات پر ایک لمحے کے لئے ایس پی بھلہ سوچ میں پڑ گیا۔

''اگر ہم اس شخص کو تمہارے سامنے لے آئیں جس کے سامنے تم نے ساری باتوں کا اقرار کیا ہے۔ تب تم کیا کہو گے؟''

ایس پی بھلہ نے اچانک ہی اپنی دانست میں بڑا نفسیاتی حربہ آزمایا تھا۔

کشمیرا سنگھ خاموش رہا......!!

''تم غلط کہہ رہے ہو...... پولیس کی عادت ہے جھوٹ بولنا اور تم اس کے ماہر ہو''......

بالآخر اس کے منہ سے نکلا۔

''ٹھیک ہے۔ تمہاری یہ خواہش بھی پوری کیے دیتے ہیں''......

یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

میز کے دوسرے کونے پر رکھے انٹر کام کے ذریعے اس نے کسی سے انگریزی میں ''وائیٹ فلاور'' کو لانے کے لئے کہا تھا......!!

کشمیرا سنگھ سمجھ گیا کہ ''وائیٹ فلاور''...... اس ٹاؤٹ کا کوڈ نام ہو گا جس نے یہ اطلاع پہنچائی ہے۔

دوسری طرف سے کہا گیا؟

اس کی سمجھ اسے نہ آسکی کیونکہ کشمیرا سنگھ نے ایس پی بھلہ کو صرف ''ہوں ہاں'' کرتے ہی سنا تھا۔

''کشمیرا سنگھ! تم نوجوان بہنوں کے بھائی اور اپنے بوڑھے والدین کی آخری امید ہو۔ بے ف نہ بنو...... تم جاٹ ہو جانتے ہو کوئی کسی کو اپنی زمین کا ایک انچ نہیں دیتا...... تمہیں بھارت سرکار لصتان کہاں سے دے دے گی۔ تمہارے لئے زندہ رہنے کا صرف ایک ہی پاس ہے کہ اپنے تھیوں میں رہ کر ہمارے لئے کام کرتے رہو...... تمہاری بہنیں بطور ضمانت ہماری نظروں میں ہیں گی...... اس میں تمہارا بھلا ہے''......

بالآخر اس نے فون رکھ دیا اور اب کشمیرا سنگھ سے مخاطب تھا......!!

کشمیرا سنگھ کا جی تو یہی چاہتا تھا کہ اس شخص کو جو بار بار اسے اس کی بہنوں کی آبرو ریزی کی دھمکی ے کر بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہا ہے جان سے مار ڈالے۔ لیکن......! وہ مجبور تھا...... بندھا ہوا ......!

شیر کو بھی تو لوگ باندھ کر پنجرے میں رکھ دیتے ہیں لیکن اس سے وہ گیدڑ تو نہیں بن جاتا۔

اس نے سوچا......!

فی الوقت اس نے صرف وقت گزارنے کی حکمت عملی اپنائی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ جیسے ہی اس کے ساتھیوں کو اس کے غائب ہونے کا علم ہوا۔ وہ لوگ بہر صورت اس کی بہنوں کو کسی محفوظ مقام پر منتقل کرنے کی کوشش کریں گے تاکہ وہ پولیس کی دست برد سے محفوظ رہ سکیں اور اگر اس نے ابھی سے ضد باندھ لی تو عین ممکن ہے کہ اس سے پہلے پولیس ان تک پہنچ جائے اسے موت سے ذرہ برابر خوف نہیں تھا۔ لیکن......! یہ سوچ ہی اسے مار دینے کے لئے کافی تھی کہ اس کی بہنوں کو اس کی آنکھوں کے سامنے وحشی ہندوؤں سے بے عزت کروایا جائے گا۔

بے بسی سے وہ بھلہ کی شکل دیکھتا رہا...... اور......

ایس پی بھلہ نے بھی سمجھا کہ شکار اس کے دام تزویر میں پھنس رہا ہے اس نے گھنٹی بجائی اور سفید لا دندناتے اندر داخل ہو گئے۔

''سردار صاحب کو لنگر پانی دو...... تھوڑی دیر بعد ہم دوبارہ ملیں گے۔'' اس نے آنے والوں کو مخصوص اشارہ کیا......!

''جو حکم جناب''......ان کے کمانڈر نے جواب دیا۔

انہوں نے کشمیرا سنگھ کو کرسی کی قید سے آزاد کر دیا تھا اور اس کے ہاتھوں کو سیدھا کر کے ہتھکڑی لگا دی تھی۔ ابھی تک انہوں نے اس قید خانے میں بھی اس کی ہتھکڑی اتارنے کا خطرہ مول نہیں لیا تھا......!!

جس سیل سے وہ اسے لائے تھے اس کے نزدیک لے جا کر انہوں نے کشمیرا سنگھ کی ہتھکڑی کھولی اور اسے سیل کے اندر داخل کر کے باہر سے تالا لگا دیا۔

چند منٹ بعد ہی اس کے لئے کھانا آ گیا...... نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے کھانا زہر مار کیا۔ کیونکہ اس مرحلے پر وہ کھیل بگاڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ شام کا ملگجا اندھیرا پھیل رہا تھا جب اس نے دل ہی دل میں پاٹھ شروع کیا اور آخر میں ارداس (دعا) کی کہ واہگورو اسے اس کے فیصلے پر قائم رکھے۔ شام کو پھر اسے دودھ کا گلاس بھر کر پینے کے لئے دیا گیا......!!

رات کے پہلے پہر وہ ابھی جاگ ہی رہا تھا جب اسے پہرے دار اپنی طرف آتے دکھائی دیئے۔ کشمیرا سنگھ نے اندازہ لگا لیا کہ اب وہ زندگی کے آخری سفر پر روانہ ہونے والا ہے۔ ایک مرتبہ پھر دل ہی دل میں اس نے دعا کی اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ آنے والوں نے اس کی کوٹھڑی کا دروازہ کھولا......!

ان میں سے ایک نے اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑی پہنائی اور اسے اپنے ساتھ آنے کے لئے کہا۔ کشمیرا سنگھ نے کوٹھڑی سے باہر آ کر آخری مرتبہ سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا جہاں چاروں طرف سیاہ بدلیاں منڈلا رہی تھیں......! رات نے ابھی سے ماتمی لبادہ اوڑھ لیا تھا۔ وہ لوگ اسے اس عمارت کے اندر ہی دوسرے بلاک کی طرف لے جا رہے تھے...... اپنے چاروں طرف اسے مستعد پہرے دار اور سرچ لائٹیں دکھائی دے رہی تھیں۔ اپنے ارادوں کی طرح مضبوط قدم دھرتا وہ موت کے سفر کی طرف گامزن تھا اس مرتبہ اس کے سفر کا اختتام جس کمرے پر ہوا وہ ایس پی بھلہ کا دفتر تھا۔ کمرے کے باہر ہی بھلہ اس کا منتظر تھا...... اس کے ساتھ آنے والے وہیں رک گئے اور کشمیرا سنگھ بھلہ کے اشارے پر اندر داخل ہو گیا۔ بھلہ نے اندر داخل ہونے پر سامنے آرام دہ کرسی پر بیٹھنے کا کہا۔

''کشمیرا سنگھ! میں صرف تمہاری تسلی اور اس بات کی یقین دہانی کے لئے کہ اگر تم بھی ہمارا ساتھ نہ دو تو بھی تمہارے ساتھیوں میں موجود ہمارے لوگ ہمارا کام کرتے رہیں گے تمہیں اس شخص سے ملا

ہوں۔ حالانکہ اس سلسلے میں اعلیٰ حکام کو میں نے ناراض کیا ہے اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ تم ے شہر کے رہنے والے ہو۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ تمہاری بہنوں کی بے حرمتی بھی ہو اور تم کتے کی ت بھی مارے جاؤ...... کشمیرا سنگھ اپنی بہنوں کی غیرت کا سودا سکھ نہیں کیا کرتے......

تمہاری اس بہادری کا کیا فائدہ۔ اس طرح تو مرتے ہوئے بھی تمہارے دل میں پچھتاوہ رہے ......''

ایس پی بھلہ بار بار اسے اس کی بہنوں کی آبروریزی کی دھمکی دے کر شاید نفسیاتی طور پر اسے رد بنانا چاہتا تھا۔ حالانکہ...... اس کی توقعات کے برعکس کشمیرا سنگھ نے بڑی مشکل سے اپنے بات پر قابو پا رکھا تھا۔ اسے دکھانے کے لئے بھلہ نے میز پر رکھا ریوالور کھول کر گھمایا تھا شاید اسے نا چاہتا تھا کہ یہ بھرا ہوا ریوالور ہے۔

''اور ہاں اس شخص کو دیکھ کر حیران نہ ہونا بلکہ میں تمہارا اور اس کا جوڑ کر دا کر مستقبل میں تمہارے لئے ترقی کے بے شمار دروازے کھول رہا ہوں۔ کشمیرا سنگھ موج کرو گے موج...... لعنت بھیجو کیا رکھا ہے اس ''امرت دھاری'' زندگی میں......''

اتنا کہہ کر اس نے ایک ہاتھ میں ریوالور تھاما اور دوسرے ہاتھ سے ملحقہ کمرے کا دروازہ کھول یا......

دروازہ کھلنے پر جو شخصیت اندر داخل ہوئی تھی اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی کشمیرا سنگھ چند ثانئے کے لئے بوکھلا کر ہی رہ گیا۔ یہ پرتاب کور تھی......! پراسرار پرتاب کور......!! جس نے چند دنوں کے اندر بھنڈرانوالہ کے ساتھیوں کا اتنا اعتماد حاصل کر لیا تھا کہ اس کا شمار بلاشبہ اب ''خواص'' میں ہونے لگا تھا......! وہ تو سنت جی کے ساتھیوں کے ساتھ بڑے بڑے فیصلوں میں شامل ہونے لگی تھی اور بلاشبہ عورتوں کے جتھے میں اسے انتہائی اہم اور ممتاز مقام حاصل تھا......!

''تو اس ناگن کو ایک سازش کے تحت ان میں داخل کیا گیا تھا؟''...... کشمیرا سنگھ نے اپنے آپ سے سرگوشی کی۔ وہ لرز کر رہ گیا......! اگر یہ عورت زندہ رہی تو ایک ایک کر کے سب کو کتے کی موت مروا دے گی۔ اب اسے اس بات کا پتہ بھی چل گیا تھا کہ انٹیلی جنس کو ان کے بہت سے منصوبوں کی پہلے سے اور کبھی کبھی بعد میں خبر کیسے ہو جاتی ہے؟ واقعی اس نے ایک روز پرتاب کور کے سامنے ٹریننگ حاصل کرنے کا اقرار اس طرح کیا تھا جب پرتاب کور نے شدت سے تربیت حاصل کرنے

کی خواہش کا اظہار کیا اور کہا تھا کہ وہ خود بندوق اٹھا کر میدان جنگ میں اترنا چاہتی ہے......!! کشمیرا سنگھ کے منہ سے یہ راز اگلوانے کے لئے پرتاب کور نے کیا کیا جتن نہیں کیے تھے......! اس کے سامنے بار بار اپنے اسلاف کی عورتوں کی بہادری کے قصے دہرا کر وہ خود بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کا عہد کیا تھا اور اس سے درخواست کی تھی کہ اسے بھی کم از کم بندوق چلانے کی تربیت تو دلا دے۔ اچانک ہی اس کا مغز گھوم گیا......! اس نے اپنی تمام سوچ پر لعنت بھیج کر جس طرح بھی ممکن ہو اس ناگن کو مار دینے کا فیصلہ کر لیا تھا......

کشمیرا سنگھ اسے مار دے......اسے مار ڈال......ورنہ یہ ناگن ایک ایک کر کے تیرے سارے ساتھیوں کو ڈس لے گی۔"

کسی نادیدہ طاقت نے اس کے کانوں میں سرگوشی کی......! پرتاب کور نے اس وقت بھی اپنا "دسکھی مریادہ" والا لباس پہن رکھا تھا۔ وہ اپنی دانست میں "فتح" بلاتی مسکراتی ہوئی اس ارادے سے اس کی طرف آ رہی تھی کہ اس کے نزدیک موجود کرسی پر اطمینان سے بیٹھ جائے۔

کشمیرا سنگھ بھی "فتح بلاتا" اٹھ کر کھڑا ہو گیا......! ایس پی بھلہ نے بھی سمجھا تھا کہ پرتاب کور کی شخصیت سے متاثر ہو کر وہ احتراماً اٹھ کر کھڑا ہوا ہے...... یہ تو کشمیرا سنگھ تھا جب وہ اس کے بڑے بڑے افسروں کے سامنے آتی تھی تو وہ لوگ بھی غیر ارادی طور پر اس کے رعب حسن کو نذر گزارنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ بھلہ بھی مسکراتا ہوا مطمئن انداز میں اپنی کرسی پر بیٹھنے لگا تھا......! اپنی کرسی پر بیٹھنے کے لئے اسے سامنے بچھی بڑی میز کا چکر کاٹنا پڑا جس پر اس کا ریوالور رکھا تھا......! چند لمحوں کے لئے اس کی پشت کشمیرا سنگ کی طرف ہوئی......! یہی وہ لمحات تھے جو بھارتی انٹیلی جنس کی تاریخ کے منحوس ترین لمحات بن گئے! کئی قیامتیں ایک ساتھ ٹوٹی تھیں......!!

خدا جانے کشمیرا سنگھ کے جسم میں کون سی بجلیاں بھر گئی تھیں کہ اس نے برق رفتاری سے آگے بڑھ کر ریوالور اٹھا لیا...... بندھے ہاتھوں سے ایس پی کے سیدھا ہونے سے پہلے پہلے نہ صرف ریوالور کو فائرنگ کے لئے تیار کیا بلکہ دو گولیاں پرتاب کور کے سینے میں اتار دیں۔

بھلہ کسی دماغی جھٹکے کے تحت اس کی طرف جھکا اور تیسری گولی اس کے ماتھے کے عین درمیان پیوست ہو گئی......! اس کی موت تو اس ایک گولی سے ہو گئی تھی۔ لیکن......! احتیاط کشمیرا سنگھ نے ایک اور گولی اس کے دل میں اتار دی......!!! اچانک فائرنگ کی آواز نے باہر موجود سفید پوشوں میں کھلبلی

ں۔ جب وہ لوگ اندر داخل ہوئے تو یہاں تین لاشیں ان کی منتظر تھیں۔ کشمیرا سنگھ کا آخری شکار ی اپنی ذات تھی......!!! اس نے گولی اپنی کنپٹی میں اتار لی تھی اور وہ کمر کے بل فرش پر گرا تھا! وحشیوں رح چیختے چلاتے جب یہ خونی درندے اندر پہنچے تو اس کی کنپٹی سے خون کا فوارہ ابل رہا تھا اور ں پر طنزیہ مسکراہٹ تھی......

پرتاب کور اور ایس پی بھلہ کے جسموں سے بھی خون ابھی تک بہہ رہا تھا۔ لیکن......! دونوں کی یں دہشت زدہ انداز میں پھٹی دکھائی دے رہی تھیں۔ بادی النظر میں یہی انداز ہوتا تھا کہ مرنے پہلے دونوں کے ذہن کے کسی کونے میں یہ بھی بات نہیں رہی تھی کہ کشمیرا سنگھ ان کے ساتھ یہ کچھ زرے گا......! یہ سب کچھ ان کے لئے اچانک اور بوکھلا دینے والا تھا......! ان ہی کے لئے نہیں باہر موجود پہرے داروں کے لئے بھی......! ان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں رہی ہو گی کہ پی بھلہ بھی کبھی کسی کے متعلق غلط اندازہ لگا سکتا ہے......! جتنے قریب سے اور جس خطرناک انی حصے پر انہیں گولیاں لگی تھیں اس کے بعد ان کے زندہ رہنے کا کوئی امکان تو نہیں تھا۔ ں......! پھر بھی انہوں نے بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایس پی بھلہ اور پرتاب کور کی ں ہسپتال تک پہنچا ہی دیں جہاں چند منٹ بعد ہی ڈاکٹروں کے ایک بورڈ نے دونوں کی "مرتیو" دت) کا باقاعدہ اعلان کر دیا۔

سنت جرنیل سنگھ اور پولیس ٹکراؤ

350 کلو میٹر تک پولیس کی آنکھوں میں دھول جھونک کر سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالے امرت کے نزدیک اپنے ڈیرے چوک مہتہ میں پہنچ گئے تھے۔

20 ستمبر کو انہوں نے چوک مہتہ امرتسر سے گرفتاری دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس فیصلے کا اعلان سٹوڈنٹس فیڈریشن کے صدر بھائی امریک سنگھ نے ایک ہنگامی پریس کانفرنس میں کیا۔

اس اعلان کے ساتھ ہی دہلی سے پیرا ملٹری فورسز نے پنجاب پر یلغار شروع کر دی اور دیکھتے دیکھتے ٹرینوں، ٹرکوں، بسوں، ہوائی جہازوں کے ذریعے ہزاروں کی تعداد میں سی آر پی، آ پولیس، ریزرو فورس اور بی ایس ایف کی پلٹنیں پنجاب میں اترنے لگیں......!

سیکیورٹی فورسز کا زیادہ دباؤ امرتسر، لدھیانہ اور جالندھر پر تھا......!!

انٹیلی جنس کو علم تھا کہ سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ کی گرفتاری کو سکھ یوں ٹھنڈے پیٹوں برداش نہیں کریں گے۔ بھارت اور دنیا کے کونے کونے سے سکھ امرتسر میں جمع ہونے لگے تھے۔

19 ستمبر 81ء کی شام تک پولیس کی پابندیوں کے باوجود 30 ہزار کے لگ بھگ سکھ جن "نہنگ سکھ" بھی خاصی تعداد میں تھے۔ چوک مہتہ میں جہاں سنت جی نے گرفتاری دینی تھی جمع ہو چکے تھے۔ ان میں سینکڑوں کی تعداد میں انٹیلی جنس کے اہل کار بھی موجود تھے، جو اس ہجوم میں "تربیت یافتہ دہشت گردوں" کو تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق 20 ستمبر کی دوپہر سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالے دمدمی ٹکسال کے بغلی دروازے سے برآمد ہوئے اور پیدل ہی چوک مہتہ کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ ان کے تعاقب میں گوردوارے میں موجود پچاس ہزار سکھ مرد، عورتیں بوڑھے اور بچے بھی باہر نکل آئے۔

چاروں طرف سکھوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر دکھائی پڑتا تھا......!! ان لوگوں نے بھاگتے ہوئے سنت جرنیل سنگھ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ لیکن انتظامیہ کی درخواست پر ان کے سامنے سے ہٹ گئے...... سیکیورٹی کے جوان کسی بھی ہنگامی صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار کھڑے تھے۔! جب چانک انہوں نے دو آرمڈ کاریں اس طرف آتے دیکھیں...... دونوں کے درمیان عام پولیس کار تھی جس میں پولیس والوں نے بڑی پھرتی سے سنت جرنیل سنگھ کو بٹھا لیا اور دونوں آرمڈ کاروں نے اس کار کو اپنی حفاظت میں لے لیا......! پولیس کے اسی قافلے نے لدھیانے کی طرف اپنا سفر شروع کر دیا......!! اس سفر کے آغاز سے تھوڑی دیر بعد ہی ہجوم مشتعل ہو گیا......!!

نہنگ سنگھ ننگی کرپانوں کے ساتھ پولیس پر حملہ آور ہو گئے ہیں جس کے جواب میں پولیس نے فائرنگ شروع کر دی۔ اس دوران کسی نے پولیس کے اس ٹرک کو نذر آتش کر دیا جس میں اسلحہ لدا تھا۔ پھر کیا تھا......! اسلحہ پھٹنے سے ہر طرف دھماکے ہونے لگے۔ قیامت کا سماں تھا جس کا جدھر منہ اٹھا۔ اس نے ادھر ہی بھاگنا شروع کر دیا۔ ایک طوفان بدتمیزی در آیا......! انسان گاجر مولی کی طرح کٹ کٹ کر گرنے لگے......! زخمیوں اور مقتولین کی لاشیں سکھ فوراً اٹھا لیتے تھے کیونکہ انہیں علم تھا کہ پولیس کسی مرنے والے کی لاش ان کے حوالے نہیں کرتی۔ اس بھاگ دوڑ اور افراتفری میں درجنوں پولیس اہلکار بھی زخمی ہوئے جب مطلع صاف ہوا تو وہاں درجنوں لاشیں اور زخمی موجود تھے......! پولیس کا دعویٰ تھا کہ مرنے والوں کی گنتی بارہ ہے...... جب کہ سکھ اس تعداد کو کئی گنا زیادہ بتاتے ہیں کہا جاتا ہے کہ پولیس نے بیشتر لاشیں ایک جگہ اکٹھی کر کے انہیں خود جلا کر اپنے جرم کا نشان مٹا دیا تھا۔

اس واقعے نے پنجاب بھر میں آگ لگا دی تھی......!!

مہتہ چوک میں سکھوں کے قتل عام کی خبریں جنگل میں آگ کی طرح پنجاب کے گھر گھر میں پھیل گئی تھیں۔ اس مرحلے پر خاموش رہنا خالصتان نواز سکھوں کے لئے ممکن ہی نہیں رہا تھا......! وہ اندازہ کر رہے تھے کہ براہمن ان کی غیرت کو آزما رہا ہے اور اگر وہ خاموش رہتے ہیں تو عین ممکن ہے کہ باقی سکھوں کی طرح حکومت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ کو بھی کسی جھوٹے مقابلے میں نہ مار ڈالے۔ کیونکہ......! اس طرح کے من گھڑت واقعات اخبارات کا معمول بن چکے تھے اور روزانہ کسی نہ کسی سکھ کے "فرار" ہونے یا "مقابلے کے دوران" مارے جانے کی خبریں شائع ہوتی رہتی تھیں۔

یہی وقت تھا جب خالصتان نواز سکھ اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے اس مظاہرے سے وہ جہاں ایک طرف حکومت کو یہ باور کروانے جا رہے تھے کہ انہوں نے ہاتھوں میں چوڑیاں نہیں پہن رکھیں اور وہ کسی بھی صورت اپنے محبوب رہنما کو کسی من گھڑت مقابلے میں مرنے نہیں دیں گے۔ وہاں دوسری طرف وہ اپنی قوم کا مورال بھی بلند کرنا چاہتے تھے......!! ابھی تک سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ نے گو کہ کبھی کھل کر خالصتان کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔ لیکن......! کوئی عقل کا اندھا بھی جان سکتا تھا کہ وہ دراصل اندر ہی اندر اپنی قوم کو کس انقلاب کے لئے تیار کر رہے ہیں۔ ان کے پیروکار جو سنت جی کے ساتھ شامل ہوتے تھے جانتے تھے کہ وہ خالصتان کی فوج کا حصہ ہیں۔

اور ان کا ''گورو'' انہیں آئے روز کسی ''روز بد'' کے لئے تیار رہنے کے لئے اشارے دیتا رہتا تھا۔

سنت جرنیل سنگھ نے ہر سکھ کو مسلح ہونے جدید ہتھیار حاصل کرنے، ان کی تربیت حاصل کرنے کا حکم دے رکھا تھا۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ میں خالصتان کے لئے نہ ''ہاں'' کرتا ہوں اور نہ ''ناں'' کرتا ہوں۔ اگر سرکار نے ہمیں خالصتان دینے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو ہم انکار کرنے والے کون ہوتے ہیں۔ ان کے ایسے ہی بیانات نے بھارت کے سرکاری حلقوں میں کھلبلی مچا دی تھی اور پنجاب کے ہندو ابھی سے پنجاب میں اپنا مستقبل غیر محفوظ سمجھنے لگے تھے۔

20 ستمبر کی دوپہر کو پولیس نے سکھوں کا جو قتل عام کیا تھا۔ اس کا جواب اس رات کو جالندھر سے اسے مل گیا......! تین مسلح موٹر سائیکل سوار جنہوں نے اپنے چہرے نقابوں سے ڈھانپ رکھے تھے......! جالندھر کے ''جگو چوک'' میں آئے اور ''خالصتان زندہ باد'' کے نعرے مارنے اور ہوائی فائرنگ کرنے لگے۔

انہوں نے ''جگو چوک'' سے اپنا سفر شروع کیا اور لال بازار، گڑ منڈی، فٹبال چوک سے گزرتے شہر میں گولیاں برساتے رہے۔ اس دوران وہ خالصتان اور سنت جرنیل سنگھ زندہ باد کے نعرے لگاتے رہے۔

گڑ منڈی کے نزدیک ان کا مقابلہ پولیس کی مسلح پارٹی سے ہوا۔ دونوں طرف سے فائرنگ شروع ہو گئی۔ پولیس والے تعداد میں ان سے بیس گنا زیادہ تربیت یافتہ اور مسلح تھے۔ لیکن......! حیرت کی بات تھی کہ چار پولیس اہلکار ان کی گولیوں کا نشانہ بنے، جب کہ دس بارہ زخمی بھی ہوئے۔

تینوں موٹر سائیکل سوار جس طرح دندناتے آئے تھے۔ اسی طرح دندناتے ہوئے واپس چلے گئے۔ اس دوران جالندھر میں ایک بھی سکھ ایسا دکھائی نہیں دے رہا تھا جس کی ہمدردیاں حکومت کے ساتھ ہوں۔ کیونکہ چوک مہتہ سے لاشیں اب جالندھر اور لدھیانہ پہنچنی شروع ہو گئی تھیں۔ یہ وہ بدقسمت سکھ تھے جن کی لاشیں ان کے عزیز و اقارب پولیس کی آنکھوں میں دھول جھونک کر کسی نہ کسی طرح ٹریکٹروں، ٹرالیوں اور ٹرکوں میں چھپا کر ان کے گھروں تک پہنچانے میں کامیاب ہو گئے......!!! اگلی رات مسلح سکھوں کی طرف سے ترن تارن میں سی آر پی کی ایک پارٹی پر حملہ ہوا ایک آفیسر مارا گیا جبکہ اس کے تین جوان شدید زخمی ہوئے۔ اس کے ساتھ ہی تخریب کاری کے واقعات کا آغاز ہو گیا......! خالصتان نواز سکھوں نے اپنی کارروائیوں کا آغاز ریل کی پٹڑیاں اکھاڑنے سے کیا۔ کئی جگہ ریل اور بسوں پر مسلح حملے ہوئے اور ان حملوں میں ہندوؤں کو چن چن کر نشانہ بنایا گیا۔

اس ضمن میں ایک بڑی تخریب کاری امرتسر سے جالندھر جانے والی مین لائن پر ہوئی جہاں سکھوں نے ریل کی پٹڑی اکھاڑ دی تھی اور مال گاڑی کے کئی ڈبے الٹ گئے۔ یہ لائن دو روز تک ریلوے ٹریفک کے لئے بند رہی۔ سیکیورٹی فورسز کے ساتھ سکھ حریت پسندوں کے مقابلے جاری رہے اور ہر روز پنجاب کے کسی نہ کسی شہر میں پولیس کے ساتھ خالصتان نواز سکھوں کے سیدھے مقابلے کی خبریں آنے لگیں......!!! اس دوران حکومت کے اس اعلان نے کہ بھارتی پولیس نے دمدمی ٹکسال سے بم بنانے کی ایک فیکٹری بھی پکڑی ہے......!!! (اس فیکٹری میں دیسی بم تیار کیے جاتے تھے) پنجاب بھر میں سنسنی کی تازہ لہر دوڑا دی۔ اس سے پہلے جو لوگ اسے ''وقتی مسئلہ'' قرار دے رہے تھے وہ بھی یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ معاملات ان کی توقعات سے کہیں زیادہ آگے بڑھ چکے ہیں۔

سنت بھنڈرانوالہ کی گرفتاری سے پنجاب کے خالصتان نواز سکھوں کو بہت تقویت ملی......! اس دوران پنجاب میں دو سکھ جتھے بندیاں واضح طور پر خالصتان کا نعرہ بلند کر چکی تھیں۔ ان میں ''دل خالصہ'' اور ''نیشنل کونسل آف خالصتان'' شامل ہے۔ دل خالصہ کا قیام 1978ء میں چوک مہتہ میں نرنکاریوں اور سکھوں کے درمیان ہونے والے فساد کے بعد عمل میں آیا تھا۔ 6 اگست 1978ء کو چندی گڑھ کے سیکٹر نمبر 35 میں اکال گڑھ گوردوارے میں ''دل خالصہ'' قائم کی گئی۔ اس کی سپریم کمان میں 5 ممبر شامل کیے گئے۔ سردار سرن سنگھ کو اس کا ''مکھ پنچ'' بنایا گیا۔ پانچ ممبری سپریم کونسل

کا سب سے زیادہ سرگرم رکن گنجد رسنگھ تھا جو بعد میں جہاز اغوا کر کے پاکستان لایا اور ازاں بعد لاہور کی جیل میں عمر قید کی سزا بھگت کر رہا ہو چکا ہے۔ اس جتھے بندی نے اپنا کام اندر ہی اندر جاری رکھا۔ ان کے خفیہ اجلاس ہوتے ......! ان کی طرف سے لٹریچر تقسیم کیا جاتا ......اور مختلف مذہبی مقامات پر اجتماعات میں سکھوں کو اپنے الگ اور آزاد وطن کے حصول کے لئے تیار کیا جاتا۔ مختلف سکھ حلقوں کی طرف سے الزام عائد کیا جاتا ہے کہ دراصل یہ جتھے بندی مرکز کے اشارے پر سنت جرنیل سنگھ کا ''سحر'' توڑنے کے لئے قائم کیے گئے تھے۔

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ ان ہی حلقوں میں یہ پراپیگنڈہ بھی کیا جا رہا تھا کہ سنت جرنیل سنگھ کانگریس کا آدمی ہے جسے حکومت نے ''اکالی دل'' کے سر پر لٹکتی تلوار کی صورت چھوڑ رکھا ہے تاکہ جب بھی اکالی دل سر اٹھائے یا کوئی الٹا سیدھا مطالبہ کرے تو اسے سنت جرنیل سنگھ کے ذریعے کچل کر رکھ دیا جائے۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ دونوں مفروضے جھوٹ ثابت ہوئے۔

سنت جی نے جان سے گزر کر اپنی صداقت منوالی اور ''دل خالصہ'' پر بھارت میں پابندی عائد ہو چکی ہے۔ 20 مارچ 1981ء کو دل خالصہ نے سکھوں کے مذہبی مقام آنند پور صاحب میں ایک خصوصی کنونشن بلایا۔ جس میں سکھوں کے آزاد وطن کا مطالبہ کیا گیا۔ یہاں خالصتان کا جھنڈا لہرایا گیا۔ جسے ہزاروں سکھوں نے سلامی دی اور خالصتان کا باقاعدہ نقشہ بھی جاری کر دیا گیا۔ ہر سمرن سنگھ آخری اطلاعات تک دہلی کی تہاڑ جیل میں نظر بند ہیں۔

نیشنل کونسل آف خالصتان بھی 1978ء میں ڈاکٹر جگجیت سنگھ چوہان اور پنجاب کے سابقہ وزیر بین الاقوامی شہرت یافتہ سکھ مصنف شاعر اور فلاسفر بلبیر سنگھ سندھو نے مل کر قائم کی۔ ڈاکٹر جگجیت سنگھ چوہان تو بعد میں انگلستان چلے گئے اور آج کل وہیں بیٹھ کر اس کونسل کو چلا رہے ہیں جب کہ ان کے دست راست بلبیر سنگھ سندھو نے ''دلکشا مارکیٹ جالندھر'' میں کافی عرصے تک اس کا دفتر قائم رکھا......! سردار سندھو نیشنل کونسل آف خالصتان کے جنرل سیکرٹری ہیں۔ وہ بلاشبہ سکالر ہیں۔ بھارت میں اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز رہے اور ایک پرتعیش زندگی کو تیاگ کر راہ فرار اختیار کرنے کی بجائے میدان عمل میں ڈٹے رہے۔

ان کی کتابیں ''موت دی چھاں بیٹھ'' ''دھول اڑدی ہے'' ''جے بان لاگے'' پنجابی ادب میں سند کی حیثیت رکھتی ہیں۔

سردار بلبیر سنگھ کی کئی کتابیں انگریزی اور گورمکھی زبانوں میں غیر ممالک سے شائع ہو چکی ہیں۔

1982ء میں جب حکومت نے ''دل خالصہ'' پر پابندی لگائی تو اگلے ہی روز یہ پابندی نیشنل کونسل آف خالصتان پر بھی لگا دی گئی۔ جس کے بعد سے سردار بلبیر سنگھ سندھو زیر زمین چلے گئے جہاں سے وہ آج تک تحریک خالصتان کے سرگرم لیڈر کی حیثیت سے منسلک ہیں۔

ان کی کوئی نہ کوئی نئی کتاب امریکہ، لندن، کینیڈا سے شائع ہوتی رہتی ہے۔ بھارتی حکومت کو اس بات کا ثبوت تو ملتا رہتا ہے کہ سردار بلبیر سنگھ سندھو زندہ ہے۔ لیکن......!

وہ کہاں ہے؟ یہ بات کوئی نہیں جانتا۔ آخری اطلاعات کے مطابق انہوں نے سکنڈے نیویا کے کسی ملک میں پناہ حاصل کر لی ہے۔

ہائی جیکنگ اور دل خالصہ

29 ستمبر 1981ء انڈین ایئر لائن کا بوئنگ جہاز دہلی کے پالم پور ہوائی اڈے پر روانگی کے لئے تیار کھڑا تھا۔ 117 مسافر جہاز میں سوار ہو چکے تھے دونوں پائلٹوں سمیت 6 افراد پر مشتمل جہاز کے عملے کے لئے یہ کوئی نیا روٹ نہیں تھا وہ لوگ گزشتہ کئی سالوں سے اس راستے پر سفر کرتے آ رہے تھے۔ آج خلاف معمولی فلائٹ ان ٹائم تھی......!!

کیپٹن کوہلی نے اس بات کا ذکر بڑے تمسخر سے اس وقت اپنے معاون سے کیا جب انہیں اے ٹی سی (ایئر کنٹرول ٹاور) نے اڑنے کے لئے سگنل دے دیا۔

''حیرت ہے.....آج ہم بروقت پرواز کر رہے ہیں'' ...... اس نے اپنے ساتھی کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا۔

''سر! کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے''......معاون نے ہنستے ہوئے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''کاش ایسا حسین اتفاق اکثر ہوا کرے''......کوہلی نے جہاز کے مختلف ڈائلوں پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

اس نے باری باری تمام بٹن دبا کر او۔کے رپورٹ دی اور روانگی کا سگنل دے کر جہاز کو گھسیٹنے کا گیئر لگا دیا۔

انڈین ایئر لائن کا بوئنگ 727 آہستہ آہستہ رینگنے لگا۔ موسم خلاف توقع بے حد خوشگوار تھا اور سری نگر کے ٹاور نے راستہ کلیئر ہونے کی اطلاع دی تھی۔ راستے میں آنے والے مختلف موسمیاتی مراکز سے بڑی اچھی خبریں مل رہی تھیں۔ جہاز نے اب رفتار پکڑ لی تھی۔ کوہلی کو بوئنگ پر مکمل کمانڈ تھی اور آرام دہ اور محفوظ پرواز کے لئے وہ اپنے ساتھیوں میں بڑے احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔

جلد ہی جہاز نے زمین سے بلند ہونا شروع کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے آسمان کی بلندیوں کو چھونے لگا۔

''یار جیسی اچھی خبریں مل رہی ہیں۔ مجھے تو ڈر ہے کہیں جہاز کو نظر ہی نہ لگ جائے''......

لدھیانے پر سے گزرتے ہوئے جب راستے میں اچھے موسم کی اطلاع ملی تو کیپٹن کوہلی نے اپنے معاون سے کہا۔

اس درمیان جہاز کی ''پرسر'' (چیف ایئر ہوسٹس) نے دونوں کے لئے کافی کے مگ بنا کر پیش کر دیئے تھے اور ان سے ہنسی مذاق کے بعد واپس آ گئی تھی۔

ابھی ایئر ہوسٹس کو ''اکانومی'' کلاس میں پہنچے بمشکل چار منٹ ہی گزر رہے تھے جب اچانک وہاں ایک طوفان بدتمیزی در آیا۔ اچانک ایک نوعمر سکھ اپنی سیٹ سے اٹھ کر باہر آ گیا۔ اس نے کرپان فضاء میں لہرائی اور خالصتان زندہ باد کا نعرہ بلند کر دیا......!!

اس سے پہلے کہ ایئر ہوسٹس کو معاملات کی سمجھ آئے۔ اس کی تقلید میں جہاز کے مختلف کونوں میں موجود چار اور سکھ بھی کھڑے ہو کر نعرے بلند کرنے لگے جہاز کے مسافر خوف سے سہم کر رہ گئے......!!

گزشتہ چند دنوں سے اخبارات میں جس طرح خالصتان نواز سکھوں کی سرگرمیوں کی خبریں آ رہی تھیں اس کے بعد سے بھارتی عوام ان کی دہشت گردی سے خوفزدہ رہنے لگے تھے۔

''خبردار اگر کسی نے اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش کی۔ یہ جہاز ہائی جیک ہو چکا ہے اگر کوئی مسافر اپنی جگہ سے ہلا تو ہم اس کا سر تن سے جدا کر دیں گے......میرے ساتھیوں نے جہاز میں ڈائنامائیٹ فٹ کر دیا ہے۔ اگر ذرا سی بھی ہوشیاری دکھائی گئی تو ہم جہاز کو اڑا دیں گے''......

ابھی اس کی بات مکمل ہی ہوئی تھی جب نوعمر سکھ نے اپنا بازو ننگا کر کے لہرایا اور خالصتان زندہ باد کا نعرہ بلند کرتے ہوئے اپنی کرپان بازو پر مار دی......اس کے بازو سے خون کی دھار نکلی اور زمین پر گرنے لگی......!اس مجنونانہ حرکت نے جہاز کے مسافروں کو اپنی جگہ پر ساکت کر دیا تھا۔ کئی عورتوں اور بچوں کی خوف کے مارے چیخیں نکل گئیں۔

''ہمیں اپنی جانوں کی بالکل پرواہ نہیں ہے۔ ہم تو مرنے کے لئے ہی گھروں سے نکلے ہیں۔ ہمارا آپ لوگوں سے کوئی بیر نہیں۔ کوئی دشمنی نہیں۔ ساری جنگ بھارت کی برہمن سرکار سے ہے۔ آپ کو کچھ نہیں کیا جائے گا لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ آپ ہمارے ساتھ تعاون کریں''......

اس اثناء میں ان کا وہ ساتھی جس نے سب سے پہلے اپنی جگہ کھڑے کھڑے مسافروں کو جہاز کے اغوا ہونے کی خبر دی تھی تیزی سے کاک پٹ کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں ننگی کرپان تھام رکھی تھی......! فکاک پٹ کا دروازہ کھول کر اسنے کیپٹن کوہلی کی گردن پر کرپان کی نوک رکھ دی۔

''جہاز اغوا ہو چکا ہے...... میرے ساتھیوں نے اس میں ڈائنامائیٹ لگا دیا ہے۔ فوراً جہاز کا رخ لاہور کی طرف موڑ لو......''

کوہلی نے تھوڑی سی گردن گھما کر اس سکھ کی طرف دیکھا جس کی آنکھوں سے خون برس رہا تھا اور جو کرپان اس کی گردن پر لگائے اسے جہاز کا رخ موڑنے کا حکم دے رہا تھا۔

''تمہیں اس بات کا علم ہے کہ ہم لاہور نہیں جا سکتے''...... کوہلی نے کمال حیرت سے اپنے آپ پر قابو پایا تھا۔

مجھے بتانے یا سمجھانے کی کوشش نہ کرو۔ اس جہاز میں کتنا پٹرول ہے...... کئی دیر پرواز کر سکتا ہے اور لاہور یہاں سے کتنی دور ہے۔ مجھ اس کا علم ہے۔ اگر اپنا اور جہاز کے مسافروں کا بھلا چاہتے ہو تو صرف احکامات پر عمل کرو۔''

ہائی جیکر سکھ نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں کہا۔

کوہلی نے اس کی ایک بات سے ہی اندازہ کر لیا تھا کہ یہ بہت جذباتی لوگ ہیں اور جذبات کی رو میں بہہ کر کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ بھارتی ایئر لائن کے اغوا کا یہ پہلا واقعہ تھا......!! اس سے پہلے فلسطینی اور ریڈ آرمی والوں نے جہاز اغوا تو کیے تھے۔ لیکن......! بھارت میں کبھی کسی نے یہ سوچا بھی نہیں ہو گا کہ یہاں سکھ جہاز بھی اغوا کر سکتے ہیں...... اغوا کنندگان نے کوہلی کو بھارتی اتھارٹیز سے صرف چند منٹ بات کرنے کی اجازت دی تھی۔ اس درمیان کیپٹن کوہلی بمشکل اپنے افسران کو یہ سمجھا پایا تھا کہ اس کا جہاز خالصتان نواز تنظیم ''دل خالصہ'' کے حریت پسندوں نے اغوا کر لیا ہے اور اسے لاہور کی طرف جانے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔

اس نے لدھیانہ کے کنٹرول ٹاور سے بات کی تھی جہاں سے اسے کسی بھی صورت جہاز کو لاہور لے جانے کی اجازت نہیں مل رہی تھی۔

''کوہلی! جس طرح بھی ممکن ہو جہاز بھارت میں اتار لو''...... اے ٹی سی سے پیغام لو۔

''میں بے گناہ مسافروں کی جان کا خطرہ مول نہیں لے سکتا؟'' اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے تم کسی طرح جہاز امرتسر کے ''راجا سانسی'' ہوائی اڈے پر اتار لو۔ ہم یہاں پاکستانی ماحول پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں''...... کوہلی کو خفیہ زبان میں پیغام ملا۔

کوہلی جانتا تھا ایسا ممکن نہیں......!

لیکن......!

وہ ان احکامات کی پابندی پر مجبور تھا۔ کسی نہ کسی طرح اس نے ہائی جیکروں کو مطمئن کیا اور جہاز کو امرتسر کے ہوائی اڈے پر لے آیا۔

''ہم لاہور پہنچ گئے ہیں''...... اس نے بالآخر کہا۔

''میں کنٹرول ٹاور سے خود بات کروں گا''...... ہائی جیکروں کے لیڈر گجندر سنگھ نے جو اس کے سر پر کھڑا تھا کہا۔

''ٹھیک ہے''...... کہتے ہوئے کوہلی نے مائیک اسے تھما دیا۔

ابھی گجندر سنگھ نے بمشکل دو تین سوال ہی کیے تھے جب کوہلی کو اپنی گردن پر کرپان کا دباؤ محسوس ہوا۔

''اگر آئندہ ہمیں دھوکہ دینے کی کوشش کی تو تمہاری گردن تن سے جدا کر دوں گا''...... اسے وارننگ دی گئی۔

کوئی سمجھ گیا تھا کہ یہ لوگ کسی جال میں پھنسنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اپنے ملک کے اخبارات کے مطالعے سے اس نے بھی عام بھارتی شہریوں کی طرح یہ رائے ضرور قائم کر لی تھی کہ سکھ دہشت گردوں کو پاکستان کی پشت پناہی حاصل ہے......! وہ پیشہ ور آدمی تھا۔ فلائنگ اس کا عشق تھا۔

اسے سیاست سے کبھی دور کا بھی تعلق نہیں رہا تھا۔ اس لئے وہ اخبارات میں چھپنے والی خبروں کو ہی سچ جاننے لگا تھا۔ اسے اس بات کا علم تھا کہ سنت بھنڈرانوالہ کی کمان میں سکھ خالصتان کے حصول کے لئے اپنی مسلح جدوجہد کا آغاز کر چکے ہیں۔ لیکن......! اس نے یہ نہیں سوچا تھا کہ ایک روز اس کے جہاز کو ہی یہ لوگ اغوا کر لیں گے۔ کوہلی نے چپ چاپ ان لوگوں کے احکامات پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ جہاز کا کپتان تھا اور اس میں موجود سینکڑوں بے گناہوں کی جان کی حفاظت کا ذمہ دار بھی......! کوہلی نے چپ چاپ جہاز کا رخ لاہور کی طرف موڑ لیا تھا......!! 29 ستمبر 1981ء کی شام کو جہاز کا رابطہ لاہور سے قائم ہو چکا تھا......!! کوہلی نے لاہور کی فضاء پر چکر لگانے شروع کر دیئے

تھے۔ اسے جہاز یہاں لینڈ کرنے کی اجازت نہیں مل رہی تھی کیونکہ پاکستان سکھوں اور ہندو سرکار کی اس جنگ کا فریق بننے کے لئے تیار نہیں تھا...... جہاز میں پٹرول آہستہ آہستہ ختم ہونے لگا تھا اور دوسری طرف پائلٹ کو مسلسل چکر لگاتے رہنے کا حکم ملا تھا......اب جہاز ایک انجن پر اڑ رہا تھا۔

جب لاہور کنٹرول ٹاور کو یقین ہو گیا کہ جہاز کے مسافروں کی جان صرف اسی صورت میں بچ سکتی ہے جب اسے یہاں اترنے کی اجازت مل جائے تو انہوں نے بادل نخواستہ جہاز کو اترنے کی اجازت دے دی۔

30 ستمبر 1981ء کی صبح پاکستانی کمانڈوز کے جہاز پر حملہ کر کے ہائی جیکروں کو گرفتار کر لیا اور جہاز کے مسافروں کو رہائی نصیب ہوئی۔

یہ دنیا کی ’’ہائی جیکنگ‘‘ تاریخ کا سب سے زیادہ شریفانہ اغوا تھا جس میں ہائی جیکروں نے کسی مسافر کو گزند پہنچانے کے بجائے اپنے جسم سے خون بہا کر جہاز کو اغوا کیا تھا۔

29 ستمبر 1981 کی شام ہی کو اغوا کنندگان نے اپنی شرائط پاکستانی حکام کو جہاز کی رہائی کے لئے پیش کر دی تھیں۔ اسی روز شام گئے امرتسر کے دربار صاحب کمپلیکس میں دل خالصہ کے مکھ پنچ سردار ہرسمرن سنگھ نے ایک ہنگامی پریس کانفرنس بلائی اور اخبار نویسوں کے سامنے پہلے سے تیار شدہ بیان پڑھ کر سنا دیا۔ اس بیان کی رو سے ’’دل خالصہ‘‘ نے جہاز کے اغوا کی ذمہ داری اپنے سر لیتے ہوئے جہاز کی رہائی کے لئے مندرجہ ذیل شرائط پیش کی تھیں۔

1- سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ کو 30 ستمبر 1981ء کی صبح 8 بجے تک غیر مشروط طور پر رہا کر دیا جائے۔

2- چوک مہتہ میں مارے گئے سکھوں کے خاندانوں کو ایک لاکھ روپیہ فی خاندان کے حساب سے فوری طور پر حکومت ادا کرے۔

3- خالصتان کے مسئلے پر بھارتی حکومت پاکستانی صدر جنرل ضیاء الحق کے ذریعے دل خالصہ سے مذاکرات کرے۔ پاکستانی صدر دل خالصہ کے بات چیت کرنے والے وفد کی جان کی سلامتی کی ضمانت دیں۔

سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ کی رہائی کے لئے جہاز کے اغوا کا واقعہ اور وہ بھی خالصتان کی تح تنظیم کی طرف سے یہ واضح کرنے کے لئے کافی تھا کہ سنت جی کہاں کھڑے ہیں؟......‘‘

CM K 28-10-2010- colour focus

بھارتی عقوبت خانوں میں
تشدد کے ذریعے ہلاک اور زندہ درگور سکھ

ھارتی سامراج
ے سکھ شہریوں
ساتھ سلوک
ں تشدد سے
ک کیا گیا

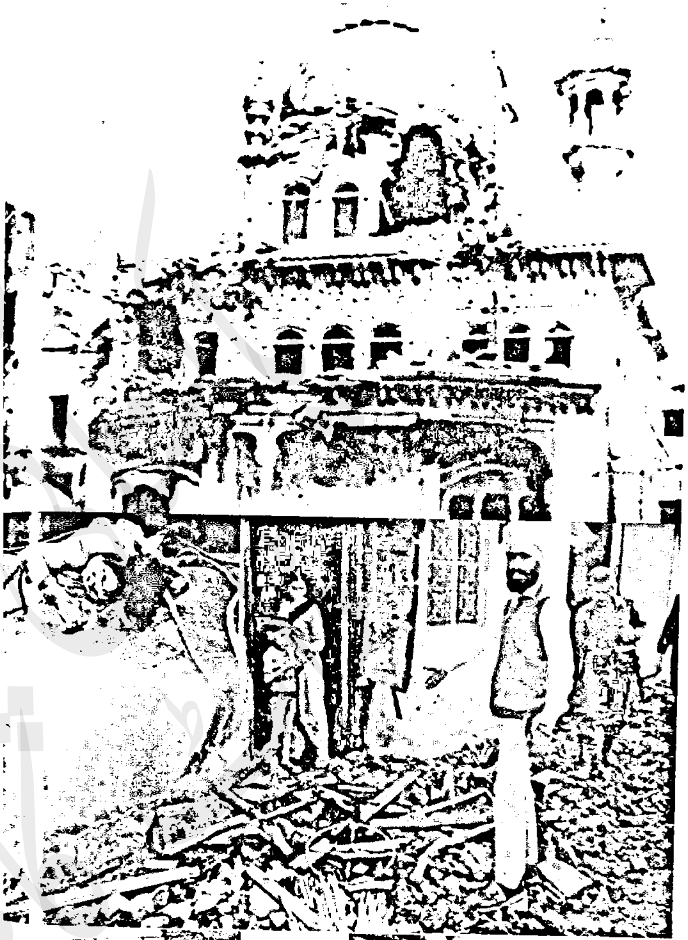

دربار صاحب کو
نذر آتش کرنے
والے برہموں
نے گردوارے
ہی نہیں انسانوں
اور گھروں کو بھی
جلا کر راکھ کر دیا

اگر وہ خالصتان نواز نہ ہوتے تو 1981ء میں ان کے پیروکار جہاز اغوا کرنے کی اس کارروائی
ِ مذمت کر دیتے۔لیکن......!انہوں نے ایسا نہ کر کے ثابت کر دیا کہ اصل میں ان کا نشانہ کیا ہے۔
رتی انٹیلی جنس کا منصوبہ کامیابی سے آگے بڑھ رہا تھا۔مسز اندرا گاندھی کی زیر کمانڈ وجود میں آنے
ی ''تھرڈ ایجنسی'' کے کارکن پنجاب میں خصوصاً حالات میں بگاڑ پیدا کر رہے تھے۔ان کا مقصد تھا
ہ جس طرح بھی ممکن ہو حالات اتنے خراب کر دیئے جائیں کہ سنت جرنیل سنگھ اپنے سورماؤں کے
تھ دربار صاحب میں مورچہ بند ہو کر ہتھیار سنبھال لے اور بھارتی فوج سے ٹکرا جائے......!بھارتی
دمت پر دباؤ مسلسل بڑھ رہا تھا......!

بچوں کی آدھ جلی لاشیں نوجوانوں اور بزرگوں کو
بربریت کی بھینٹ چڑھایا گیا

سنت بھنڈرانوالہ کا انٹرویو

5 اکتوبر 1981ء کو حکومت بالآخر فیروز پور جیل سے سنت جی کو رہا کرنے پر مجبور ہوگئی لالہ جگت نرائن اور نرنکاری گورو کے قتل کے الزام میں سنت جرنیل سنگھ کو گرفتار کیا گیا تھا۔ اسی ضمن میں ان کی تفتیش ہوتی رہی۔ دوران تفتیش سنت جی سے جو سوالات کیے جاتے رہے وہ کچھ اسی نوعیت کے تھے۔

سوال: بھنڈرانوالہ جتھہ کی تعداد کتنی ہے؟ جو اس میں شامل ہو اس سے کیا وعدہ لیا جاتا ہے؟

جواب: گنتی کا علم تو خدا کی ذات کو ہوگا مجھے نہیں۔ کوئی خاص شرط عائد نہیں کی جاتی سوائے اس کے کہ شامل ہونے والے کو سکھ مذہب کا مکمل پیروکار بننا پڑتا ہے۔

سوال: بڑے بڑے پیروکار کون ہیں؟

جواب: ہمارے ہاں سب برابر ہیں کوئی بڑا چھوٹا نہیں۔

سوال: آپ کی جماعت کی مالی پوزیشن کیا ہے؟ بنک اکاؤنٹ وغیرہ؟

جواب: کسی بنک میں کوئی اکاؤنٹ نہیں جب بھی کوئی معاملہ درپیش ہو ہم آپس میں چندہ جمع کر لیتے ہیں۔

سوال: آمدن کے ذرائع اس کے علاوہ کیا ہیں؟

جواب: سکھ سنگت......اور کچھ نہیں۔

سوال: خاص لوگ جو آپ کے اردگرد جمع رہتے ہیں ان کے نام؟

جواب: سب خاص لوگ ہیں کوئی عام آدمی نہیں۔

سوال: اچھا اپنے ''سیوا داروں'' کے نام پتے بتا دیجئے۔

جواب: کوئی سیوادار نہیں۔ ہم خود ''سیوادار'' ہیں۔

سوال: آپ کے پاس کتنی گاڑیاں ہیں؟

جواب: تین تھیں جو پولیس نے جلا دیں۔ ایک میرے پاس ہے۔

سوال: یہ گاڑیاں کہاں سے آئیں؟

جواب: سکھوں نے خرید کر دیں۔ مجھے ان کے نام نہیں معلوم۔

سوال: آپ کو یہ تو علم ہوگا کہ خریدنے کے لئے روپیہ کہاں سے آیا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے پردہ غیب سے مدد فرمائی اور اپنے خزانے سے دیا۔

سوال: آپ کے باڈی گارڈوں کی تعداد کتنی ہے؟

جواب: میرا کوئی مستقل باڈی گارڈ نہیں

سوال: ان کے پاس کیا کیا اسلحہ ہے؟

جواب: میرے پاس ذاتی اسلحہ کوئی نہیں۔ کسی سکھ کے پاس ہو اور وہ آجائے تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔

سوال: اسلحہ کب اور کہاں سے خریدا؟

جواب: میرے نام پر کوئی اسلحہ نہیں۔ پیروکاروں نے اگر جماعت کے دفتر کا ایڈریس دے دیا ہو تو میں نہیں کہہ سکتا۔

سوال: آپ کے خاندان کے لوگوں کے پاس اسلحہ اور لائسنس موجود ہیں؟

جواب: مجھے علم نہیں۔ یہ سوال آپ ان سے ہی کریں تو بہتر ہوگا۔

سوال: خاندان کے کتنے ممبر جتھے میں شامل ہیں؟

جواب: میرا کوئی رشتہ دار مستقل میرے ساتھ شامل نہیں۔

سوال: آپ کا مشن کیا ہے؟

جواب: میرا ذاتی مشن کوئی نہیں۔ میں تو گورو گوبند سنگھ کے مشن کا پرچار کر رہا ہوں جس کے مطابق سکھوں کو ''امرت پلانا'' گورو گوبند سنگھ کے لڑ لگانا، تمام نشہ آور اشیاء حتیٰ کہ چائے تک سے منع کرنا میرا کام ہے۔

سوال: کیا پرچار کرتے ہیں؟

جواب: گوربانی (گورو کا کلام) پڑھنا اور پڑھانا۔ اس کی تشریح کر کے لوگوں کو سمجھانا اور کھ کرنی (یعنی عبادت کرنی گا بجا کر)

سوال: پرچار کرنے کے لئے پنجاب میں کہاں کہاں جاتے ہیں؟

جواب: جہاں لوگ بلا لیں چلا جاتا ہوں۔

سوال: خرچہ آنے جانے کا کون اٹھاتا ہے!

جواب: خدا کو ماننے والے لوگ۔

سوال: اکالی دل سے کیا تعلق ہے؟

جواب: جو گورو گرنتھ صاحب (سکھوں کی مقدس کتاب) ماننے والے کسی بھی فرد کے ساتھ ہو سکتا ہے۔

سوال: دیگر سیاسی جماعتوں سے تعلقات کی نوعیت۔

جواب: مذہب سے ہی تعلق کی بنیاد بندھتی ہے۔ کسی پارٹی کے حوالے سے تعلقات قائم نہیں ہوتے۔

سوال: ''نرنکاری'' فرقے سے کیا اختلاف ہے!

جواب: وہ گورو گرنتھ صاحب کی توہین کرتے ہیں جس کا ثبوت ان کی طرف سے شائع کردہ کتابوں ''یوگ پرش'' اور ''اوتارنی'' میں موجود ہے۔

سوال: اس اختلاف کی وجہ سے آپس میں ٹکراؤ کب سے شروع ہوا؟

جواب: جب سے نرنکاری فرقے نے یہ گھناؤنا کام شروع کیا ہے۔ اس کا آغاز بہت پہلے ہو چکا ہے۔

سوال: کہاں کہاں کیا کیا واقعات اس سلسلے میں پیش آئے۔

جواب: میرے دور میں 1978ء کا واقعہ ہی سب سے زیادہ اہم ہے۔

سوال: امرتسر والے حادثے کی اہمیت کیا ہے؟

جواب: پہلے بتا چکا ہوں کہ وہ لوگ ہماری مقدس کتاب کی توہین کرتے ہیں جو ہمارے لئے ناقابل برداشت ہے۔

سوال: نرنکاریوں کے مقدمے سے بری ہونے کی وجوہات کیا سمجھتے ہیں؟ بدلہ لینے کے لئے کیا

وگرام بنایا ہے؟

جواب: بری ہونے کی وجہ تو عدالت جانے۔ بدلہ لینے کا صحیح طریقہ یہی سوچا ہے کہ سکھ دھرم کا چار تیز کر دیا جائے۔

سوال: ان واقعات میں اخبارات کا کیا رول ہے؟

جواب: اخبار والے ہی بتا سکیں گے۔

سوال: آپ پر اخبارات میں جو الزامات لگائے جاتے ان کے جوابات آپ کس طرح دیتے ہے؟

جواب: میں صرف گورمکھی زبان پڑھ سکتا ہوں اور کبھی کبھی کوئی پنجاب اخبار ہی پڑھا کرتا ں...... میں نے کبھی لکھ کر الزامات کا جواب نہیں دیا۔ اگر کسی نے سوال کیا تو اسے جواب دے دیا رتا ہوں۔

سوال: جو اخبارات آپ کے خلاف لکھتے تھے انہیں کس طرح منع کرتے ہیں؟

جواب: میں نے کبھی اس مسئلے کو اہمیت نہیں دی نہ ہی اسے ذاتی مسئلہ بنایا ہے مجھے تو یہ سمجھ نہیں آتی بعض اخبارات کے لوگ مجھ سے ناراض کیوں ہیں۔

سوال: آپ کے بیانات اخبارات میں کس طرح چھپتے ہیں؟

جواب: میری تقریروں کے اخبار نویس نوٹس لے کر شائع کر دیتے ہیں۔

سوال: آپ کی طرف سے اخبارات کو بیان کون جاری کرتا ہے؟ یعنی آپ کا پریس سیکرٹری کون ہے؟

جواب: ہر پڑھا لکھا حلقہ میرا پریس سیکرٹری ہے۔

سوال: پنجاب حکومت نے جب اسلحے پر پابندی لگائی تو آپ نے کتنے ناجائز ہتھیار داخل روائے تھے؟

جواب: میرے پاس اسلحہ ہی نہیں۔ داخل کیا کرواتا۔

سوال: اس وقت آپ کے کتنے ساتھیوں پر مقدمات چل رہے ہیں!

جواب: مجھے علم نہیں۔ کبھی حساب کتاب نہیں رکھا۔

سوال: کس کس ممبر کے پاس کون کون سا اسلحہ ہے؟ گولیاں کتنی ہیں؟ جتھے کے نام پر کون کون سا

اسلحہ ہے؟

جواب: مجھے علم نہیں۔

سوال: اسلحہ خریدنے کے لئے رقم کہاں سے آئی؟

جواب: میرے پاس اسلحہ ہی نہیں۔ رقم کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے۔

سوال: آپ کا بھائی جاگیر سنگھ اور اس کا بیٹا سورن سنگھ کہاں چھپے ہیں؟ جاگیر سنگھ کی کار بائن کہاں ہے؟

جواب: مجھے کسی بات کا علم نہیں۔

سوال: نرنکاری سمیلن پر آپ کے کن ساتھیوں کے وارنٹ جاری ہوئے؟

جواب: اس کا زیادہ بہتر علم تو آپ کو یا وارنٹ جاری کرنے والوں کو ہوگا۔

سوال: آپ انہیں عدالت میں پیش کیوں نہیں کرتے؟

جواب: میرے پاس ہوں گے تو میں پیش کروں گا۔

سوال: آپ کے نزدیک ان مفرور ملزموں کی حیثیت کیا ہے؟

جواب: میری رائے محفوظ ہے۔

سوال: 2 اگست 1981 کو آپ نے حکومت کو للکار کر کہا ایک مفرور ''گورکھ سنگھ'' میرے پاس بیٹھا ہے حکومت اسے گرفتار کر کے دکھائے۔

جواب: یہ جھوٹ ہے۔

سوال: آپ نے سکھ دہشت گردوں کی ماؤں اور بہنوں کو خصوصی ''سروپے'' (اعزاز) دیئے۔ اس کی وجہ؟

جواب: میرے نزدیک وہ دہشت گرد نہیں سکھوں کی آن بان ہیں۔

سوال: آپ نے یہ بھی کہا کہ وقت آنے پر ایسے دہشت گردوں کو سونے چاندی سے تولیں گے، ان کی کس خدمت کا انعام تھا؟

جواب: مجھے علم ہوا کہ رنجیت سنگھ نامی مفرور نوجوان کو صرف سکھ ہونے کی وجہ سے پولیس نے ظلم کا نشانہ بنایا اور اخبار نویسوں نے مجھے کہا کہ پولیس کو شک ہے کہ وہ میرے پاس چھپا ہے۔ جس پر میں نے کہا کہ اگر وہ میرے پاس آیا تو میں اسے سونے چاندی سے تولوں گا۔

سوال: نرنکاری بابا گوربچن کو کس نے قتل کیا؟

جواب: میں کیا جانوں؟

سوال: آپ کے ساتھیوں کا نام کیوں آیا؟

جواب: 1978ء کے سانحے کی وجہ سے۔

سوال: اگر آپ سچے ہیں تو انہیں پیش کیوں نہیں کرتے؟

جواب: وہ میرے پاس نہیں ہیں

سوال: آپ کے گاؤں کے کتنے لوگ آپ کے ساتھ ہیں۔ پرسا سنگھ (مفرور) کہاں ہے۔؟

جواب: دونوں باتوں کا جواب نہیں دے سکتا۔ مجھے تعداد کا علم نہیں نہ ہی پرسا سنگھ کے متعلق کچھ بتاہوں۔

سوال: *نکھتر سنگھ آپ کے ساتھ کب شامل ہوا؟

جواب: وہ کون ہے؟

سوال: سورن سنگھ مستقل آپ کے ساتھ رہتا ہے؟

جواب: اس کی خوشی...... باقی لوگوں کے ساتھ آجاتا ہے۔

سوال: گزشتہ چار ماہ کی سرگرمیاں کیا ہیں؟

جواب: مجھے یاد نہیں جہاں سکھوں نے بلایا ہم چلے گئے۔

سوال: آپ جہاں جہاں گئے کن کن لوگوں نے آپ کی خدمت کی؟

جواب: تمام سکھوں نے۔ کوئی خاص نام یاد نہیں رہا۔

سوال: آپ کے ساتھی کون تھے؟

جواب: سب کے نام یاد نہیں (سنت جی نے کچھ نام بتادیئے)

سوال: گاڑیاں اور اسلحہ کون سا تھا؟

جواب: دو بسیں، ایک ٹرک، اسلحے کے متعلق اسلحے والے ہی بتا سکتے ہیں۔ میرے پاس تو مذہبی کتابیں ہی ہوتی ہیں۔

سوال: لالہ جگت نرائن کے قتل کی خبر کب ملی؟

جواب: تاریخ یاد نہیں۔ لوگوں نے بتایا تھا۔

سوال: فائرنگ کس خوشی میں کی؟

جواب: میں نے نہیں کی۔

سوال: سورن اور دلبیر سنگھ (لالہ جگت نرائن کے قاتل) کب آپ سے ملے؟

جواب: مجھے نہیں ملے۔

سوال: کیا کیا باتیں ہوئیں؟

جواب: جب ملے ہی نہیں تو باتیں کیا ہوں گی۔

سوال: آپ اگلی رات فرار ہو کر پنجاب کیوں گئے؟

جواب: فرار کیسا؟ میں اپنے گوردوارہ استھان پر امرتسر آ گیا تھا۔

سوال: وارنٹ کی خبر کب ملی؟

جواب: 16 ستمبر 1981ء کو جب وارنٹ دکھائے گئے تب علم ہوا۔

سوال: امرتسر کیوں گئے؟

جواب: اشنان کرنے گیا تھا۔

سوال: کن راستوں سے فرار ہو کر امرتسر پہنچے؟

جواب: جن راستوں سے میرا گورو مجھے لے کر گیا۔

سوال: گرفتاری پیش کرنے میں دیر کیوں لگائی؟

جواب: کچھ انتظامات کرنے تھے۔

سوال: کس کس لیڈر سے کیا کیا صلاح مشورہ ہوا؟

جواب: ذاتی معاملہ ہے میں بتا نہیں سکتا۔

سوال: اس وقت گوردوارے میں کون کون ہے؟

جواب: کوئی مفرور نہیں، اگر ہے تو آپ پکڑ لیں۔

سوال: ان کے پاس اسلحہ کون کون سا ہے؟

جواب: جب وہ ہی نہیں تو اسلحہ کیسا؟

سوال: اسلحے کی گنتی کس طرح کرتے ہیں؟

جواب: کوئی خاص طریقہ نہیں جس کا اسلحہ ہو اپنے پاس رکھتا ہے۔

سوال: اسلحہ کس طرح تقسیم کرتے ہیں؟

جواب: اپنا تو ہے نہیں تقسیم کیا کریں گے!

سوال: آپ کی غیر حاضری میں اسلحے کا انچارج کون ہوتا ہے؟

جواب: کوئی نہیں

سوال: لالہ جی کا قتل آپ کے حکم سے آپ کے پیروکاروں نے کیا ہے؟

جواب: میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

سوال: نرنکاری گورو کا قتل بھی آپ کے حکم سے آپ کے پیروکاروں نے کیا۔

جواب: غلط ہے۔ میں اس الزام کو تسلیم نہیں کرتا۔

(بحوالہ سنت بھنڈرانوالہ کے آخری سات دن)

ببر خالصہ اور تھرڈ ایجنسی

ان سوالات اور جوابات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سنت جی کا رویہ بھارتی حکومت کے ساتھ کیسا تھا؟ یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ وہ مفرور سکھوں کو نہ صرف پناہ دیتے بلکہ ان کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔ سنت جرنیل سنگھ کی رہائی کے ساتھ ہی خالصتان تحریک نے زور پکڑا اور بھائی فوجا سنگھ کے بعد اکھنڈ کیرتنی جتھے کے زیر زمین حریت پسند جنہیں بیر خالصہ کا نام دیا جاتا ہے۔ پہلی مرتبہ تب سامنے آئے جب 16 نومبر 1981ء کو نرنکاری پرمکھ پہلا وچند کو تین انجام حملہ آوروں نے گولیاں مار کر ہلاک اور اس کے بیٹے کو سخت زخمی کر دیا جو بعد میں زخموں کی تاب نہ لا کر مر گیا...... حملہ آور تو فرار ہو گئے لیکن اپنا موٹر سائیکل موقع پر چھوڑ گئے۔ جالندھر پولیس نے بعد میں اس سلسلے میں تلوندر سنگھ پرمار، (کینیڈا) ترسیم سنگھ (برطانیہ) وداھوا سنگھ (بیر خالصہ کا موجودہ جتھے دار) مفرور قرار دے دیا اور بھنڈرانوالہ کو ان کا لیڈر بتانے کی کوشش کی حالانکہ ان کا تعلق سنت جی کی جماعت سے کبھی نہیں رہا تھا۔

تلوندر سنگھ پرمار پنجاب سے فرار ہو کر کینیڈا کیسے پہنچا؟ اس کا شمار پراپرٹی کا بزنس کرنے والے بڑے پراپرٹی ڈیلرز میں کیسے ہونے لگا؟ یہ طویل کہانی ہے۔ تلوندر سنگھ پرمار بلاشبہ ایک عرصہ تک دہشت کی علامت بنا رہا۔ کیتھے پیسفک ایئر لائن کی پرواز جو آئرلینڈ کی فضا میں تباہ ہوئی کا ذمہ دار گردانا گیا لیکن عدم ثبوت پر محفوظ رہا۔

تلوندر سنگھ پمار ایک امرت دھاری سکھ تھا۔ آخری دور میں اس کی جتھہ بندی ببر خالصہ سے اس اختلافات لیڈرشپ کے مسئلے پر کھڑے ہوئے تھے لیکن وہ اپنے مشن میں ''خالصہ'' تھا۔ بالآخر ایک روز وہ آرام آسائش کی زندگی تیاگ کر کینیڈا سے نکل گیا اور بھارتی پنجاب میں خالصتان کی آزادی

کی جنگ کا حصہ بنا۔ تلوندر سنگھ پرمار کو بھارتی پولیس نے جالندھر میں گرفتار کیا اور ''فرار'' کا ڈرامہ رچا کر مار ڈالا۔ بلاشبہ وہ ایک بہادر گورسکھ تھا۔

کیپٹن شرما چکرا کر رہ گیا......!

بات ہی ایسی تھی۔ بڑی مشکل سے اس نے ''شکار'' قابو کیا تھا اور جب وہ ''شکار'' پر ہاتھ ڈالنے جا رہا تھا۔ عین ان لمحات میں اس کے او۔ سی نے اسے منع کر دیا کیپٹن شرما کا تعلق ملٹری انٹیلی جنس کے اس ایڈوانس یونٹ سے تھا جو راجستھان کے اس حساس محاذ پر سرگرم عمل تھا......!! گنگانگر سرحدی ضلع تھا جہاں چپے چپے پر سمگلر موجود تھے۔ صحرائی علاقہ ہونے کی وجہ سے اس علاقے کو سمگلروں کی جنت بھی کہا جاتا تھا......!

شام ڈھلتے ہی ساری سرحد سمگلنگ کی منڈی میں تبدیل ہو جاتی تھی۔ بی ایس ایف (بارڈر سیکیورٹی فورسز) کے لئے سمگلروں کو روکنا کسی بھی طرح ممکن نہیں رہا تھا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہاں کا جغرافیائی محل وقوع تھا......! صحرائی علاقہ ہونے کے سبب یہاں سرحدی پوسٹیں ایک دوسرے سے دوری پر واقع نہیں رات کو یا دن کے کسی حصے میں شدید گرمی کے سبب پیدل پٹرولنگ ممکن نہیں تھی اور ایک دوسرے سے زیادہ فاصلے پر سرحدی پوسٹیں ہونے کے سبب انہیں اونٹوں پر سفر کرنا پڑتا تھا......

یہ لوگ جب صحرا میں دور سے ٹارچیں جلا کر ملاپ کرتے تو کافی فاصلے پر موجود سمگلر ضرور خبردار ہو جایا کرتے تھے یہ الگ بات کہ پٹرولنگ پارٹیوں کو ایک دوسرے کی خبر نہیں ہوتی تھی۔

ملٹری انٹیلی جنس کا یہ ایڈوانس یونٹ جو کیپٹن شرما کی کمانڈ میں اس سیکٹر میں کام کر رہا تھا اس کے لئے تشویشناک اطلاع یہ تھی کہ اس سرحد سے دیگر اشیاء کے علاوہ اسلحے کی سمگلنگ عام ہے۔

جس روز کیپٹن شرما کے ''خصوصی ذرائع'' نے اسے مطلع کیا کہ اسلحے کی سمگلنگ مقامی ایم ایل اے کروا رہا ہے تو وہ چونک پڑا۔ کیپٹن شرما کے لئے تشویشناک بات یہ تھی کہ سول انٹیلی جنس ایجنسیاں جب یہ جانتی ہیں کہ ایم ایل اے اسلحے کی سمگلنگ میں ملوث ہے تو وہ اسے گرفتار کیوں نہیں کرتے؟ پھر خود ہی اس نے سوچا ممکن ہے اس کی وجہ کرپشن یا پھر ''سیاسی دباؤ'' رہا ہو کیونکہ اس ملک میں بیشتر قباحتوں کی سرپرستی یہی لوگ کرتے ہیں۔

کیپٹن شرما نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا تھا کہ وہ اس اطلاع کے پھیلنے سے پہلے ہی کارروائی کر

گزرے گا۔

وہ نہیں چاہتا تھا کہ ایم ایل اے خبردار ہو جائے اور اس کے کیے کرائے پر پانی پھر جائے۔ شرما کو اس بات کا بھی احساس تھا کہ مقامی پولیس اور سول انٹیلی جنس ایجنسیاں بھی اس شخص کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی۔ جس روز اسے علم ہوا کہ ''را'' کے آفیسر نے بھی اس کی طرف سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں تو اس کا خون کھول اٹھا۔

آخر وہ بھارت ماتا کا جیالا سپوت تھا......

وہ بھارتی آرمی کا ایک جانباز اور ذمہ دار آفیسر تھا اور اس کا فرض تھا کہ ملک کے خلاف ہونے والی کسی بھی سازش کے خلاف ڈٹ جائے اور اپنی جان پر کھیل کر بھی اپنے فرائض پورے کرے......

ابھی تک شرما نے اس علاقے میں پہلے سے روبہ عمل سرگرمیوں کے طرز عمل کا جائزہ لیا تھا۔ یہ تو اس کے لئے کبھی اچھنبھے کی بات نہیں تھی کہ سول ایجنسیوں کے لوگ ایم ایل اے پر ہاتھ نہیں ڈال رہے۔ لیکن...... ''را'' بھی خاموش ہے۔ اس اطلاع نے اسے پریشان کر دیا تھا۔ پہلے تو کیپٹن شرما نے یہی گمان کیا کہ عین ممکن ہے یہ شخص کانگریس میں اپنے اثر و رسوخ کی وجہ سے سول ایجنسیوں کو مفلوج کر سکتا ہو۔ لیکن...... ''را'' تو لامحدود اختیارات کی مالک تھی۔

ملک میں ایسا پہلی مرتبہ ہوا تھا۔ اس سے پہلے بھی کئی جگہ پولیس اور دیگر سول انٹیلی جنس ایجنسیوں کی ناکامی یا دباؤ کے تحت کوئی کارروائی نہ کرنے کے سبب ''را'' نے بڑے کامیاب آپریشن کیے تھے......!

اس روز جب شرما کے خصوصی ''ذریعے'' نے بتایا کہ پرسوں شام ڈھلنے کے بعد پاکستانی علاقے کی طرف ''مال'' آ رہا ہے اور بھارتی پوسٹ کے ساتھ مل کر اسلحہ کی کھیپ یہاں پہنچائی جائے گی تو اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا......!

جی ایس ایف بھی اس سازش میں شامل تھا۔

کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ ایم ایل اے کتنا خطرناک دھندہ کر رہا ہے۔ جو اسلحہ بھارتی سرحدوں کے اندر آئے گا آخر کسی نیک مقصد میں تو استعمال نہیں ہوگا۔ بات کچھ بھی تھی شرما نے یہ اندازہ ضرور کر لیا تھا کہ اس کے لئے بھی براہ راست ہاتھ ڈالنا ممکن بھی ہوگا۔

کم از کم اسے اپنے اعلیٰ افسران کو تو اعتماد میں لینا پڑے گا۔ اس کے بغیر بات بنتی نظر نہیں آ رہی

تھی۔

''کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں''

یہ سوچتے ہوئے اس نے اپنے ''او۔سی'' سے رابطہ کر کے خصوصی ملاقات کے لئے فوراً وقت لیا تھا اب وہ کمپنی ہیڈ کوارٹر میں اوسی کے ساتھ میٹنگ کر کے واپس آ رہا تھا۔ کرنل ملہوترہ نے جو اسی کا آفیسران کمانڈ تھا کیپٹن شرما کو حکم دیا تھا کہ وہ کسی مصلحت کو خاطر میں نہ لائے اور اپنی تمام صلاحیتیں بروئے کار لا کر جیسے بھی ممکن ہو اس غدار ایم ایل اے کو اپنے شکنجے میں جکڑ لے......!

اس نے تو کیپٹن شرما سے ''آف دی ریکارڈ'' یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اگر ایم ایل اے بھی نزدیک موجود ہو تو ''کاؤنٹر فائرنگ'' کی آڑ میں وہ اسے بھی ٹھکانے لگا دے۔

''ایسے گھٹیا اور وطن فروش لوگوں کا مر جانا ہی دھرتی ماتا کے لئے اس سے بہتر خبر کیا ہوگی؟''......

اس نے نوجوان اور جوشیلے کیپٹن شرما کی ہر ممکن حوصلہ افزائی کرتے ہوئے اسے واپس لوٹا دیا تھا۔ کیپٹن شرما کے واپس جانے کے بعد کرنل ملہوترہ کو ایک لمحے کے لئے یہ خیال آیا کہ اتنا اہم آپریشن کرتے ہوئے جس طرح اس کے ماتحت نے عقل مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے اعتماد میں لیا ہے کیوں نہ وہ بھی اپنی اعلیٰ کمانڈ کو اس سے مطلع کر دے۔ اس طرح کم از کم کوئی مصیبت کھڑی ہونے کی صورت میں وہ اکیلا ذمہ دار تو نہیں ہوگا۔ یوں بھی وہ لوگ ایسے اہم فیصلے ایک دوسرے کی مشاورت سے بھی کیا کرتے تھے ممکن ہے اس کے سینئرز اسے زیادہ بہتر مشورہ دے سکیں۔ یہی سوچتے ہوئے اس نے بریگیڈیئر کمار سے رابطہ کیا تھا۔ جس نے مخالفت اس آپریشن کو ملتوی کرنے کے احکامات جاری کرتے ہوئے اسے فوراً اپنے پاس حاضر ہونے کی ہدایت کی تھی۔

حیران پریشان کرنل ملہوترہ نے ابھی تک کیپٹن شرما کو احکامات منسوخ ہونے کی اطلاع نہیں دی تھی۔ اسے ابھی تک اس بات کا یقین ہی نہیں آیا تھا کہ بریگیڈیئر کمار نے جو کچھ کہا ہے وہ اس نے صحیح سنا ہے یا اس کی سماعت میں کوئی نقص پیدا ہو گیا ہے۔ دو گھنٹے کے بعد وہ بریگیڈ ہیڈ کوارٹر میں اپنی آمد کی اطلاع دے رہا تھا۔ بریگیڈیئر کمار شاید اس کا منتظر تھا۔ اس نے فوراً ہی کرنل ملہوترہ کو طلب کر لیا تھا۔

''سر! میں نے ابھی تک آپ کے احکامات پر یقین نہیں کیا۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہی۔ ایسا شاید میری زندگی میں پہلی مرتبہ ہو رہا ہے۔''

کرنل ملہوترہ نے سلیوٹ مار کر اپنی کرسی سنبھالتے ہی کہنا شروع کیا۔ واقعی ایسا پہلی مرتبہ ہوا تھا...... یہ بات بھی اس کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ سمگلنگ کا یہ سارا ڈرامہ بھارتی حکومت کی ایک انتہائی خفیہ اور مضبوط ترین ایجنسی ''تھرڈ ایجنسی'' کا تیار کردہ ہے۔ تھرڈ ایجنسی بھارتی وزیراعظم مسز اندرا گاندھی کی کمان میں قائم کی گئی تھی......!! یہ بھارت کی تاریخ کا سب سے بڑا اور اہم خفیہ منصوبہ تھا جو بھارتی وزیراعظم مسز اندرا گاندھی اور اس کے خصوصی مشیر آر این کاؤ کے عیارانہ ذہن نے ترتیب دیا تھا۔ اس منصوبہ کی رو سے ایک ایسی خفیہ انٹیلی جنس ایجنسی کا قیام ضروری سمجھا جا رہا تھا جو ملک میں مذہبی اور لسانی بنیادوں پر ایسی فضا قائم کر دے جس کا فائدہ اٹھا کر مسز اندرا گاندھی ''ہندو ووٹرز'' کو کانگریس کے حق میں استعمال کر سکے......! اپوزیشن جماعتوں کے مشترکہ محاذ کی سرگرمیاں اور عوام میں تازی سے مہنگائی اور کرپشن کے خلاف پھیلتی نفرت اور بے چین سے کانگریس نے اس بات کا اندازہ تو کر لیا تھا کہ اب الیکشن میں کامیابی شاید ان کے لئے ممکن نہ رہے......!! کیونکہ کانگریس کی صوبائی وزارتیں ٹوٹ رہی تھیں اور کئی ممبران صرف الیکشن کے اعلان کے منتظر تھے تاکہ وہ دوسری پارٹیوں کے ٹکٹ حاصل کر کے الیکشن میں حصہ لے سکیں۔

کانگریس کے پاس کوئی ایسا ''ایشو'' بھی نہیں رہ گیا تھا جس کی بنیاد پر وہ لوگوں کی سوچ میں کوئی جذباتی یا انقلابی تبدیلی پیدا کر سکے......! اب لے دے کے ایک ہی صورت باقی تھی کہ ملک کی مجموعی فضا ایسی مسموم کر دی جائے کہ ہندو اکثریت کو باور کروایا جائے کہ ملک کی بقا کے لئے کانگریس کی حکومت کا قیام ناگزیر ہے۔ سنت جرنیل سنگھ چونکہ مسز اندرا گاندھی کے مخالف تھے اور اپوزیشن پارٹیاں بھی ان کی حمایت کرتی تھیں۔

اپوزیشن کا موقف یہ تھا کہ اندرا گاندھی کی جابر پالیسی نے سکھوں کو ہتھیار اٹھانے پر مجبور کیا ہے اور اب بھی مسز اندرا گاندھی سکھوں کو مسلسل انگیخت کر رہی تھیں۔

مسز اندرا گاندھی کو اپنا اقتدار عزیز تھا خواہ اس کی کچھ بھی قیمت ادا کرنی پڑے۔ راجستھان کی سرحد سے اسلحہ اسی طرح سمگل ہو کر آ رہا تھا جیسے کبھی گندم کی بوریاں آیا کرتی ہیں۔ سکھوں کا مقدس اور متبرک مقام ''دربار صاحب'' ''دہشت گردوں'' کی پناہ بننے لگا......!! یہ لوگ کون تھے...... کہاں سے آئے تھے......ان کی پشت پناہی کون کر رہا تھا؟ کون تھا جس کے ہاتھوں میں یہ سب کٹھ پتلیوں کی طرح ناچ رہے تھے۔ ممکن ہے تب ان سوالات کے جوابات کسی کو نہ مل سکتے ہوں۔ لیکن......!

واقعات اور حالات نے بعد میں ثابت کر دیا کہ اس گھناؤنے کھیل کو خود بھارتی حکومت کی پشت پناہی حاصل تھی۔

حکومت پاکستان کو بدنام کرنے کے لئے اسلحہ خود حکومتی نگرانی میں دربار صاحب میں پہنچایا جاتا رہا۔ دوسری طرف سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ کے ساتھیوں میں حکومت نے اپنے تربیت یافتہ دہشت گرد داخل کر دیئے جو سنت جی کے نام پر لوٹ مار کی کارروائیاں کرنے لگے۔

جنرل شوبیگ سنگھ

مکتی باہنی کا ''سابقہ'' اور خالصتان کا ''موجودہ'' کمانڈر

ان کارروائیوں کا مقصد صرف یہی تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو پنجاب کے عوام میں بھنڈرانوالہ کے خلاف نفرت پیدا کی جائے۔ اس مقصد میں حکومت کو کافی حد تک کامیابی بھی حاصل ہوئی۔ لیکن...... متوقع نتائج کبھی نہ حاصل ہو سکے اور کئی جگہ تو لینے کے دینے پڑ گئے۔ اب حالات ایسے ہو گئے تھے کہ بالآخر بھنڈرانوالہ کو اپنے مٹھی بھر حریت پسند ساتھیوں کے ساتھ بھارتی فوج کے تربیت یافتہ جرنیل شوبیگ سنگھ کی کمان میں جس نے کبھی ''مکتی باہنی'' کو تربیت دے کر پاکستان کو دولخت کروایا تھا، مورچہ بند ہونا پڑا۔

بھارتی فوج کا سرمایہ افتخار جرنیل شوبیگ سنگھ آج اپنی قوم کی آزادی کے لئے مورچہ بند ہو چکا تھا......!!

تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی تھی۔ تاریخ اس طرح اپنے آپ کو دہرایا کرتی ہے۔

27 مئی 1984ء جی ایچ کیو دہلی میں ایک انتہائی خفیہ میٹنگ ہو رہی تھی...... یوں تو گزشتہ دو مہینے سے ایسی پراسرار اور اعلیٰ پیمانے کی میٹنگز کا سلسلہ جاری تھا۔

لیکن 27 مئی 1984ء اسی لئے خاص دن تھا کہ آج اس میٹنگ کے تین اہم شرکاء لیفٹیننٹ جنرل آر ایس پال، لیفٹیننٹ جنرل ٹی ایس او برائے اور لیفٹیننٹ جنرل کے سندر جی کو بالآخر ''آپریشن بلیوسٹار'' کے لئے "Go" کا سگنل مل گیا تھا۔

رات کے آخری پہر تینوں جرنیل بظاہر مطمئن ہو کر اپنی سیٹوں سے اٹھے تھے۔ لیکن ان کے دل د

اغ میں خدشات کا جو جوار بھاٹا اٹھ رہا تھا اس کا اندازہ وہی لگا سکتے تھے۔ آپریشن بلیوسٹار سے علق جو سٹریٹجی طے پائی تھی اسی کے مطابق بھارتی پیدل فوج کی ایسی تمام بٹالین، کمپنیاں اور یونٹس ن میں سکھ شامل تھے انہیں پنجاب سے زیادہ سے زیادہ دور لے جانے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔

اس فیصلے پر خفیہ عمل درآمد 27 مئی کو شروع ہو گیا تھا...... اور تمام سکھ بٹالین سنٹرل، ساؤتھ اور رتھ کی سرحدوں پر پہنچا دی گئی تھیں۔

27 مئی کو ایک خصوصی حکم کے تحت جو آرمی ہیڈ کوارٹر سے جاری ہوا تمام آرٹلری، انفنٹری اور رمز فارمیشن کو جو فسٹ کور اور 10 کور کے ماتحت پنجاب اور ملحقہ صوبوں میں تعینات تھے اپنی لہ سے الگ الگ سمتوں میں بھیج دیا گیا...... یہ نقل و حمل اتنی اچانک اور تیز تھی کہ بعض آرمی آفیسرز کے نزدیک ان کی زندگی میں کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ حالت جنگ کا سا سماں پیدا کر دیا گیا تھا۔ پنجاب سے حیدر آباد، بانبیا، جھانسی، کوٹلہ اور دیگر علاقوں کی طرف جانے والی سڑکوں اور ریلوے ٹرینوں میں لمہ فوجی دکھائی دے رہے تھے۔ 8 مئی 1984ء کو فسٹ، سیکنڈ، دسویں اور گیارہویں کور کے بعض ندو سپاہیوں پر مشتمل یونٹس کو پہلے ہی بڑی خاموشی سے پنجاب میں کسی بھی ممکن صورتحال سے نمٹنے کے لئے ڈیسپلائے کر دیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی سی آر پی ایف اور بی ایس ایف کے تازہ دم دستے بارت کے کونے کونے سے پنجاب پہنچا کر آرمی کی سنٹرل کمانڈ قائم کر کے اسی کی کمان میں دے یئے گئے تھے۔

3 جون 1984ء کی اس اہم میٹنگ سے متعلق جس خصوصی اطلاع نے بعد میں ساری دنیا کو ونکا کر رکھ دیا وہ اس میں بھارتی وزیراعظم مسز اندرا گاندھی کی بہ نفس نفیس شمولیت تھی جو اس میٹنگ ں واحد ایسی شخصیت تھی جنہیں حتمی فیصلہ دینے کا اختیار حاصل تھا۔ تینوں جرنیل صرف اپنی رائے یش کر رہے تھے فیصلہ بھارتی وزیراعظم مسز اندرا گاندھی نے کرنا تھا جس پر انہیں بہرحال عمل کرنا تھا واہ اس کی کچھ بھی قیمت ادا کرنی پڑتی۔

اس سے پہلے ''تھرڈ ایجنسی'' ''را'' ''سی بی آئی'' ''آئی بی'' اور بھارتی فوجوں کی ایڈوانس انٹیلی بنس یونٹوں کی طرف سے جو رپورٹیں اور صورتحال موصول ہوئی تھی۔ اسے ایک اور بڑے پیمانے پر رتیب پانے والی کمیٹی جس کی سربراہی مسز اندرا گاندھی کا چہیتا ''را'' کا سابق اور ''تھرڈ ایجنسی'' کا آف دی ریکارڈ ڈائریکٹر آر این کاؤ کر رہا تھا ایک خصوصی پلان تیار کر کے اپنی وزیراعظم کو پیش کیا

تھا۔

اس پلان میں ایسے طریق کار کی وضاحت کی گئی تھی جن پر عمل کرنے کے بعد بھارتی حکومتی ہمیشہ کے لئے سکھوں کے خطرے سے بے نیاز ہو جاتی۔

جن دو اہم نکات کو زیر بحث لایا گیا تھا ان میں ایک نکتہ سکھوں کی مکمل تباہی جس میں بلا دریغ قتل عام شامل تھا اور دوسرا اہم نکتہ زیر بحث لایا گیا تھا کہ کم از کم بھارت کی سطح پر قابل ذکر سکھ ضرور قتل کر دیا جائے خصوصاً سکھوں کی ''ملی ٹنٹ'' لیڈر شپ کا اس طرح خاموشی سے قتل عام کیا جائے کہ پھر کسی کو مستقبل میں کبھی حکومت کے خلاف سر اٹھانے کی ہمت نہ ہو سکے۔

اس پلان میں متعدد مقامات پر اس بات کی نشاندہی کی گئی تھی کہ سکھ جرائم پیشہ اور لڑنے والی قوم ہے اور جب تک اس کی ''فائٹنگ سپرٹ'' پر بھرپور ضرب نہیں لگے گی تب تک یہ سیدھے نہیں ہوں گے۔

یہی ''گرینڈ پلان'' بعد میں ''آپریشن بلیو سٹار'' کے نام سے لانچ کیا گیا اور اس پر بھارتی وزیر اعظم کے خصوصی احکامات کے بعد 3 جون 1984ء کو عمل کا آغاز کر دیا گیا۔

3 جون کا دن سکھوں کے خصوصی متبرک ترین مقام میں بھارت کے کونے کونے سے ہر قابل ذکر سکھ خصوصاً سکھوں کا ''ملی ٹنٹ ونگ'' جو پنجاب اور ملک کے دوسرے حصوں میں روپوش ہو چکا ہے۔ وہ بھی اس روز یہاں موجود ہوگا۔ اور یہی دن سکھوں کے قتل عام کے لئے مناسب ترین خیال کیا گیا!

''چکراتا'' (بھارتی کمانڈوز کا ٹریننگ سنٹر) سے قتل کرنے کے ماہر کمانڈوز کے خصوصی یونٹس امرتسر پہنچا دیئے گئے۔ ان کمانڈوز نے روسی ''سٹپنیر'' کے ساتھ تربیت حاصل کی تھی خونخواری اور درندگی میں بطور مثال پیش کیے جاتے ہیں۔

امرتسر کے نزدیک ''جنڈیالہ'' میں بھارتی ''ایئر بورن ٹروپس'' کا مرکز قائم کر دیا گیا اور ہیلی کاپٹروں کے ذریعے انہیں ملک کے کونے کونے سے اکٹھے کر کے یہاں جمع کر دیا گیا۔

ایئر فورس کو ''سٹینڈ ٹو'' کا سگنل جاری کر کے حالت جنگ میں کر دیا گیا۔

پنجاب میں متعین سپیشل ٹاسک فورس کو فوج کے ہیلی کاپٹر کسی بھی ہنگامی ضرورت کے لئے فراہم کر دیئے گئے۔

ری ایوی ایشن کو براہ راست امرتسر میں موجود فورس کمانڈر کی کمان میں دے دیا گیا وہ جب بھی اپنی مرضی کے مطابق اسے استعمال میں لا سکتا تھا۔

ن ہیلی کاپٹروں کا بعد میں خصوصی استعمال اسی طرح کیا گیا کہ دوران آپریشن یہ تمام ہیلی کاپٹر ب کے شہروں اور دیہاتوں پر مسلط رہے جو خصوصاً یہاں سے عوامی نقل و حرکت کرتے رہے......

ن مسلح ہیلی کاپٹروں کو اختیار دیا گیا تھا کہ اگر وہ کسی بھی مسلح سکھ گروہ کو امرتسر کی طرف بڑھتے ں تو بغیر وارننگ کے ان پر فائرنگ کر کے انہیں ختم کر ڈالیں۔

مسلح ہیلی کاپٹروں کی امرتسر سے ملحقہ شہروں اور دیہاتوں پر مسلسل پروازوں نے عوام میں ت کی فضا قائم کر دی تھی اور لوگوں کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اگر کسی نے امرتسر کی طرف جانے کی ں کی تو انہیں راستے ہی میں مار دیا جائے گا۔

4 جون کی صبح سیکٹر کمانڈر جنرل آر ایس دیال کے حکم پر بھارتی فضائیہ کے روسی ساخت کے مگ وں نے بھی اسی مہم میں بھرپور حصہ لیا۔ اس کے ساتھ ہی دیہاتوں اور شہروں کے تمام راستوں پر چہ بند بھارتی فوج کی طرف سے لاؤڈ سپیکروں پر مسلسل اعلان کیا جا رہا تھا کہ کسی بھی دیہات اگر کسی منفی سرگرمی کی اطلاع ملی یا فوج پر گولی چلائی گئی تو طیاروں سے بمباری کر کے اسے تباہ کر ائے گا۔

زہریلی گیس کے ہزاروں سلنڈر دربار صاحب اور اس کے گرد و نواح کی عمارتوں میں مورچہ بند تریت پسندوں اور ہزاروں بے گناہ یاتریوں کی ہلاکت کے لئے خاموشی سے امرتسر پہنچا دیئے

-

بھارتی نیوی کی طرف سے ہزاروں کی تعداد میں گیس ماسک اور آکسیجن گیس کے سلنڈر ان فوجی وں کے لئے خصوصی درخواست پر حاصل کیے گئے جنہوں نے زہریلی گیس پھینکنے کے بعد سکھ بت پسندوں پر ''چارج'' کرنا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ ان گیس ماسک کی مطلوبہ تعداد حاصل کرنے کے لئے نیوی کے بمبئی میں موجود زوں کا سارا ذخیرہ پنجاب منتقل کر دیا گیا تھا۔

نیوی کے غوطہ خور کمانڈوز کے خصوصی دستے دربار صاحب کے نزدیک پہنچا دیئے گئے انہوں نے بار صاحب امرتسر میں موجود ''سرور'' (تالاب) کے ذریعے حریت پسندوں تک پہنچنا تھا۔

اس سے پہلے 2 جون 1984 کی صبح کو آپریشن ''وڈروز'' Woodrose کا آغاز ہو گیا تھا۔

اس آپریشن کی رو سے پنجاب، راجستھان اور کشمیر سے ملحقہ پاکستانی سرحد پر تازہ دم بھارتی فوج کے دستے تعینات کروئیے گئے تھے۔

فوج نے اس طرح سرحد کو اپنے گھیرے میں لے لیا تھا کہ پاکستانی سرحد سے کوئی بھی گھس پیٹھ ناممکن ہو گئی تھی۔

انتظامات کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ سرحد پر موجود بی ایس ایف کی سرحدی چوکیاں بھی فوجیوں سے بھر گئی تھیں اور بی ایس ایف کی کمان کئی دنوں تک فوج کے ہاتھ میں رہی۔

جہاں سرحدوں پر اس طرح فوجوں کا جال بچھا دیا گیا تھا وہاں سرحدوں کی طرف آنے والے تمام راستوں پر راتوں رات بارودی سرنگیں پھیلا دی گئی تھیں......!

یہ بارودی سرنگیں لمبے عرصے تک دیہاتیوں کے لئے مسائل پیدا کرتی رہیں اور آپریشن مکمل ہونے کے بعد تک بھی کئی بھارتی سرحدوں کے مکین اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے، کئی معذور ہو گئے۔ آئے روز کسی نہ کسی جانور کی کسی سرنگ کے پھٹ جانے سے ہلاکت کے واقعات بھی سامنے آتے رہے۔

سرحدوں پر مکمل کنٹرول کرنے کے بعد بی ایف ایف، سی آر پی ایف اور فوج کے دستوں نے پنجاب سے ملنے والے صوبوں مقبوضہ جموں کشمیر، ہماچل پردیس، ہریانہ اور راجستھان کو اس طرح گھیرے میں لیا کہ پنجاب فوج کی گرفت میں پھنس کر رہ گیا تھا۔

اس امر کو ناممکن بنا دیا گیا کہ پاکستان یا بھارت کے کسی بھی کونے سے کوئی چڑیا بھی پنجاب کے اندر پر مار سکتی۔

سرحدوں کے ساتھ ساتھ یہ دائرہ شہروں، دیہاتوں اور رہائشی علاقوں تک پھیلتا چلا گیا اور 2 جون کی رات کو حالت یہ تھی کہ پنجاب کے ہر شہر کے ہر چوک میں بکتر بند بھارتی فوج مورچہ بند تھی۔ کچے پکے راستوں پر فوج نے پوزیشن لے رکھی تھی اور پنجاب کو ساری دنیا سے عملاً کاٹ دیا گیا تھا۔

آخری حربہ آزماتے ہوئے حکومت نے 2 جون کی رات کو سارے پنجاب میں کرفیو نافذ کر دیا۔

آپریشن بلیو سٹار کو بنیادی طور پر تین آپریشنز میں تقسیم کیا گیا تھا...... یعنی تین مختلف طرح کی گروپنگ کی گئی تھیں جن کے مطابق یہ کام انجام پانے تھے۔

1- آپریشن میٹال

2- آپریشن شاپ

3- تیسرا حصہ

یشن میٹال

اس آپریشن کو 10 شقوں میں منقسم کیا گیا تھا جن پر ''متعلقہ ذمہ داروں'' نے عمل پیرا ہونا تھا اور ی کی کامیابی کے بعد پھر دوسرے اور آخر میں تیسرے حصے پر عمل ہونا تھا۔ جن 10 شقوں پر مرحلہ ل ہونا تھا ان کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

1- بھارتی فوج کے کمانڈوز جنہیں خونریزی میں کمال حاصل ہے اور جو خصوصی طور پر اس مشن لئے یہاں لائے گئے تھے وہ دربار صاحب امرتسر میں داخل ہوں گے اور وہاں موجود تمام مسلح اور سلح افراد کو بلا تخصیص عورت، مرد، بچہ، بوڑھا جوان قتل کر دیں گے صرف گوردوارے کے یوا داروں'' اور ''گرنتھی'' کو چھوڑ دیا جائے گا۔

2- سکھ مذہب کے مطابق دربار صاحب میں موجود ''ہرمندر صاحب'' کے اندر واقع سکھوں کا بس ترین مقام ''اکال تخت'' ہے۔ یہ تخت ایک طرح سے سکھوں کی آزادی اور اقتدار اعلیٰ کا سمبل ر کیا جاتا ہے اور جس طرح مسلمان اپنا قبلہ و کعبہ خانہ کعبہ کو جانتے ہیں اس طرح سکھ بھی اکال ت کو نہ صرف رشد و ہدایت کا امین بلکہ سیاسی رہنمائی کا پیامبر خیال کرتے ہیں۔

''آپریشن میٹال'' کی دوسری شق کے مطابق حملہ آور فوجوں کو حکم دیا گیا تھا کہ ''اکال تخت'' کو ار کر کے جلا کر راکھ کر دیا جائے تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔ اکال تخت کی تباہی کا لب یہ تھا کہ مذہبی طور پر سکھوں کا مورال اتنا گر جاتا کہ عملاً ان کی کمر ہی ٹوٹ جاتی اور وہ کبھی سر انے کے قابل نہ رہتے۔

3- جہاں کہیں آرٹلری، انفنٹری، آرمرڈ سے سکھوں کا قتل ممکن نہ رہے وہاں بھارتی فوج کے مایہ کمانڈوز زہریلی گیس اور اعصاب کو تباہ کرنے والی گیس کے علاوہ آگ لگانے والے نیپام بم نعال کریں اور جن بلڈنگوں میں حریت پسندوں نے پناہ لے رکھی ہو انہیں مکینوں سمیت نیست و وکر کے رکھ دیں (خیال رہے کہ زہریلے کیمیکل کا استعمال کرنے والے کمانڈوز کے دستے خاص رسے یہاں منگوائے گئے تھے۔)

4- پنجاب میں موجود ہر قابل ذکر گوردوارے پر جہاں سے معمولی مزاحمت بھی ہو پر پہلے ایئر فورس کے طیاروں اور ہیلی کاپٹروں کے ذریعے بمباری کی جائے۔ جب اس بات کا یقین ہو جائے کہ مزاحمت دم توڑ چکی ہے تو فوج حملے کرے گی اور بچے کھچے سکھوں کو مار ڈالے گی۔ گوردواروں کو اس طرح تباہ کیا جائے گا کہ دوبارہ ان کی تعمیر کم از کم اس انداز میں ممکن نہ رہے۔ جیسی یہ عمارات تباہی سے پہلے تھیں۔

ذیلی شق۔ پنجاب خصوصاً امرتسر میں موجود سکھ حریت پسندوں کو اگر وہ زندہ قابو آجائیں تو اذیتیں دے دے کر ہلاک کیا جائے۔ یہ اذیتیں عام شہریوں کے سامنے دی جائیں اور انہیں دیہاتیوں کے اجتماع میں اذیتیں پہنچانے کے بعد قتل کیا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ خوف و ہراس پھیلایا جائے اور عام سکھ اتنا خوفزدہ ہو جائے کہ پھر سے سر اٹھانے کی جرات ہی نہ ہو۔ اسی طرح مارے گئے سکھوں کی لاشوں کو پہلے تو نشان عبرت بنا کر وہیں پھینک دیا جائے اس کے بعد انہیں ایک جگہ اکٹھے کر کے آگ لگا دی جائے تاکہ جرم کا کوئی نام و نشان باقی نہ رہے۔

دربار صاحب کمپلیکس کے اردگرد تمام عمارات کو جہاں سکھ حریت پسندوں نے پناہ لے رکھی ہے بمباری کر کے تباہ کر دیا جائے۔ ان عمارتوں میں آگ لگانے والا بارود پھینکا جائے (خیال رہے کہ بعد میں بھارتی حکومت نے بچے کھچے مکانات بھی بلڈوزروں سے صاف کر دیئے تھے اور اب دربار صاحب کے اردگرد تمام آبادی ختم کر دی گئی ہے)

حکم دیا گیا کہ سکھوں کو قیدی بنانے سے حتی الوسع احتراز برتا جائے اور کوشش یہی کی جائے کہ انہیں گولی مار دیں۔ قیدیوں کی صورت میں اس بات کا خدشہ تھا کہ کسی مرحلے پر یہ لوگ درندگی اور بربریت کی یہ کہانی عالمی پریس کے سامنے نہ لے آئیں۔ اگر ایسا ہو گیا تو بھارت کی نام نہاد سیکولر اور جمہوری حکومت کی ساکھ کو نقصان پہنچنے کا خطرہ موجود رہے گا۔

7- ہندو آبادی کو بچانے کے لئے ہر ممکن اقدام کیا جائے۔ حملے سے پہلے انہیں محفوظ پناہ گاہوں میں پہنچا دیا جائے اور سکھوں کے درمیان گھری ہندو آبادیوں کو فوج کی حفاظت میں دیا جائے۔ اس بات کا اہتمام موجود ہو کہ ہندو آبادی سکھوں کے انتقامی حملوں سے محفوظ رہے اور کہیں ایسا نہ ہو کہ سکھ فوج کا انتظام ہندو آبادی پر حملہ کر کے لیں۔ سکھوں کے قتل عام کے بعد ہندوؤں کی آزادی سے جشن مسرت منانے کے لئے سہولیات فراہم کی جائیں اور ایسے ہر اقدام کی حوصلہ افزائی کی

ئے جس کے تحت سکھوں کا مورال ڈاؤن ہو سکتا ہو۔

8- عام سکھ آبادی میں ایسے تمام اقدامات کو جن سے سکھوں میں "مذہبی جوش و خروش" پیدا ہو سکتا ہے سختی سے ختم کر دیا جائے۔ اگر کوئی سکھ "کیسری رنگ کی "پگڑی" باندھے، بڑی کرپان ہاتھ میں لڑے، یا اپنی ڈاڑھی کھول کر چلتا نظر آئے تو اسے بے دریغ گولی مار دی جائے۔ کیونکہ ان تینوں ایکشن" سے سکھوں میں مذہبی جوش پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔

9- پنجاب کے مواصلات کا نظام اس طرح کنٹرول کیا جائے کہ اس کا رابطہ بھارت اور دنیا کے اہم شہروں سے اس وقت تک کٹا رہے جب تک کہ مطلوبہ نتائج حاصل نہ ہو جائیں اور آپریشن بلیو سٹار مکمل کامیابی سے ہمکنار نہ ہو جائے۔

10- پنجاب کے تمام مواصلاتی مراکز، اخبارات کے دفاتر، ٹیلی فون ایکسچینج کو فوج فوراً اپنے کنٹرول میں لے لے اور اس بات کو بھی ناممکن بنا دے کہ پنجاب سے کوئی خبر بھی باہر نہ جانے پائے۔

آپریشن شاپ

دوسرے مرحلے کے احکامات:

1- تمام شہروں اور دیہاتوں کی گھر گھر تلاشی لی جائے تاکہ بچے کھچے اور پناہ لئے ہوئے سکھوں کا صفایا کیا جا سکے۔ دوران تلاشی معمولی سے مزاحمت پر بھی مزاحمت کرنے والوں کو گولی مار دی جائے۔ گرفتاریوں سے احتراز برتا جائے اور موقع پر ہی گولی مار دی جائے۔

2- سکھ عورتوں، بچوں اور مردوں کو قتل کرتے ہوئے کسی بھی گھبراہٹ یا خوف کا مظاہرہ نہیں ہونا چاہیے۔ فوج اور پیرا ملٹری فورسز کے عام جوانوں کو بھی اس قتل کے لئے اپنے کسی بھی آفیسر سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں نہ ہی کسی جوان یا آفیسر کے دل میں یہ خوف ہونا چاہیے کہ ان کی محکمانہ پوچھ گچھ ہو گی۔

3- دہشت گردوں کو تلاش کرنے کے بہانے جس گھر میں بھی داخل ہونے کا موقع ملے وہاں عورتوں کو ضرور بے عزت کرنے کی کوشش کی جائے خصوصاً نوجوان لڑکیوں کو تاکہ انہیں احساس دلایا جائے کہ ان کے مردوں نے کتنا جرم کیا ہے اور اس کی سزا کتنی خوفناک ہو سکتی ہے۔

4- مکانوں کی تلاشی لے کر لائسنس والا اور بغیر لائسنس ہر قسم کا اسلحہ ضبط کر لیا جائے۔ کسی گھر میں

کوئی چاقو، چھری، کلہاڑی، کرپان یا کوئی ایسا کھیتی باڑی کا اوزار بھی باقی نہ رہنے دیا جائے جس سے بعد میں ہتھیار کا کام لیا جاسکے۔

5-اس بات کی خصوصی ہدایت کی گئی تھی کہ کسی ہندو کی تلاشی نہیں لی جائے گی (جو سکھ حریت پسند اس آپریشن میں بچنے میں کامیاب ہوئے ان میں زیادہ تعداد ان کی بھی تھی جنہوں نے ہندوؤں کو ڈرا دھمکا کر ان کے گھروں میں پناہ لے رکھی تھی یا پھر جنہیں ہندوؤں نے انسانیت یا دوستی کے ناطے پناہ دی تھی)

6- کسی بھی ٹرین، بس کار، تانگہ، ٹریکٹر، موٹر سائیکل یا سائیکل کے ذریعے پنجاب کے دیہاتوں، شہروں یا پنجاب سے باہر جانے والے راستوں پر سفر کرتے ہر سکھ کی بلاتخصیص جامہ تلاشی لی جائے۔ معمولی سی ہچکچاہٹ یا غصہ ظاہر کرنے والے کو بری طرح زدوکوب کیا جائے یا گولی ماردی جائے یا زدوکوب کرنے کے بعد اسے قیدیوں کے لئے قائم ہونے والے خصوصی کیمپوں میں رہنے دیا جائے۔

تیسرا مرحلہ

1- تلاشی کا مرحلہ مکمل ہوجانے کے بعد فوج شہروں، دیہاتوں کو جانے والے راستوں پر مورچہ بند رہے گی اور وقتاً فوقتاً نزدیکی دیہاتوں اور شہروں میں مسلح گشت کرتی رہے گی۔ اس درمیان جب فوجی کمانڈر مناسب سمجھے تو ہوائی فائرنگ کر کے مقامی آبادی میں خوف و ہراس پیدا کرے تاکہ لوگ خوفزدہ ہوکر گھروں میں دبکے رہیں اور دربار صاحب کی تباہ پر ان کے اندر انتقامی جذبات جنم نہ لے سکیں۔ سکھوں کے تجارتی مراکز اور معروف گزرگاہوں پر ایسا مظاہرہ ضروری قرار دیا گیا۔

2- فوج کو حکم دیا گیا کہ وہ ہندو آبادی کی حفاظت کو ضروری بنائے۔ اس ضمن میں جس ہندو آبادی پر بھی سکھ حملہ کریں جواب میں فوج اس سکھ آبادی میں قتل عام کرے تاکہ آئندہ کسی کو ہندو آبادی پر حملے کی جرات نہ ہو۔

3- فوج اور پیرا ملٹری فورسز کے مسلح اور ہر قسم کی صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار دستے سارے پنجاب میں گشت کرتے رہیں اور جہاں بھی کسی مقام پر سکھ اکٹھا ہونے کی کوشش کریں انہیں بزور شمشیر منتشر کردیا جائے۔

4- ہندو کو فتح کا احساس دلانے اور خود کو سکھوں سے برتر ثابت کرنے کے لئے جہاں ان کا

ورال بلند رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے وہاں اس امر کو بھی یقینی بنایا جائے کہ سکھوں کا مورال اؤن رہے اس کے لئے جو بھی حربہ مقامی کمانڈ و مناسب سمجھے اختیار کرے اس کے لئے اس سے وئی پوچھ گچھ نہیں کی جائے گی۔ نہ ہی کسی قسم کی محکمانہ کارروائی عمل میں آئے گی۔

5- پٹرولنگ کے درمیان 18 سے 35 سال کی عمر کے درمیان والے سکھ نوجوان پر خصوصی نظر ھی جائے جس پر معمولی سا بھی شک گزرے اسے یا تو گولی ماردی جائے یا پھر گرفتار کر کے ''ٹارچر پ'' بھیج دیا جائے...... ایسے نوجوانوں کو ''جعلی مقابلوں'' میں ہلاک کردیا جائے یا پھر ٹارچر کیمپ ں تشدد کر کے محتاج کردیا جائے تاکہ وہ دوسروں کے لئے ہمیشہ نشان عبرت بنے رہیں۔

O

یکم جون 1984ء بھارتی فوج نے باقاعدہ حملے کا آغاز کردیا......!!

راتوں رات بھارتی فوج نے دربار صاحب کمپلیکس کے اردگرد واقع سارے علاقے کو گھیرے ں لے کر مقامی آبادی کو علاقہ خالی کردینے پر مجبور کردیا تھا۔

دربار صاحب میں بھارتی فوج کے جرنیل شوبیگ سنگھ کی کمان میں مورچہ بند سکھ حریت پسندوں ی طاقت کا جائزہ لینے کے لئے بھارتی فوجیوں اور سکھوں کے درمیان گولیوں کا معمولی تبادلہ یکم ون کی صبح ہی کو شروع ہوگیا تھا اور دونوں طرف سے وقفے وقفے سے فائرنگ ہونے لگی تھی۔

سکھ حریت پسندوں نے ساری عمارت اور اس سے ملحقہ بلڈنگوں پر اس طرح مورچہ بندی کی وئی تھی کہ بھارتی فوج کے لئے اچانک دھاوا بول کر دربار صاحب میں داخل ہونے کی گنجائش باقی ہیں رہی تھی۔ جس طرف سے بھی بھارتی فوج حملے کی کوشش کرتی اس سمت سے مورچہ بند سکھ جوابی ائرنگ شروع کردیتے......

یکم جون ہی کو سارے پنجاب کا مواصلاتی رابطہ امرتسر سے کاٹ دیا گیا......!!

امرتسر شہر کے سکھ ڈپٹی کو اس کے دفتر میں پابند کردیا گیا اور کسی بھی ایسے سرکاری ملازم کو جس ے سکھ ہونے کے ناطے اس بات کا شک کیا جاسکتا تھا کہ وہ حکومت کے جابرانہ اقدام کی خبر آؤٹ نہ کر ے آرمی نے اپنی حفاظت میں لے لیا تھا۔

2 جون 1984ء کو بھارتی وزیراعظم مسز اندرا گاندھی نے ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر قوم سے طاب کیا۔

یہ خطاب عین ان لمحات میں کیا جا رہا تھا جب امرتسر کا رابطہ ساری دنیا سے کاٹ دیا گیا تھا اور پنجاب کے دیہاتوں اور شہروں میں نقل وحرکت ناممکن بنا دی گئی تھی......! عین ان لمحات میں جب مسز اندرا گاندھی کے احکامات کے تحت فوج نے سکھوں کے خلاف آپریشن بلیوسٹار کا آغاز کر دیا تھا۔

دربار صاحب کو گھیرے میں لے لیا گیا تھا اور کسی کا بھی اس سے باہر آنا ناممکن بنا دیا گیا تھا......

اس خطاب میں چانکیائی سیاست کی علمبردار بھارتی سامراج کی نمائندہ مسز اندرا گاندھی نے بھارتی عوام اور ساری دنیا کے انسانوں کو یقین دہانی کروائی کہ وہ سکھوں کے ساتھ پرامن مذاکرات کرے گی۔

اس نے کہا کہ سکھوں نے پنجاب میں قتل عام کا بازار گرم کر رکھا ہے اور وہاں کسی بھی ہندو کی زندگی اور عزت محفوظ نہیں رہی۔

لیکن......

ہندو قوم کو صبر وتحمل سے کام لینا ہوگا کیونکہ یہ مٹھی بھر سرپھرے اور پاکستان کے تربیت یافتہ سکھ ہیں جنھوں نے یہ طوفان اٹھا رکھا ہے۔

بھارتی وزیراعظم نے اپنے اس خطاب میں سکھوں کی محب وطن، بہادر، سچے اور معاملے کے کھرے لوگ قرار دیتے ہوئے اس امر کا اعتراف کیا کہ سکھوں کی قربانیاں آزادی کے سنگھرش میں کسی بھی قوم سے زیادہ رہی ہیں اور ''بھارت ماتا'' کی رکھشا کرنے میں بھی انہوں نے کبھی کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی......

اس تقریر میں مسز اندرا گاندھی نے سکھوں کے متبرک مقام دربار صاحب پر فوجی حملے کی خبر کو غلط اور ''دشمن کا بے بنیاد پروپیگنڈہ'' بتاتے ہوئے سختی سے کہا کہ بھارت ایک سیکولر اور جمہوری دیش ہے جہاں عوام کے مسائل کا حل لاٹھی گولی کی بجائے گفت وشنید سے ہی نکالا جائے گا۔

بھارتی وزیراعظم اپنی دانست میں ساری دنیا کو بے وقوف بنا رہی تھی جبکہ!

تاریخ اور بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ وہ خود بہت بے وقوف تھی اور اس نے ایسا قدم اٹھا لیا تھا جس کی سزا رہتی دنیا تک بھارت کو بھگتنا پڑے گی۔

اس کھیل میں نہ صرف اس کی جان گئی بلکہ اس کے بعد سے آج تک بھارت میں قتل کا سلسلہ جاری ہے۔ کبھی اس میں شدت آجاتی ہے اور کبھی کمی ایسا کہا جا سکتا ہے کہ اب حالات حکومت کے

کنٹرول میں ہیں لیکن بزور شمشیر ہی ایسا ممکن ہے۔

مسز اندرا گاندھی کے اس اقدام نے بھارت کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

سکھوں کے اس قتل عام کے بعد ہی بھارت میں موجود دیگر آزادی اور علیحدگی پسند تحریکوں میں شدت پیدا ہوئی خصوصاً تحریک آزادی کشمیر اس کی اہم مثال ہے۔

بھارتی وزیراعظم کی یہ تقریر دروغ گوئی، دھوکہ دہی اور انسانی اقدار کی پستی کی بدترین مثال تھی۔

اس نے ایسی قوم کے ساتھ دھوکہ کیا تھا جس نے بھارت کی حفاظت اور اسے پاکستانی فوج کے قہر سے بچانے کے لئے اپنی جانوں کے تین مرتبہ نذرانے دیئے تھے......

کوئی احمق ہی یہ بات تسلیم کرنے سے انکار کرے گا کہ 48ء، 65ء اور 71 میں سکھوں سے بڑھ کر کسی قوم نے پاکستانی فوج کا مقابلہ کیا ہوگا......!

آج مسز اندرا گاندھی اس سکھ قوم کو بالکل اسی طرح سزا دینے جا رہی تھی جس طرح 1947ء میں ان کی قربانیوں کا انعام انہیں اس کے باپ پنڈت جواہر لال نہرو نے دیا تھا۔

ہمیشہ کے لئے غلامی کا طوق سکھوں کے گلے میں ڈال کر......!!

3 جون کو سکھ اپنے گورو ارجن دیو کی شہادت کا یوم مناتے ہیں......!!

یہ سکھوں کا بہت بڑا ''گرپورب'' ''تہوار'') ہوتا ہے۔ اس روز دنیا کے کونے کونے سے سکھ دربار صاحب میں جمع ہو کر اپنی عبادات کرتے ہیں۔ سارا دن خصوصی لنگر یاتریوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اور گورو گرنتھ صاحب (سکھوں کی مقدس کتاب) کا خصوصی پاٹھ ہوتا ہے......

اس موقعہ پر بھارت کے کونے کونے سے ''کیرتن'' کرنے والی سکھ پارٹیاں جمع ہوتی ہیں اور اپنے مذہبی اشلوک گا کر سنائے جاتے ہیں۔

3 جون کی تقریبات کا آغاز یکم جون سے اسی طرح ہو جاتا ہے کہ بھارت کے کونے کونے سے آنے والے سکھ دربار صاحب میں مقیم ہو جاتے ہیں تاکہ انہیں 5 جون کو مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ 3 جون تک دربار صاحب میں موجود مسافروں کی قیام گاہیں بھر جاتی ہیں اور ہزاروں کی تعداد میں مرد، عورتیں اور بچے یہاں جمع ہو چکے ہوتے ہیں۔

دنیا بھر کے مہذب انسان آج بھی حیران ہوتے ہیں کہ اگر بھارتی حکومت نے وحشت اور بربریت کا مظاہرہ کرنے کی ٹھان ہی لی تھی تو وہ اپنا یہ شوق 3 جون کے بعد بھی پورا کر سکتی تھیں۔

لیکن......

مقام حیرت وافسوس ہے کہ انہوں نے اسی دن کو اس بھیانک کارروائی کے لئے منتخب کیا جب دربار صاحب میں ہزاروں کی تعداد میں بے گناہ اور مذہبی عقائد رکھنے والے سکھ موجود تھے۔

اس سانحے پر بھارت میں جتنی بھی کتابیں لکھی گئی ہیں خواہ وہ حکومت کے حق میں تھیں یا اس کے خلاف یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ آخر 3 جون ہی کو حملے کے لئے کیوں منتخب کیا گیا۔

اس کا جواب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ کالی ماتا کے خون کی پیاس شاید 3 جون سے بہتر اور کسی روز نہ بجھ سکتی۔

2 جون 1984ء کو 15 ویں انفنٹری کے جنرل آفیسر کمانڈنگ کو دربار صاحب پر حملے کا حکم دیا گیا۔

جی او سی جانتا تھا کہ 3 جون کو لاکھوں کی تعداد میں بے گناہ سکھوں کے مارے جانے کا خدشہ موجود ہے اس کے ضمیر نے اس بھیانک حکم کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

اور اپنے ضمیر کے اس فیصلے پر عمل کرتے ہوئے 15 ویں ڈویژن کے جنرل آفیسر کمانڈنگ نے جی ایچ کیو سے معذرت کر لی۔ لیکن......تاریخ ضمیر فروشوں سے بھی کبھی خالی نہیں رہی، جہاں نیکی زندہ ہو وہاں برائی کا وجود ناگزیر ہے۔ بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ ہم نیکی کو بھی برائی کے حوالے اور موجودگی سے ہی پہچان پاتے ہیں۔ ان لمحات میں جب پندھویں ڈویژن کے آفیسران کمانڈ نے اس حکم کو ماننے سے انکار کر کے بھارتی وزیر اعظم کو پریشان کر دیا تھا۔ میجر جنرل کے ایس براڑ جو شاید اس موقع کی تلاش میں تھا خود آگے بڑھا اور اس نے آپریشن بلیو سٹار کے لئے اپنی خدمات پیش کر دیں۔

شاید اس سے بہتر خوشنودی حاصل کرنے کا موقعہ اسے پھر کبھی نہ مل سکتا۔

جنرل دیال کو آپریشن بلیو سٹار کے تحت ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ امرتسر کے دربار صاحب کے علاوہ پنجاب کے دیگر 74 گوردواروں جن میں 37 تاریخی گوردوارے بھی شامل تھے میں روپوش ''دہشت گردوں'' کا صفایا کرے۔

کہتے ہیں تدبیر کنند بندہ تقدیر کنند خندہ۔ بھارتی حکومت نے اپنی دانست میں سکھوں کے قتل عام کا منصوبہ بڑی ہوشیاری سے تیار کیا تھا اور اگر دربار صاحب کے علاوہ دیگر گوردواروں کو بھی یکم جون

ہی کو گھیرے میں لے لیا جاتا تو شاید مطلوبہ نتائج ہی حاصل ہو جاتے۔ لیکن......15 ویں ڈویژن کے کمانڈر کی طرف سے انکار اور جنرل براڑ کے کمان سنبھالنے میں ایک دن کا وقفہ آ گیا کیونکہ جنرل براڑ کو کم از کم 24 گھنٹے اپنی 9 ویں انفنٹری ڈویژن کو پوزیشنیں سنبھالنے کے لئے درکار تھے......اس ایک روزہ تاخیر نے ہزاروں سکھوں کو مرنے سے بچا لیا کیونکہ اس درمیان پنجاب میں سکھوں نے فوج کو تیزی سے پوزیشنیں سنبھالتے دیکھ لیا تھا اور وہ اس نتیجے پر پہنچ گئے کہ دال میں کچھ کالا ہے۔

''دربار صاحب'' تو اس طرح گھیرے میں تھا کہ وہاں کسی کے باہر آنے یا اندر جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس کے برعکس ابھی دوسرے گوردوارے میں صورتحال اتنی سنگین نہیں تھی اس لئے وہاں سے یکم جون کی شام تک ہزاروں سکھ یاتریوں کو نکل جانے کا موقعہ مل گیا۔ کیونکہ 2 جون کے بعد فوج نے کسی کو باہر نکلنے کی اجازت نہیں دی۔

3 جون کی شام تک دربار صاحب اور دوسرے مشتبہ گوردوارے جہاں حریت پسندوں نے پناہ لے رکھی تھی بھارتی فوج کے گھیرے میں پھنس چکے تھے۔

ایم ایم جی، ایل ایم جی، مارٹر توپیں اور آٹو میٹک اسلحے سے لیس بھارتی فوج کے سورماؤں نے گوردواروں کو اس طرح گھیرے میں لے لیا تھا کہ وہ ہر حرکت کرتی چیز کو نشانہ بنا سکتے تھے۔

4 جون کی صبح 4 بج کر 45 منٹ پر بھارتی فوج نے دربار صاحب پر حملے کا باقاعدہ آغاز کر دیا۔

سکھوں کی مزید خوش قسمتی کہ 3 جون کی شام تک وہ کسی نہ کسی طرح گوردواروں سے نکلتے رہے اس کی وجہ بعض گوردواروں کی تباہی پر متعین بعض فوجی افسروں کی اپنے لوگوں کے لئے ہمدردی تھی انہوں نے شاید دل سے اپنے کمانڈروں کے احکامات کو تسلیم نہیں کیا تھا اور بادل نخواستہ یہ کچھ کر رہے تھے۔

ایک محتاط اندازے کے مطابق 4 جون کی صبح جب بھارتی فوج نے دربار صاحب پر گولہ باری شروع کی تو وہاں کم از کم 10 ہزار یاتری جن میں بچے، بوڑھے اور خواتین بھی شامل تھیں موجود تھے۔

یہ وہ لوگ تھے جو 3 جون کے بعد دربار صاحب کی عمارت سے اس لئے باہر نہ جا سکے کہ ہر دروازے کے سامنے مورچہ بند بھارتی فوجی فائرنگ کر رہے تھے اور کوئی بھی کسی دروازے سے باہر نکلنے کی کوشش کرتا ان کی گولی کا نشانہ بن جاتا۔

2 جون کی مسز اندرا گاندھی کی تقریر نے ان بدقسمت یاتریوں کو یقین دہانی کروائی تھی کہ بھارتی

فوج دربار صاحب پر حملہ نہیں کرے گی۔ امرتسر شہر میں فوج کی نقل وحرکت مورچہ بندی وغیرہ دیکھ کر اگر کسی کو شک بھی گزرتا تو صرف اس بات کا کہ دربار صاحب میں موجود سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالے اوران کے مسلح ساتھیوں کوگرفتار کرنے کے لئے فوج نے گھیرے میں لے رکھا ہے۔

لیکن......

جنرل شوبیگ سنگھ ایک ایسا سکھ جرنیل ضرور اندر موجود تھا جس نے صورتحال کی سنگینی کا احساس کیا۔

جنرل شوبیگ سنگھ کی جنگی صلاحیتوں کے معترف بھارتی جرنیل بھی تھے۔ انہوں نے 1971ء کی جنگ میں شوبیگ سنگھ کی خصوصی گوریلا جنگ کی مہارت کا عملی مظاہرہ بھی دیکھ لیا تھا اور جانتے تھے کہ وہ آسانی سے اندر موجود سکھ حریت پسندوں کوان کے نشانے پر نہیں آنے دے گا۔

جنرل شوبیگ سنگھ کی طرف سے بھارتی فوج کے حملے کی پیشین گوئی جوکہ بہت پہلے کی جاچکی تھی اوراس کی ہدایت پر ہی سنت جرنیل سنگھ کوحریت پسندوں نے ''ہرمندر صاحب'' کی محفوظ ترین جگہ ''اکال تخت'' پر منتقل کردیا تھا۔

سکھ حریت پسندوں کی خواہش تھی کہ یاتری بحفاظت واپس لوٹ جائیں یاکم ازکم دربار صاحب کے انتہائی حساس اور براہ راست فائرنگ کی زد میں آنے والے حصے ''سرور'' (تالاب) اور ''پرکرماں'' (وہ راستہ جو ہرمندر صاحب کی طرف جاتا ہے) پر اجتماع نہ کریں......انہوں نے اپنے طور پر عام سکھوں کوسمجھانے کی کوشش بھی کی اور باور کروانا چاہا کہ وہ براہ راست دشمن کی گولہ باری کی زد میں آجائیں گے۔

لیکن......

عام سکھ یاتریوں نے اس وارننگ کونظرانداز کردیا۔

''سرور'' (مقدس تالاب) میں غسل کرنا ان کی عبادات کا حصہ ہے اور دوردور سے آئے ہوئے سکھ یاتری اس میں غسل کرنے پر مصر تھے......

4 جون کو جب بھارتی فوج علی الصبح گولہ باری کا آغاز کیا تو سینکڑوں یاتری اس حساس علاقے میں اپنے مذہبی فرائض ادا کررہے تھے کہ اچانک ان پر مارٹر، میڈیم مشین گن اور لائٹ مشین گن کے فائر کرنے لگے......!!

سینکڑوں بے گناہ سکھ گولیوں سے زخمی ہوکر تڑپنے لگے اور سینکڑوں آرٹلری کے فائر کی بھینٹ چڑھ گئے پلک جھپکتے ''سرور'' کا پانی ان کے لہو سے سرخ ہوگیا اور پانی کا تالاب خون کا تالاب بن گیا۔

''پرکرماں'' یعنی ہرمندر صاحب کی طرف جانے والا سنگ مرمر کے پتھروں سے سجا راستہ جسے سکھ روزانہ دودھ سے دھوتے ہیں ان کے خون سے دھلنے لگا۔ ''پرکرماں'' پر لہو کا دریا الگ سے بہنے لگا تھا۔

اس اچانک حملے نے سکھوں میں بوکھلاہٹ اور خوف تو پیدا کیا لیکن جلد ہی یہ سب کچھ غصے اور انتقام میں بدلنے لگا۔ اپنے گورو ارجن دیو کی تقلید میں وہ سب:

؎ تیرا بھانا میٹھا لاگے (ترجمہ: یااللہ تیرا ہر فیصلہ ہم دل وجان سے قبول کرتے ہیں) پکارتے ہوئے ''گوربانی'' (سکھوں کی مقدس مذہبی آیات) کا پاٹھ کرنے لگے......!!

صورت حال ایسی تھی کہ براہ راست گولہ باری کی زد میں آنے والے ان بے گناہوں تک طبی امداد نہیں پہنچائی جاسکتی تھی۔ بہت سے ایسے لوگ جو زخمی تھے اور جن کی جانیں بچ سکتی تھیں محض اپنے زخموں سے بے تحاشہ خون بہہ جانے اور ابتدائی طبی امداد میسر نہ آنے کے سبب مارے گئے۔ عین ان لمحات میں جب بھارتی فوج نہتے اور بے گناہ سکھوں کوان کے لیڈروں کی طرف سے 1947ء کو سرزد ہونے والے گناہ کی سزا دے رہی تھی۔

''ہرمندر صاحب'' میں ان سے چند گز کے فاصلے پر موجود ''اکال تخت'' سے خالصتانی حریت پسندوں کے کیرتن (مذہبی گیت) کی آواز بلند ہونے لگیں۔

یہ لوگ سکھوں کے گوروں کی طرف سے ایسے مواقع پر گائے جانے والے اپنے جنگی ترانے گا کر مرنے والوں کا جہاں حوصلہ بڑھا رہے تھے وہاں انہیں خراج تحسین پیش کررہے تھے سب سے پہلے جو آواز سنائی دی وہ اس ''کیرتن'' کی تھیں۔

؎ جوتئیو پریم کھیلن کے چاؤ
سردھر تلی گلی مورے آؤ

(ترجمہ: اگر تمہیں میرے ساتھ محبت کا دعویٰ ہے تو اپنی جان تلی پر رکھ کر میرے ساتھ آن ملو)

؎ ات مارگ پیر دھریجئے

سر دیجئے کانڈ نہ کیجئے

(ترجمہ: اس راستے پر پاؤں دھرنے کا پہلا اصول یہی ہے کہ تمہارا سر تو کٹ جائے لیکن تم دشمن کو پیٹھ نہ دکھانا)

اکال تخت پر مورچہ بند سکھ سٹوڈنٹس فیڈریشن کے حریت پسند جن کی کمان بھائی امریک سنگھ کے ہاتھ میں تھی۔ کورس کی شکل میں گا رہے تھے۔

گگن دمامہ باجیو
پریو نشانے گھاؤ
کھیت جو مانڈیو سورما
اب جھوجن کو آؤ
سورا سو پہچانئے جو لڑے دین کے ہیٹھ
پرزہ پرزہ کٹ مرے کبھو نہ چھاڈے کھیت

ترجمہ: جنگ کا نقارہ بج چکا ہے۔ اب سکھ ماؤں کے لال دشمن کی للکار کا جواب دینے میدان جنگ میں نکل آئے ہیں۔ سکھ سورما وہی ہے جو اپنے دین دھرم کو بچانے کے لئے مردانہ وار لڑے گا۔ اس کے جسم کا پرزہ پرزہ الگ کر دیا جائے لیکن وہ زندہ حالت میں میدان سے بھاگنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

جب کیرتن کرنے والوں نے گورو گوبند سنگھ کا جنگی ترانہ:

وہ شوا ورمو ہے اے ہے
شبھ کرمن تے کب ہوں نہ ٹروں
نے ڈروں ایہے سوں جب جائے لروں
نسچے کر اپنی جیت کروں
ار سکھ ہوا پنے ہی من کو
ایہہ لالچ ہاؤ گن تاؤ اچروں
جب آو کی اودھ ندھان بنے
ات ہی تب رن میں جوجھ مروں

ترجمہ: میرے خداوند تعالیٰ نے مجھے یہ بر بخشا ہے کہ میں اچھے کام کرنے سے کبھی نہیں ڈروں گا۔ اگر چہ مجھے میدان جنگ میں بھی جانا پڑے تو بھی میں اپنے صدق کے ساتھ جیت کر لوٹوں گا۔ سکھ بن جانے کے بعد میرے دل کی صرف ایک ہی تمنا ہے کہ جب بھی میری غیرت کو للکارا جائے میں دیوانہ وار میدان جنگ میں کودوں اور لڑتا ہوا مارا جاؤں۔

ترانہ شروع کیا تو دربار صاحب کے کونے کونے میں چھپے سکھوں میں ایک ولولہ تازہ پیدا ہوا۔ جوش غضب سے انہوں نے ''بولے سو نہال۔ ست سری اکال'' کے جے کارے (نعرے) بلند کرنے شروع کر دیئے۔ بھارتی فوج نے حملے کے آغاز میں دربار صاحب میں بجلی سپلائی کی لائنیں کاٹ دی تھیں لیکن بیٹری سے چلنے والے لاؤڈ سپیکروں کا گلا گھونٹنا ان کے بس کی بات نہیں تھی وہ سوائے کڑھنے کے اور کیا کر سکتے تھے؟ ان ولولہ انگیز ترانوں کی گونج بہت دور اور دیر تک سنائی دیتی رہی۔

O

فریقین میں گولیوں کا تبادلہ تو یکم جون کی شام ہی کو ہونے لگا تھا۔ یکم جون کی شام سے 3 جون کی رات تک وقفے وقفے سے بھارتی فوج دربار صاحب میں مورچہ بند سکھوں پر فائرنگ کر کے دراصل ان کی طاقت کا اندازہ لگا رہی تھی۔ بعد میں شائع ہونیوالی رپورٹوں میں حیرت انگیز انکشاف کیا گیا کہ انٹیلی جنس کے سینکڑوں سفید پوش کی دربار صاحب میں مسلسل موجودگی کے باوجود 6 جون تک جب تک کہ بھارتی فوج نے یہ ''معرکہ سر نہیں کر لیا'' انہیں حریت پسندوں کی ''جنگی طاقت'' کا علم ہی نہ ہو سکا۔

دربار صاحب کی تباہی کے بعد ایک لمبے عرصے تک بھارت کی مختلف انٹیلی جنس ایجنسیوں کے درمیان سرد جنگ کی سی کیفیت طاری رہی۔ ہر ایجنسی غلط رپورٹنگ اور صورتحال کا صحیح اندازہ نہ لگانے ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہراتی رہی جب کہ آرمی ہیڈ کوارٹر کی طرف سے حکومت کو جو رپورٹ پیش کی گئی اس میں سول انٹیلی جنس ایجنسیوں کی نالائقی کا رونا روتے ہوئے ان پر الزام لگایا گیا کہ بعض خفیہ مورچوں کی پہلے سے نشاندہی نہ ہونے کی وجہ سے درجنوں فوجیوں کو اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔!! دربار صاحب میں داخل ہونے والے تمام ٹروپس کمانڈروں کو انٹیلی جنس ایجنسیوں کی اطلاعات کی بنیاد پر جو نقشے تیار کر کے دیئے گئے تھے وہ غلط ثابت ہوئے......!! متعدد

ایسے مقامات جہاں ان ایجنسیوں کی اطلاعات کے مطابق میدان صاف تھا پر بظاہر مطمئن آگے بڑھتے بھارتی کمانڈوز پر چانک ہی کسی تہہ خانے یا ملحقہ دیوار کے سوراخ سے جھانکتی مشین گنوں کی گولیوں کا مینہ برسنے لگتا...... اوران کے سنبھلنے سے پہلے ان کے بہت سے جوان مارے جاتے۔

حملے کے خاتمے پر اخبار نویسوں کو بریفنگ دیتے ہوئے جنرل سندر جی اور جنرل دیال نے بڑے بڑے نقشوں کی مدد سے درجنوں ایسے خفیہ مورچے دکھائے جہاں سے خلاف توقع ان کے جوانوں پر فائرنگ ہوئی اور بھارتی فوج کو زبردست جانی نقصان اٹھانا پڑا۔

اس پریس کانفرنس میں جنرل سندر جی نے اس صورتحال کا ذمہ دار براہ راست بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیوں کو قرار دیا۔

O

4 جون کی صبح انفنٹری کے ساتھ ساتھ آرٹلری بھی حملے میں شامل ہوگئی کیونکہ 3 جون تک جنرل سندر جی نے اندازہ کرلیا تھا کہ صورتحال ان کی توقع سے کہیں زیادہ بڑھ کر خطرناک ہے۔ اس دوران ہیلی کاپٹروں سے حریت پسندوں کے سروں پر پرواز کرتے اور باریک بینی سے صورتحال کا جائزہ لینے کے بعد بھارتی کمانڈرز اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ خصوصاً دربار صاحب کے تاریخی میناروں، پانی کی ٹینکیوں اور بلندی پر موجود چھتوں پر ریت کی بوریوں سے مورچہ بنائے خالصتانی حریت پسندوں پر صرف انفنٹری کی مدد سے قابو نہیں پایا جاسکتا۔

پیدل فوج کی طرف سے اونچے مورچوں کی تسخیر میں جتنے زیادہ جانی نقصان کا تخمینہ لگایا گیا اسے برداشت کرنا بھارتی فوج کے لئے ممکن نہیں تھا۔

جنرل دیال نے بھی بعد میں جو وضاحت اخبار نویسوں کے سامنے پیش کی اور اس سلسلے میں جو دستاویزات بھارتی حکومت کی طرف سے منظر عام پر آئی ہیں ان میں یہی تکرار موجود ہے کہ بھارتی پیدل فوج کے لئے دہشت گردوں پر حملہ کر کے مثبت نتائج حاصل کرنا ناممکن ہوگیا تھا کیونکہ ان کی کمان ایک تجربہ کار جرنیل کر رہا تھا جس نے انہیں اس انداز میں مورچہ بند کیا ہوا تھا کہ کمانڈوز اگر اچانک یلغار کر کے دربار صاحب میں داخل ہو جاتے تو سکھ انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیتے۔

ان حالات کو دیکھ کر اور انتہائی مایوسی کے عالم میں بھی بھارتی فوج کے کمانڈر نے آرٹلری (توپ

نے) کو میدان میں لانے کا حکم دیا اور 4 جون کو حملے کا آغاز توپ خانے کی گولہ باری سے ہوا۔ 4 کی صبح سکھوں پر آرٹلری کی طرف سے ایم ایم جی، ایل ایم جی اور ایس ایل آر کا فائر پوری شدت آنے لگا تھا...... جس کا سلسلہ پھر 7 جون تک جاری رہا......!!

آرٹلری کے اس فائر کے لئے ''او پی'' کے فرائض فضا میں گشت کرتے ہیلی کاپٹروں سے انجام پا تے تھے اور اس فائر کو مزید موثر کرنے کے لئے مارٹر، ریکارس رائفلز کا سپورٹنگ فائر بھی دیا جا رہا

بھارتی فوج اور سکھوں کا آخری معرکہ

4 جون کی صبح ''سرووَر'' اور ''پرکرماں'' میں جو تباہی آئی اس کی وجہ بھارتی فوج کی تباہ کن گ
باری تھی۔ اس کے ساتھ ہی دربار صاحب کمپلیکس کی بہت سی بلڈنگوں کو بھی زبردست نقصان پہ
''اکال تخت'' اس بمباری کا خصوصی ٹارگٹ بنا......!! ''دربار صاحب'' کے چاروں طرف مو
بازاروں میں اونچے مقامات پر فوج نے اس طرح مورچے جمالئے تھے کہ چاروں طرف سے گو
دربار صاحب کے اندر گرنے لگے۔

4 جون کو اس شدت کے ساتھ حملے کرنے میں حکمت عملی یہ تھی کہ سکھ ''فائر پاور'' کی شدت
گھبرا کر ہتھیار ڈال دیں گے اور باہر نکل آئیں گے یا کم از کم یہاں سے بھاگنے کی کوشش ضرور کر
گے جنہیں کسی بھی مرحلے پر بھارتی فوج ''ٹریپ'' کر سکتی تھی......

جنرل دیال سے کہا گیا تھا کہ معاملے کو جتنی جلدی ممکن ہو ختم کرنا ہے زیادہ لمبا نہیں کھینچنا۔

لیکن......

اسے جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ یہ اتنی آسان بات بھی نہیں ہے۔

حیرت کی بات تو یہ تھی کہ دربار صاحب کے اندر مورچہ بند سکھوں کے پاس چند راکٹ لانچ
آدھ ایل ایم جی اور خودکار رائفلیں تھیں اور ان کے مقابل بھارتی فوج میڈیم گنیں جن
''ہاوٹزر''، ماؤنٹین گنز، اینٹی ٹینک میزائل اور اینٹی ٹینک رائفلز، ہیوی مارٹرز اور مسلسل آگ بر
والی ایم جی، ایل ایم جی، اور ایس ایل آر استعمال کر رہی تھی۔

....

''اپنے مورچوں میں سر جھکا کر چپ چاپ دشمن کا انتظار کرو...... جیسے ہی وہ اندر داخل

ں بھون کر رکھ دو''......!

یہ تھا وہ ''آرڈر آف دی ڈے'' جو سکھ حریت پسندوں کو اپنے کمانڈر انچیف جنرل شوبیگ سنگھ کی
ے سے ملا۔

گوشت پوست کے یہ انسان دربار صاحب کی مختلف عمارتوں میں اینٹوں سے بنی دیواروں کے
، سر جھکائے آتش و آہن کی بارش میں ''گوربانی'' کا پاٹھ کرتے اسی لمحے کے منتظر تھے جب
رتی فوج میدان صاف سمجھ کر اندر داخل ہوئی اور وہ بھوکے شیروں کی طرح اس پر جھپٹیں۔

مسلسل بمباری سے اعصاب تڑخنے لگے تھے......!!

گولے ان کے گرد اگرد پھٹ رہے تھے......!!

پتھریلی عمارت روئی کے دھنکتے ہوئے گالوں کی طرح اڑ رہی تھی......!! لیکن......! وہ مجبور
،......ان کے پاس ایسا اسلحہ نہیں تھا جس سے وہ دشمن کو اس کی زبان میں جواب دے سکتے۔ بس
ے ہی طریقہ تھا کہ جب ایک مورچہ تباہ ہونے لگتا تو وہ دوسرے مورچے میں منتقل ہو جاتے یا پھر
بار صاحب کے زیر زمین تہہ خانوں میں چھپے گولہ باری سے دربار صاحب کی تباہی کا تماشہ دیکھتے
تے......!! سوائے ایک دو مورچوں کے جہاں ایک آدھ لائٹ مشین گن نصب تھی اندر سے کوئی
ابی فائر نہیں آ رہا تھا......!!

سکھوں کے پاس ایسا اسلحہ بھی نہیں تھا کہ جس سے وہ کم از کم اپنے سروں پر منڈلاتے ان ہیلی
پٹروں کو ہی نشانہ بنا سکتے جو بمباری کرنے والوں کی رہنمائی کر رہے تھے اور جن میں نصب جدید
اسوسی آلات اندر موجود نقل و حرکت کر کے اپنی فوج کے لئے مزید آسانیاں بہم پہنچا رہے تھے۔

4 جون اس بمباری کی نذر ہو گیا......!!

5 جون کی صبح پونے پانچ بجے فوج نے چھوٹے اسلحے سے فائرنگ شروع کی۔ یہ مزید کھلے حملے کا
گنل تھا اور اس سے پہلے بھارتی فوج یہ تاثر دے رہی تھی کہ وہ جنگی اصولوں کے مطابق پہلے توپ
انے کے فائر سے دشمن کا ڈیفنس تباہ کرے گی اور پھر پیدل فوج سے حملہ کیا جائے گا......!!

ٹھنڈے دماغ کا بوڑھا لیکن جوان ارادہ کا حامل جنرل شوبیگ سنگھ آنکھوں سے دوربین لگائے
اکال تخت'' کے ایک قدرے محفوظ مورچے میں کھڑا ہاتھ میں اپنی عادت کے مطابق ایک چھوٹی سی
چھڑی لئے بڑے صبر سے صورتحال کا جائزہ لے رہا تھا۔

جنرل شوبیگ نے ایسی پوزیشن اختیار کر رکھی تھی جس سے اسے کم از کم اپنے مورچوں کی صحیح صورتحال کا علم ہوتا رہتا تھا۔ اپنے ساتھ موجود سکھ حریت پسند کو جس کے ہاتھ میں ''واکی ٹاکی'' پکڑا ہوا تھا جنرل کبھی کبھی کسی مورچے کے لئے ہدایت جاری کر دیتا۔ جسے اس ''واکی ٹاکی'' کے ذریعے متعلقہ مورچے تک پہنچا دیا جاتا۔

جہاں یہ سلسلہ ناپید تھا وہاں سکھ حریت پسند اس قیامت کی گولہ باری میں بھاگ بھاگ کر جنرل شوبیگ سنگھ کے احکامات پہنچاتے رہے۔

اس مسلسل گولہ باری نے ''پرکرماں'' اور اس کے اردگرد کی عمارات میں چھپے بے گناہ سکھ یاتریوں ہی کو خون میں نہیں نہلایا تھا بلکہ بھارتی سورماؤں کو اس قیامت خیز گولہ باری سے دو اہم کامیابیاں بھی نصیب ہوئی تھیں۔

سکھ حریت پسندوں کے دو اہم مورچے جو ''رام گڑھیا بنگالہ'' (دو میناروں) اور اونچائی پر بنے پانی کے ٹینکوں پر قائم کیے گئے تھے اور ان دو مورچوں ہی سے اب تک بھارتی فوج کو تھوڑا بہت جواب بھی دیا جا رہا تھا بھارتی فوج نے تباہ کر دیئے۔

ان مورچوں کی کمان ''ببر خالصہ'' اور ''سکھ سٹوڈنٹس فیڈریشن'' کے جھتیدار کر رہے تھے۔

انہوں نے اپنی بساط کے مطابق یہاں رکاوٹیں کھڑی کر رکھی تھیں لیکن 7ء3 انچ دہانے کے ''ہاؤٹزر'' کے سامنے ان کی کیا حیثیت ہو سکتی تھی......

معمولی سا جانی نقصان اٹھانے کے بعد ببر خالصہ اور فیڈریشن کے بچے کھچے جانباز جن میں زیادہ تعداد زخمیوں کی تھی مورچے خالی کر کے محفوظ پناہ گاہوں میں چلے آئے۔ اب تک شوبیگ سنگھ نے جوابی فائرنگ کا حکم نہیں دیا تھا۔

بوڑھا جرنیل اپنی گولیاں کسی اچھے وقت کے لئے محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ وہ پوری توانائی کے ساتھ جوابی حملہ کرنا چاہتا تھا۔ لیکن...... ابھی اس کا وقت نہیں آیا تھا۔

دونوں مورچوں کی تباہی کے بعد بھارتی فوج نے سمجھ لیا کہ میدان مار لیا ہے۔

جنرل دیال کم از کم جانی نقصان اٹھا کر فتح حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس نے 5 جون کی شام تک یہ حکمت عملی اپنائے رکھی اور 5 جون کی شام کو حالت یہ تھی کہ دربار صاحب کے اندر متعدد عمارتوں کو آگ لگ چکی تھی......!!

اس کے ساتھ ہی دربار صاحب کے باہر موجود بازار اور عمارات کو آگ لگا دی گئی۔ اب ''دربار صاحب'' کی ساری عمارت آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں آ چکی تھی اور چاروں طرف آگ کا دریا بہہ رہا تھا۔

سکھ حریت پسندوں کے لئے کسی بھی عمارت کی آگ بجھانا ناممکن تھا کیونکہ دشمن نے پانی اور بجلی کی سپلائی معطل کر دی تھی...... جبکہ دربار صاحب کی مختلف عمارات میں پھنسے ہزاروں بے گناہ سکھ عورتیں اور بچے پانی کے لئے بلک رہے تھے......!

جون کا مہینہ قیامت کی گرمی کا مہینہ تھا......!

پانی اور بجلی بند......

چاروں طرف آتش و آہن کا سیلاب ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

اس عالم میں عمارت میں محبوس بے گناہ بچوں، بوڑھوں اور عورتوں پر کیا قیامت گزر رہی ہوگی اس کا اندازہ بآسانی لگایا جا سکتا ہے۔

36 گھنٹے مسلسل گولہ باری کے بعد جنرل آر ایس دیال نے اپنے ہراول دستہ حملے کے لئے روانہ کر دیا۔

یہ بھارتی فوج کے مایہ ناز ''ایس ایف کمانڈوز'' تھے جن کا تعلق ''چکراتا'' کی 122 اسٹیبلشمنٹ سے تھا......

انہیں بطور خاص دربار صاحب پر حملے کی ریہرسل کروائی گئی تھی......!!

اکال تخت کے بائیں کونے سے بھارتی کمانڈوز ہینڈ گرنیڈ پھینکتے ہاتھوں میں آٹو میٹک اسلحہ تھامے ''جے ہند'' چلاتے حملہ آور ہوئے۔ حملے کا آغاز 5 جون کی صبح 8 بجے ہوا......

یکم جون سے صبر و استقامت کے ٹیلے بنے سکھ حریت پسندوں کو ان کے کمانڈر انچیف نے پہلی مرتبہ فائرنگ کا حکم دیا تھا...... قہر و غضب میں پھنکتے سکھ حریت پسندوں نے منٹوں میں درجنوں کمانڈوز کا صفایا کر دیا...... خالصتانی سکھ زمین دوز مورچوں، پتھریلی جالیوں کی آڑ سے اور دیواروں میں سوراخوں کے پیچھے اس طرح چھپے ہوئے تھے کہ دشمن ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا......!!

یکے بعد دیگرے تین گروپس جنرل دیال نے اندر بھیجے...... لیکن...... فوج کے بہترین حصے کا اس طرح صفایا کروانے کا خطرہ وہ مول نہیں لے سکتا تھا!! درجنوں کمانڈوز موقع پر مارے گئے اور

درجنوں زخمی ہوئے......!! جلد ہی جنرل دیال کو اندازہ ہو گیا کہ کم از کم اس راستے سے حملہ ممکن نہیں۔

اس کے ساتھ ہی اس نے دوسری سمت سے حملہ آور فوج کو آگے بڑھایا۔

یہ حملہ دربار صاحب کے مین گیٹ پر گھنٹہ گھر کی سمت سے ''10 گارڈز'' اور ''بہار رجمنٹ'' کی دو کمپنیوں نے کیا......!! لیکن......انہیں کمانڈوز سے بھی زیادہ تباہی کا سامنا کرنا پڑا۔

بھارتی فوج کو اندازہ ہی نہ ہو سکا کہ دروازے سے ملحقہ سیڑھیوں اور ''پرکرماں'' کی گہرائی میں جنرل شوبیگ سنگھ نے پانچ مضبوط مورچے اس ممکنہ صورت حال سے نمٹنے کے لئے تیار کر رکھے تھے......

ان مورچوں کی پوزیشن ایسی تھی کہ مین گیٹ سے آنے والی چڑیا بھی ان کی زد سے محفوظ نہ رہتی......محتاط ترین اندازے کے مطابق اس جگہ ستر اور اسی کے درمیان بھارتی فوجی مارے گئے۔ درجنوں زخمی ہوئے اور حملہ بری طرح پسپا کر دیا گیا۔

اس مرتبہ جنرل دیال نے جہاں ایک طرف مین گیٹ پر حملہ کیا تھا۔ وہیں ''سرائے گورو رام داس'' کی سمت سے 26 مدارس اور کماؤں رجمنٹ کے خصوصی تربیت یافتہ سورماؤں کو بھی آگے بڑھایا۔ جن کے استقبال کے لئے ''ببر خالصہ'' اور ''فیڈریشن'' نے پہلے ہی سے اس طرف مورچہ بندیاں کر رکھی تھیں۔

''میناروں'' (بنگا صاحب) کے مورچے تباہ ہونے کے بعد دونوں ایل ایم جی اب یہاں مورچہ بند خالصتانیوں کے پاس موجود تھیں۔ جنہوں نے اپنے دونوں مورچوں کی تباہی کا قرضہ بھی یہیں چکا دیا اور اس حملے کا شاید ہی کوئی زخمی خوش نصیب ایسا ہو گا جو یہاں سے زندہ بچ کر باہر نکلا ہو......

صبح 10 بجے تک صورتحال یہ تھی کہ 2 ہزار سے زیادہ بے گناہ یاتری اور بھارتی فوجی اس حملے میں مارے گئے تھے۔ مختلف بٹالین اور یونٹوں کی طرف سے مختلف اطراف سے حملوں نے بھارتی فوج کے لئے مضحکہ خیز صورتحال پیدا کر دی تھی۔ بہت سے بھارتی فوجی تو بھارتی فوج کی مختلف یونٹوں کے ''کور فائر'' ہی کی بھینٹ چڑھ گئے۔ قریباً تمام کمانڈروں نے اپنے جوانوں کو ہر ''حرکت کرتے ٹارگٹ'' کو نشانہ بنانے کا حکم دیا تھا اور کسی بھی طرف سے معمولی سی حرکت پر بھی بھارتی فوج فوراً فائرنگ کرنے لگتی تھی۔ بڑی مضحکہ خیز صورتحال تھی۔

خالصتانی سکھ تو اپنے مورچوں میں محفوظ آسانی سے شکار کھیل رہے تھے جب کہ سامنے کھلے

یدان میں بھارتی فوجی بکھرے ہوئے تھے۔

ان میں وہ بدقسمت زخمی بھی تھے جو گھسٹتے ہوئے باہر آنے کی کوشش کرتے اپنے ہی ساتھیوں کے ھوں مارے گئے۔ یوں بھی کھلے میدان میں موجود یہ فوجی جہاں سکھوں کے نشانے پر تھے وہاں اپنی ج کی سکھوں پر ہونے والی فائرنگ سے بھی بچ نہیں سکتے تھے......!!

جب 9 ویں انفنٹری ڈویژن کے ''ڈویژنل ریزروز'' بھی کوئی کارنامہ انجام دینے سے قاصر ہے اور مکمل ناکام ہو گئے تو جنرل دیال اور ''جنرل سندر جی'' (جی او سی آف ویسٹرن کمانڈ) نے 15 ویں انفنٹری ڈویژن کو آگے بڑھایا۔

پندرھویں انفنٹری ڈویژن کے جنرل آفیسر کمانڈ بریگیڈیئر اے۔ کے۔ دیوان نے اس حملے کی قیادت خود کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ کیونکہ وہ یہ معاملہ اپنے جونیئرز پر چھوڑ کر 9 ویں ڈویژن کی تاریخ نہیں دھرانا چاہتا تھا......

بریگیڈیئر دیوان کو بعد میں اس حملے میں ''بہادری'' دکھانے پر 2 اعلیٰ فوجی اعزازات سے نوازتے ہوئے میجر جنرل کے عہدے پر ترقی دی گئی۔

پانچ اور چھ جون کی درمیانی رات کو بریگیڈیئر دیوان کی کمانڈ میں 7 ویں بٹالین اور ''گروال رجمنٹ'' کے جوانوں نے ''پرکرماں'' پر حملہ کیا۔

بریگیڈیئر دیوان نے اس عزم کے ساتھ حملہ کیا تھا کہ وہ ''اموات'' کی پرواہ کیے بغیر آخری کامیابی تک جنگ لڑے گا۔ اور اس نے ایسا ہی کیا......!!

پیدل فوج نے سب سے بڑا اور خونریز معرکہ یہاں لڑا۔ تین گھنٹے کی دست بدست لڑائی کے بعد جب ''پرکرماں'' پر کشتوں کے پشتے لگ رہے تھے۔ بریگیڈیئر دیوان بہرحال اس علاقے میں قدم جما چکا تھا۔ اس کے جوانوں نے سکھوں کے پانچوں مورچوں پر فتح حاصل کر لی تھی۔

اس بات کا علم تو انہیں بہت بعد میں ہوا کہ ان پانچ مورچوں میں ''فتح'' حاصل کرنے تک مارے جانے والے سکھوں کی تعداد پندرہ سے زیادہ نہیں تھی جبکہ بھارتی فوج کی گنتی سینکڑوں میں پہنچ چکی تھی۔

سہ پہر تک بریگیڈیئر دیوان اپنے کمانڈرز کو ''پرکرماں'' فتح کرنے کی نوید سنا رہا تھا۔ اب سب سے نازک مرحلہ تھا ''اکال تخت'' پر قابض ہونا......

اس مرتبہ 9 ویں اور 15 ڈویژن کی مشترکہ کوششوں کے بعد بھی ناکامی ہوئی اور ''اکال تخت'' پر قبضہ ممکن نہ ہو سکا۔

6 جون کی دوپہر کو جنرل آر ایس دیال اور جنرل سندر جی نے بھارتی وزیراعظم کو ''سی او اے ایس'' پر ریڈیو کے ذریعے رابطہ کر کے درخواست کی کہ ''اکال تخت'' پر قبضہ کرنے کے لئے انہیں ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں دربار صاحب کے اندر لے جانے کی اجازت دی جائے کیونکہ اس کے علاوہ ''اکال تخت'' کی فتح کا اور کوئی محفوظ راستہ دکھائی نہیں دے رہا۔

''مجھے اس بات کی پرواہ نہیں کہ تم وہاں ٹینک استعمال کر رہے ہو یا بمبار طیارے۔ مجھے بہر صورت بھنڈرانوالہ کی لاش چاہیے......!! مجھے اس کے ایک ایک ساتھی کی لاش چاہیے خواہ اس کے لئے تمہیں ''دربار صاحب'' سمیت سارے امرتسر شہر ہی کو کیوں نہ تباہ کرنا پڑے''......!!

غصے اور کرودھ کی آگ میں پھنکتی مسز اندرا گاندھی نے جواب دیا۔

اس کا غصہ بے قابو ہوا جا رہا تھا کہ گزشتہ پانچ دن سے فوج امرتسر میں جھک مار رہی تھی حالانکہ انہیں ہر ممکن سہولت اور مکمل اختیارات کے ساتھ وہاں بھیجا گیا تھا۔!!

مسز اندرا گاندھی کو فوجی جرنیلوں نے یہ بھی یقین دہانی کروائی تھی کہ وہ 24 گھنٹے کے اندر اندر دربار صاحب فتح کر لیں گے......

اور......

اب یہی بے وقوف جرنیل اس سے ٹینک دربار صاحب کے اندر لے جانے کی اجازت مانگ رہے تھے جبکہ دوسری طرف ساری دنیا میں اس حملے کی خبر پھیل چکی تھی اور یورپ امریکہ اور کینیڈا میں بھارتی سفارت خانوں کے سامنے سکھوں نے احتجاج شروع کر دیا تھا۔

ساری دنیا کا مہذب پریس بھارتی فوج کی اس بہیمت پر سراپا احتجاج بن گیا تھا۔ مسز اندرا گاندھی کی خواہش تھی کہ اس سے پہلے کہ ملک کے اندر اپوزیشن اس کے خلاف کوئی طوفان کھڑا کر دے اور اسے لینے کے دینے پڑ جائیں۔

یہ خونی ڈرامہ ختم ہو جانا چاہیے......!!

''جنرل اسے ختم کرو...ختم کرو......فوراً ہر قیمت پر۔ ڈیم اٹ''...... اس نے غصے سے پھنکارتے ہوئے فون کریڈل پر پٹخا تھا۔

O

16 ویں کیولری کے جن ٹینکوں کو سب سے پہلے گورو رام داس سرائے کی طرف سے دربار صاحب میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا ان کو ایک بڑی قباحت یہ درپیش تھی کہ پہلے راستے کی رکاوٹوں کو صاف کیا جاتا۔

اس کے لئے پہلے بمباری کرتے اس سمت کا بڑا دروازہ توڑا گیا۔ اس کے بعد سیڑھیوں کا طویل سلسلہ ختم کیا گیا۔ اس درمیان شام ڈھلنے لگی تھی جب ٹینکوں کے لئے میدان صاف ہوا بھارتی فوج کو یقین تھا کہ اس ایریا میں موجود مورچوں میں کوئی اینٹی ٹینک اسلحہ نہیں ہے۔ اس لئے شاید ''پرکرماں'' کی طرف سے ہی اندر داخل ہونے کی کوشش کی گئی تھی۔

بھارتی فوج کی طرف سے جو پہلا ''آرمڈ پرسنل کیریئر'' (APC) اندر داخل ہوا۔ وہ اکال تخت کے بائیں سمت کی طرف بڑھا۔ اچانک ہی اس طرف سے راکٹ لانچر فائر ہوا اور اس کے پرزے اڑنے لگے......

اس صورتحال کا اندازہ کرتے ہوئے اب جنرل دیال نے نئی حکمت عملی اختیار کی چونکہ سکھوں کے مورچے ''اکال تخت'' میں تھے جہاں سے فائرنگ ہو رہی تھی۔ جنرل دیال نے جو ٹینک اندر بھیجے ان کی تعداد 13 تھی۔

ان ٹینکوں پر آنکھوں کی روشنی ختم کرنے والے خطرناک لیمپ (Xenon Lamps) نصب تھے۔ جن کا رخ اوپر کی سمت سکھوں کے مورچوں کی طرف تھا جہاں سے بھارتی فوج پر فائر آ رہا تھا۔

آنکھوں کو اندھا کر دینے والے ان لیمپوں سے دہرا فائدہ ہوا ایک تو اکال تخت پر مورچہ بند خالصتانی حریت پسندوں کے لئے اس طرف دیکھ کر نشانہ لگانا ممکن نہ رہا لیمپوں کی تیز روشنیاں براہ راست ان پر پڑتی تھیں اور دوسری طرف ٹینکوں کے عقب میں اندر داخل ہونے والی بھارتی پیدل فوج کے لئے میدان صاف ہو گیا کہ وہ آسانی سے صورت حال کا جائزہ لے سکیں۔

جب ''خالصہ فوج'' کے لئے اور کچھ ممکن نہ رہا تو 16 سال کی عمر کے ایک سکھ نوجوان نے اپنے جسم سے بارود باندھ کر اکال تخت کی طرف حرکت کرتے ایک ٹینک پر چھلانگ لگا دی اور اس ''خودکشی مشن'' نے اس ٹینک کو ناکارہ کر دیا۔

یہ ٹینک ''پرکرماں'' میں بابا دیپ سنگھ کی سمادھی کے سامنے پھنس گیا۔ اس کے چین ٹوٹ چکے تھے

جس کی وجہ سے حرکت ممکن نہیں رہی تھی۔ بعد میں بھارتی فوج نے بڑی مشکل سے خصوصی کرین منگوا کر اس ٹینک کو باہر نکالا کیونکہ جس پوزیشن میں یہ ٹینک تباہ ہوا تھا اس کا باہر نکالنا ہی کار دارد تھا۔

رات گئے تک صورت حال یہ تھی کہ اب 13 ٹینک ''اکال تخت'' کے بالکل سامنے پوزیشن لے چکے تھے۔ انہیں اکال تخت کی تباہی کا ''کارنامہ'' انجام دینا تھا۔

اکال تخت کی تباہی

ان ٹینکوں نے حکم ملتے ہی ''اکال تخت'' اور اس سے ملحقہ عمارتوں پر آگ برسانی شروع کر دی۔

اس گولہ باری کا نشانہ خاص طور پر ''کرماں'' کے ساتھ ساتھ کمروں میں پناہ لینے والے بے گناہ سکھ یاتری بنے۔ اس کے ساتھ ہی زہریلی گیس کے کنستر ''اکال تخت'' پر پھینکے جانے لگے۔ اپنی دانست میں بھارتی فوج نے ان مورچوں پر چھپے سکھ حریت پسندوں کی موت کا ہر ممکن سامان پیدا کر دیا تھا۔

اس کے باوجود کہ ٹینکوں کی مسلسل گولہ باری نے ''اکال تخت'' کو ادھیڑ کر رکھ دیا تھا اور بظاہر اس طرف سے مزاحمت کے تمام امکانات ختم ہوتے نظر آ رہے تھے۔ لیکن...... بھارتی فوج کے پیدل سورماؤں کو ابھی تک اکال تخت میں داخل ہونے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ رات سے صبح دیر گئے تک انہوں نے جب بھی اکال تخت پر حملہ کر کے قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ بچے کھچے خالصتانی سکھوں نے دلیرانہ جوابی حملے سے ان کا منہ پھیر کر رکھ دیا۔ بھارتی فوجیوں کے لئے جب ''دہشت گردوں'' پر قابو پانا ممکن نہ رہا تو انہوں نے اپنا غصہ بے گناہ اور نہتے یاتریوں پر اتارنا شروع کر دیا۔ زہریلی گیسوں سے ملبوس نیوی کے جیالے ان کمروں میں جا گھسے جہاں عورتوں بچوں اور بوڑھوں نے پناہ لے رکھی تھی اور انہوں نے ان ناکسوں کے خون سے ہولی کھیلنا شروع کر دی......

گیس سے اگر کوئی بروقت بچ نکلتا اور کسی نہ کسی طرح کمرے سے باہر آنے میں کامیاب ہو جاتا تو فوج اسے گولیوں سے بھون ڈالتی۔

درندگی اور بہیمیت کا یہ اندوہناک مظاہرہ سیکولر بھارت کی بہادر افواج کی اخلاقی پستی کی انتہا تھی۔

انہوں نے انگریزی کی اس کہاوت کو سچ ثابت کر دیا تھا کہ ''بزدل ظالم ہوتے ہیں۔'' صبح کا اجالا پھیل رہا تھا......!! بھارتی سورماؤں نے اس درمیان زہریلی گیس کے سینکڑوں بم پھینک کر، ٹینکوں کی گولہ باری، مارٹرز کی گولہ باری اور ایل ایم جی اور ایم ایم جی کے اندھادھند فائر کی مدد سے دربار صاحب کے قریباً 3 بٹا 4 حصے پر مکمل کنٹرول حاصل کر لیا تھا......

اپنے سینکڑوں فوجیوں کی بلی چڑھا کر اندھادھند بمباری سے بھارتی فوج نے اکال تخت کو قریباً تباہ کر دیا تھا لیکن 6 جون کی شام تک اکال تخت سے مزاحمت جاری رہی البتہ ''پرکرماں'' پر مکمل سکوت طاری تھا......!

یہاں اب بھارتی سورماؤں کا مقابلہ کرنے کے لئے کوئی حریت پسند زندہ نہیں رہا تھا۔ بھارتی فوج نے اب ''پرکرماں'' کے مورچوں پر قبضہ جما لیا تھا جہاں زخموں سے سسکتے سکھ حریت پسندوں کو اذیتیں دے دے کر مارا گیا۔ دربار صاحب کے جو مورچے ''گورورام داس سرائے'' اور ''گورونانک نواس'' کی طرف تھے وہ چونکہ براہ راست دشمن کے حملے کی زد میں تھے اور اس کھلے میدان میں خالصتانی سکھوں کے لئے بھارتی فوج کی تباہ کن گولہ باری کا مقابلہ ممکن نہیں تھا......!!

5 جون کو رات گئے تک یہ لوگ مقابلے پر ڈٹے رہے پھر 5 اور 6 جون کی درمیان رات کو بچے کھچے اور زخمی ساتھیوں کے ساتھ گورونانک نواس کے عقب میں ایک تنگ راستے سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے......

جب بھارت کی ''فاتح افواج'' یہاں پہنچیں اور کوئی زندہ یا زخمی حریت پسند ان کے ہاتھ نہ لگا تو ان کا غصہ آسمان کو چھونے لگا......!

بھارتی فوجیوں نے ان ''سراؤں'' میں پناہ لینے والے قریباً چھ ہزار سکھ بچوں، عورتوں، بوڑھوں اور مردوں کو زہریلی گیس اور گولیوں سے موت کی نیند سلا کر حریت پسندوں کا بدلہ چکا دیا۔ اپنے نہتے ہم مذہبوں کو بھارتی فوج کے ہاتھوں مرتے دیکھ کر ان مسافر خانوں میں پناہ گزین سکھ یاتریوں نے فوج سے اپنی جانیں بچانے کے لئے دروازوں کو اندر سے کنڈیاں لگانا شروع کر دیں۔ لیکن......! بھارتی سورماؤں نے بند کمروں میں ہینڈ گرنیڈ اور زہریلی گیس کے بم پھینک پھینک کر ان کو یا تو کمروں ہی میں مار ڈالا یا پھر کمروں سے باہر آنے پر مجبور کر دیا جہاں انہیں بے دردی سے مار دیا گیا۔

بھارتی فوجی اپنی درندگی کی ایسی ایسی مثالیں یہاں قائم کر رہے تھے جنہیں لکھتے ہوئے قلم بھی تھراتا ہے۔ انٹرنیشنل ہیومن رائٹس کی رپورٹوں کے مطابق یہاں موجود سکھ نوجوان اور کم عمر لڑکیوں سے اجتماعی زنا کاری کی گئی۔

سکولوں کی نوعمر بچیاں جو اپنے مذہبی فرائض کی ادائیگی کے لئے اپنے اپنے سکول کی نمائندگی کرنے یہاں آئی تھیں اور جن کی عمریں بمشکل 12 یا 14 سال تک تھیں کے ساتھ بھارتی فوجیوں نے اجتماعی آبروریزی کی اور انہیں اتنی اذیتیں پہنچائی گئیں کہ ان میں سے بہت سی بچیوں کی موت واقع ہو گئی......

نوجوان لڑکیوں کو بھارتی فوجی کھینچتے ہوئے مقدس مقامات کے قریب لے جاتے اور انہیں برہنہ کرنے کے بعد ان کی آبروریزی کی جاتی۔ ان میں سے بہت سی لڑکیوں کو نشان عبرت بنانے کے لئے زندہ چھوڑ دیا گیا جن کی کہانیاں آج تک عالمی ادارہ انصاف کی فائلوں میں رقم ہیں......کئی لڑکیاں اس بے رحمانہ سلوک سے اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھیں۔ جب بھارتی پریس کی پہلی ٹیم دربار صاحب میں گئی تو اس نے یہاں بیشتر دیواروں سے خون اور گوشت کے لوتھڑے چپکے دیکھے۔ بھارتی فوج نے تو اس کی کوئی اور توجیہہ پیش کی ہو گی۔ لیکن......! بھارتی پریس میں یہ بات متعدد مرتبہ شائع ہو چکی ہے کہ دراصل یہ وہ نومولود بچے تھے جنہیں بھارتی فوجیوں نے ان کی ماؤں کی آبروریزی کرنے سے پہلے ان کی گود سے چھینا اور انہیں زمین پر پھینک کر اپنے بوٹ پر اس طرح زور سے اچھالتے کہ بچے گیند کی طرح دیوار سے ٹکراتے......کئی بچوں کو ان وحشیوں نے ہاتھوں سے پکڑ کر اس زور سے دیوار پر مارا کہ ان کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں...... یہاں جو گورکھا اور مرہٹہ فوجی داخل ہوئے انہوں نے سگریٹ سلگائے ہوئے تھے۔ وہ شراب کے نشے میں دھت تھے اور ہر غیر اخلاقی اور غیر انسانی حرکت کر رہے تھے۔ اتنا خون بہایا گیا کہ قدم اس میں دھنستے تھے بعد میں کافی عرصہ تک بھارتی حکومت بے گناہوں کے خون کے نشانات مختلف کیمیکلز سے مٹاتی رہی لیکن مکمل کامیابی سے کبھی اپنے جنگی جرائم کے نشان نہیں مٹا سکی۔ (بحوالہ۔ بھنڈرانوالے سنتاں دے آخری ست دن۔ مصنف۔ ہرجندر سنگھ دلگیر)

یہاں بھارتی فوجوں نے صرف قتل و غارت گری پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے پروگرام پر عمل کرتے ہوئے سکھوں کی مذہبی اساس کو تباہ کرنے کے لئے ان کی مذہبی عمارات ''گورورام داس

سرائے'' ''گورونانک نواس'' ''تیجا سنگھ سمندری ہال'' کو آگ لگادی اور یہاں پناہ گزین سینکڑوں بچے عورتیں اور مرد بھی اندر ہی جل کر خاک ہوگئے۔

جن عورتوں یا بچوں نے اپنی جان بچانے کے لئے غسل خانوں اور ٹائلٹس کا رخ کیا۔ ان پر گرنیڈ اور زہریلی گیس کے کنستر پھینکے گئے......

کئی عورتوں کی لاشیں بعد میں اس حالت میں ملیں کہ ان کی چھاتیاں ننگی تھیں اور بچے دودھ پیتے ہوئے اپنی ماؤں سمیت موت کی نیند سو گئے تھے۔

O

بھارتی فوج نے ''دمدمی ٹکسال'' کے 8 سے 12 سال کے درمیان سو بچوں کو یہاں اکٹھا کر کے ان کے ہاتھ باندھ کر انہیں قطار میں کھڑا کر دیا۔ چونکہ ''دمدمی ٹکسال'' سکھوں کا سب سے بڑا مذہبی مدرسہ ہے اور سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ بھی اسی ''ٹکسال'' کے سربراہ تھے اس لئے ان بچوں کا گناہ بھارتی فوج کے لئے ناقابل معافی تھا......!! ان بچوں سے بھارتی فوجیوں نے پوچھا کیا اب بھی وہ خالصتان چاہتے ہیں؟ اس سوال کے جواب میں انہوں نے اپنی مذہبی تعلیمات کے مطابق اپنا جنگی نعرہ ''جو بولے سو نہال......ست سری اکال'' بلند کیا۔

اس نعرے نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور بھارتی فوجیوں نے ان تمام بچوں کو پہلے بندوقوں کے بٹ سے بے تحاشا زدوکوب کیا جس کے بعد ان میں سے بیشتر کو گولی ماردی گئی۔ ''بہادری'' کی ایسی مثالیں شاید دنیا کی بہیمیت کی تاریخ میں اور کہیں نہ مل سکیں جس کا مظاہرہ بھارتی فوج کے سورما کر رہے تھے......!! (سکھ ہیومن رائٹس کمیشن رپورٹ مطبوعہ دلی 1986 صفحہ 172)

''بہادر بھارتی افواج'' نے لنگر کی خدمت پر مامور بابا کھڑک سنگھ کے سیواداروں کو بھی نہیں بخشا جن کا گناہ یہ تھا کہ وہ گزشتہ پندرہ بیس سال سے یہاں آنے والے ہر مذہب کے باشندے کو کھانے کی سہولت بہم پہنچا رہے تھے۔ ان کی پگڑیوں سے ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ان کی ڈاڑھی مونچھیں کاٹنے کے بعد ہندو فوجیوں نے انہیں بے رحمی سے زدوکوب کیا۔ ان کی تعداد 20 تھی جن میں سے دو کی عمر 70 سال سے زائد تھی۔ (بی بی سی رپورٹ 5 فروری 1985)

یہ دونوں بوڑھے سیوادار بھارتی فوجیوں کے اس بے رحمانہ تشدد کا زیادہ دیر مقابلہ نہ کر سکے اور بالآخر اپنی جان کی بازی ہار گئے۔

''آپریشن بلیوسٹار'' کے دوران بھارتی فوج نے جتنے بھی انسانیت سوز جرائم کا ارتکاب کیا ان میں یہ دونوں جرائم ناقابل معافی تھے......

ہیومن رائٹس کے بھارتی گروپوں نے اس سانحے پر جو رپورٹیں شائع کی ہیں ان میں دمدمی ٹکسال کے بچوں اور ان بوڑھے خدمت گاروں کی ہلاکت پر بھارتی فوج کی طرف سے پیش کی گئی کسی بھی وضاحت کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے ناقابل تلافی جرم قرار دیا گیا ہے۔ (تفصیل کتابیات میں ملاحظہ کریں)

آپریشن بلیوسٹار سے پہلے بھارتی حکام کی طرف سے گوردوارہ پربندھک کمیٹی کو جن دہشت گردوں کی لسٹ فراہم کی گئی تھی ان کی تعداد 30 تھی۔

بھارتی حکومت کا کہنا تھا کہ ان 30 دہشت گردوں نے دربار صاحب میں پناہ لے رکھی ہے جنہیں بھارتی حکومت کے حوالے کر دیا جائے۔

مقام حیرت ہے کہ ان 30 دہشت گردوں کی گرفتاری یا تباہی کیلئے بھارتی فوج نے جب دربار صاحب پر حملہ کیا تو 8 ہزار عورتوں، بوڑھوں، شیرخوار بچوں اور نوجوانوں کو بھی مار ڈالا......!!

یوں تو حکومت کی طرف سے 45 دہشت گردوں کی لسٹ جاری کی گئی تھی لیکن ان میں سے 11 بیرون ممالک میں فرار ہو چکے تھے۔ 4 وہ تھے جو اس سے پہلے ہی ''پولیس مقابلے'' میں مارے جا چکے تھے۔ اس طرح محض 30 دہشت گردوں کو مارنے کے لئے بھارتی فوج نے 8 ہزار سکھوں کو مار ڈالا۔

سکھوں کا مذہبی تشخص تباہ کرنے کے لئے دربار صاحب میں موجود ''سکھ ریسرچ اینڈ ریفرنس لائبریری'' کو بھارتی فوج نے نذر آتش کر دیا۔ جس میں سکھوں کا سارا مذہبی ریکارڈ محفوظ رکھا جاتا تھا۔ اس تاریخی لائبریری کے نذر آتش ہونے سے جہاں سکھوں کا تاریخی مذہبی ریکارڈ جل کر راکھ ہوا وہاں ''گوروگرنتھ صاحب'' سکھوں کی مذہبی کتاب کے 700 نسخے بھی جل کر راکھ ہوگئے۔ یہ کارنامے تو دربار صاحب کی دوسری سمت واقع عمارات یعنی ''گورو رام داس سرائے، گورونانک واس اور سکھ ریسرچ اینڈ ریفرنس لائبریری'' میں انجام پائے جہاں مزاحمت 6 جون کی صبح تک دم توڑ گئی تھی اور اس طرف مورچہ بند سکھ حریت پسند جن میں زیادہ تعداد میں ''ببر خالصہ'' کے سکھ شامل تھے جان بچانے میں کامیاب ہوگئے تھے۔

اکال تخت پر بھارتی فوج 7 جون کی صبح تک قبضہ نہیں کر سکی......!!

بھارتی فوجیوں کو اب اپنے زہریلے بموں پر بھی اعتماد نہیں رہا تھا۔ انہوں نے 6 جون کی صبح اپنے ساتھیوں کا جو حشر ''پرکرماں'' اور ''اکال تخت'' پر دیکھا تھا اس کے بعد وہ اکال تخت کے نزدیک اس وقت تک جانے کے لئے تیار نہیں تھے جب تک کہ انہیں یقین نہ ہو جاتا کہ یہاں ایک بھی زندہ سکھ موجود نہیں ہے......!!

7 جون کو اکال تخت مکمل مسمار ہو چکا تھا......!!

اس طرف سے بھارتی سورماؤں کو جواب دینے والا اب کوئی سکھ زندہ نہیں بچا تھا۔ 7 جون کی دوپہر کو اپنے اعلیٰ افسران کے حکم پر بالآخر بھارتی فوجی اکال تخت کی طرف بڑھے اور جب انہوں نے یہاں کا منظر دیکھا تو ضرور اپنے گریبانوں میں منہ ڈال لیا ہوگا۔

یہاں 40 سکھوں کی لاشیں پڑی تھیں......!!

ان میں سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ، جنرل شوبیگ سنگھ اور بھائی امریک سنگھ بھی شامل تھے......!!

بھارتیوں کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ ان 40 سکھوں نے ان کی فوج کا یہ حشر کیا ہوگا اور انہیں اتنی زیادہ ذلت اٹھانے کے بعد کامیابی حاصل ہوئی ہوگی۔

یہاں موجود تین لاشوں کے علاوہ باقی تمام لاشوں کو بھارتی فوج نے ایک میدان میں رکھ کر نذر آتش کر دیا......

سنت جرنیل سنگھ، جنرل شوبیگ سنگھ اور بھائی امریک سنگھ کی لاشیں ان کے ورثاء کو اس حکم کے ساتھ سونپی گئیں کہ چپ چاپ ان کا ''انتم سنسکار'' کر دیا جائے۔

اس ایریا میں مرنے والے ہندو فوجیوں کی تعداد 2 ہزار تھی۔ جن میں سے بیشتر فوجی وہ تھے جو 5 اور 6 جون کی درمیانی رات کو اندھیرے میں اپنے ہی ساتھیوں کو گولیوں کا نشانہ بنے۔ دنیا کی کوئی بھی بہادر فوج ہوتی تو ان 40 حریت پسندوں کو سلیوٹ کرتی۔ لیکن...... بھارتی سورماؤں کو ان کے ساتھیوں کی موت نے پاگل کر دیا تھا۔ انہوں نے جوش انتقام میں اندھے ہو کر جہاں 8 ہزار سکھ یاتریوں کو دربار صاحب کے اندر مار ڈالا وہیں ایک اور کارنامہ بھی انجام دیا اور شراب کے نشے میں دھت، آتش انتقام میں جلتے فوجی امرتسر شہر میں پھیل گئے۔ ہر وہ سکھ نوجوان جس نے کالی، نیلی اور پیلی پگڑی پہن رکھی تھی ان کا نشانہ بن گیا...... 8 جون کی صبح تک امرتسر اور اس کے گردونواح میں

بھارتی فوج کے ہاتھوں 12 ہزار سکھ مارے جا چکے تھے۔ ان میں وہ 8 ہزار شامل نہیں ہیں جنہیں بھارتی فوج نے دربار صاحب کے اندر مار ڈالا تھا۔

بھارتی فوج کے ٹرکوں، ٹرالوں میں ان لاشوں کو لاد کر نامعلوم جگہ لے جایا جاتا جہاں ان پر کیروسین آئل، ڈیزل اور پٹرول چھڑک کر انہیں نذر آتش کر دیا جاتا۔ کسی بھی مرنے والے کے لواحقین کو اس کی مذہبی رسومات ادا کرنے کی اجازت نہ دی گئی...... کوئی ریکارڈ نہیں رکھا گیا......!! کسی کو اپنے مرنے والے پیارے کا دیدار کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ آپریشن بلیوسٹار صرف دربار صاحب تک محدود نہیں تھا......!! دربار صاحب کے علاوہ بہت سے دوسرے گوردواروں کو بھی نشانہ بنایا گیا جن میں ایک بڑا اور تاریخی گوردوارہ پٹیالہ کا ''گوردوارہ دکھ نیوارن'' تھا......!! اس گوردوارے کو بھارتی فوج نے تین جون کی رات کو گھیرے میں لے لیا...... کیونکہ 3 جون کو یہاں سکھ یاتری اپنے گوردوار جن دیو کی برسی منانے کے لئے جمع ہو چکے تھے۔ جون کی بلا کی گرمی میں سکھ یاتریوں کی زیادہ تعداد گوردوارے کے کھلے صحن میں تھی یا پھر اس کے مقدس تالاب میں نہا رہی تھی کہ اچانک ان پر آتش و آہن کی بارش ہونے لگی۔ اس بات کا علم تو انہیں تھا کہ پنجاب کو فوج کے حوالے کر دیا گیا ہے اور اب کسی بھی لمحے فوج دربار صاحب میں داخل ہو کر وہاں موجود سکھ حریت پسندوں کو مار ڈالے گی۔ لیکن...... یہ تو کسی کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ بھارتی فوج ایسی ہی درندگی کا مظاہرہ دوسرے بہت سے گوردواروں میں بھی کرے گی۔

O

2 جون کی مسز اندرا گاندھی کی تقریر نے پٹیالہ کے عوام کو جہاں کانگریس کا خاصا اثر و رسوخ تھا اس بات کا یقین دلا دیا تھا کہ ان کی بھارت ماتا کی فوج ان کے خلاف کوئی جارحانہ قدم نہیں اٹھائے گی۔ لیکن...... احمقوں کی جنت میں رہنے والے سکھ 37 سال تک براہمن کی آمریت کا مزہ چکھنے کے بعد بھی اس سے متعلق غلط فہمی کا شکار تھے...... جب اچانک ان پر ایل ایم جی، ایم ایم جی اور ایس ایل آر کا فائر گرا تو انہوں نے بھاگ کر گوردوارے ہی میں پناہ گاہ ڈھونڈنا چاہی...... اس درمیان کھلے میدان اور تالاب میں نہانے والے اپنے ہی خون میں نہا گئے۔

4 جون کی صبح بھارتی فوج گوردوارے میں داخل ہو گئی اور اس نے یہاں مختلف کونوں میں چھپے سکھ بچوں اور بڑوں کا قتل عام شروع کر دیا......!!

نوجوان لڑکیوں کے ساتھ اجتماعی درندگی کا مظاہرہ ان کے لواحقین کے سامنے ہونے لگا...... اگر کسی نے غیرت کا مظاہرہ کیا تو بھارتی فوجیوں نے اسے موقع پر اس غیرت کی سزا دے ڈالی اور اذیتیں دے دے کر موت کی گہری نیند سلا دیا۔ (ہیومن رائٹس کمیشن رپورٹ 1990)

اس گوردوارے کے مختلف حصوں سے ہندو فوجیوں نے 13 سکھ نوجوانوں کو جنہوں نے پیلے رنگ کی پگڑیاں پہن رکھی تھیں ایک طرف کھڑے کر کے ان کی پگڑیوں کے ساتھ ان کے ہاتھ اور پاؤں باندھ کر ان کے بال کھول کر ان کے حلقوم پر بل دے کر کس دیئے اس کے بعد انہیں پیٹ کے بل زمین پر گرا دیا گیا......!! اب ایک ایک نوجوان کی گردن پر جس کا منہ فرش سے لگا تھا۔ بھارتی فوجیوں نے اپنے بوٹ جما دیئے وہ ہر ایک سکھ سے کہتے۔

''اگر تمہیں خالصتان چاہیے تو وہاں بھیج دیں''؟

پہلے تو بے بس اور بندھے ہوئے سکھوں نے خاموشی اختیار کی۔ جب ہندو فوجیوں نے انہیں گالیاں دینی شروع کیں تو ان میں سے ایک نوجوان نے اپنا جنگی نعرہ

''بولے سو نہال ست سری کال۔'' بلند کر دیا۔

اس کی تقلید باقی نوجوانوں نے کی اور ہندو فوجیوں کی آتش انتقام بھڑکنے لگی۔ انہوں نے اس حالت میں لیٹے سکھ نوجوانوں پر گولیوں کا مینہ برسا دیا اور ان کے خون سے ہولی کھیلنے لگے۔ یہ کہانی شاید مہذب دنیا کے علم میں کبھی نہ آتی۔ لیکن...... مارنے والے سے بچانے والا بہر حال زیادہ طاقتور اور با اختیار ہے...... 13 سال کا ایک سکھ نوجوان بیر سنگھ جو گوردوارے کے ایک تاریک کونے میں چھپا ہوا تھا یہ سارا خونی منظر دیکھتا رہا۔ جب بھارتی فوجی اپنا کام مکمل کر کے چلے گئے تو وہ کسی نہ کسی طرح اپنے گھر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔

یہ کہانی بیر سنگھ کے ذریعے ہیومن رائٹس کمیشن کے علم میں آئی۔ (گوربچن سنگھ A Case Study Of Punjab)

O

''مکستر'' بھارتی پنجاب کے ضلع فیروز پور کی ایک تحصیل ہے اور یہاں سکھوں کا ایک تاریخی گوردوارہ موجود ہے۔ 1704ء میں مغل فوج سے مقابلہ کرتے ہوئے مارے جانے والے سکھوں سے منسوب ہے۔

3 جون کو مکستر شہر کو ایک آرٹلری ڈویژن نے گھیرے میں لے لیا۔ 3 جون کی شام کو گوردوارے پر بمباری کا آغاز ہوا اور یہاں بھی وہی خونی ڈرامہ کھیلا گیا جس کے بعد 4 جون کی صبح بھارتی انفنٹری گوردوارے میں داخل ہو گئی۔ انہوں نے بچے کھچے اور کونوں کھدروں میں چھپے سکھوں میں سے گوردوارے کے گرنتھی اور اس کے نوجوان ساتھیوں کو باہر نکالا اور ان کے کپڑے اتار کر ان کی پگڑیوں سے ان کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے۔

4 جون دوپہر 12 بجے جب یہاں درجہ حرارت 47 ڈگری سنٹی گریڈ تک اور سنگ مرمر کے فرش پر ایک منٹ کے لئے ننگے پاؤں کھڑے ہونا ناممکن تھا۔ بھارتی فوجیوں نے انہیں منہ کے بل زمین پر لٹا کر ان کی کمر پر کھڑے ہو کر انہیں گالیاں دینا شروع کیں۔ ان گرنتھیوں کو حکم دیا گیا کہ اپنی جگہ حرکت نہ کریں۔

جب بھی جلتے سنگ مرمر کی تپش سے بیقرار ہو کر کوئی مغلوب معمولی سی جنبش کرتا بھارتی فوجی اسے بٹوں سے مارنا شروع کر دیتے......!! انہوں نے بے گناہوں کو اسی طرح دھوپ میں سنگ مرمر کے فرش پر ننگے لٹائے رکھا اور گوردوارے کے لنگر خانے میں سور کا گوشت پکانے لگے۔ یہ کھانا انہوں نے پھر ان کے سامنے کھانا شروع کیا......!!

یاد رہے کہ سکھ اپنے گوردوارے میں سگریٹ اور گوشت لے جانا حرام خیال کرتے ہیں۔ کسی بدقسمت سکھ نے ان کے اس اقدام پر ہلکا سا احتجاج کیا تو بھارتی فوجیوں نے اسے گولی مار دی۔ سہ پہر 3 بجے دھوپ کی تپش سے سلگتے اور پیاس سے ماہی بے آب کی طرح تڑپتے ان سکھوں کو حکم ملا کہ وہ اس طرح پیٹ کے بل رینگتے ہوئے تالاب کے کنارے تک جائیں اور دھوپ کی تپش سے کھولتا ہوا پانی زبان سے چاٹیں......!! پیاس سے بے حال تین چار نوجوان جب دیوانہ وار اس طرح گھسیٹتے ہوئے تالاب کے کنارے تک پہنچے اور انہوں نے اپنی زبانیں کھولتے پانی سے لگائیں تو تڑپ کر پیچھے ہٹ گئے...... لیکن...... ان تینوں کو بھارتی فوجیوں نے بے بس بطخوں کی طرح گولیاں مار کر ہلاک کر دیا اور ان کا خون اب ''پرکرماں'' سے پانی کے تالاب (سردو) میں گرنے لگا۔ (گوربچن سنگھ Rise and Fall Of Khalistan Movement by)

''پانی ضرور ملے گا...... لیکن اس کے لئے خالصتان کی سیر کرنی پڑے گی''

مرہٹہ حوالدار نے جو شراب کے نشے میں دھت تھا اپنی بندوق کو دوبارہ کندھے پر لٹکاتے ہوئے

زمین بوس سکھوں کو ٹھوکریں مارتے ہوئے کہا۔اس کے ساتھ ہی وہ دیوانہ وار قہقہے بلند کرنے لگے۔

11 بجے دن سے 6 بجے شام تک وہ ایسے ہی حیلے بہانوں سے قصائیوں کی طرح سکھوں کو تڑپا تڑپا کر مارتے رہے۔اس درمیان زمین بوس سکھ اپنے ہوش وحواس سے بیگانہ ہو چکے تھے۔اب فوجی انہیں مردہ جانوروں کی طرح ٹانگ سے گھسیٹتے ہوئے ٹرالر تک لاتے اور اس میں پھینک دیتے۔

آج تک اس بات کا علم نہیں کہ ''مکستر'' گوردوارہ کے یہ سکھ کہاں ہیں؟

اس ضمن میں دو مفروضات قائم کیے جاتے ہیں جن میں سے ایک یقیناً صحیح ہوگا کیونکہ تیسرا کوئی نظریہ قائم نہیں کیا جا سکتا۔

یا تو انہیں نیم مردہ حالت میں زندہ نذر آتش کر دیا گیا ہے؟ یا آج تک وہ کسی گمنام عقوبت خانے میں زندگی کی آخری سانسیں لے رہے ہیں؟ کیونکہ اس کے بعد ان کا کوئی نام ونشان نظر نہیں آیا اور ان کے لواحقین کی طرف سے ملک کی تمام عدالتوں کے دروازے کھٹکھٹانے کے بعد بھی ان بدقسمتوں کی شنوائی نہیں ہو سکی۔

بابا سنت ہربنس سنگھ جو دہلی کے گوردوارے کا سنت تھا یہاں صرف ''کارسیوا'' کے لئے اپنے ''پیروکاروں'' کے ساتھ آیا ہوا تھا۔واضح ہدایات کے باوجود فوجیوں نے اس کے پیروکاروں کو بری طرح زدوکوب کیا اور بیشتر کی ڈاڑھیوں کو ماچس کی تیلیوں سے جلاتے رہے......!!

ایک ماہ تک مکستر شہر اور گوردوارہ فوج کے گھیرے میں رہا اور یہاں کرفیو کا عالم طاری رہتا تھا۔

اس درمیان بھارتی فوجیوں نے کسی بچے،عورت،بوڑھے پر رحم نہیں کھایا۔وہ روزانہ اپنے شکار پر نکلتے اور زخموں سے چور بے ہوش اور مردہ سکھوں کو ایک ہی ٹرالر یا ٹرالی میں لاد کر شہر سے باہر کسی نامعلوم مقام پر لے جاتے اور ان زخمی اور مردہ سکھوں کو ایک ہی جگہ پھینک کر ان پر پٹرول چھڑک کر آگ لگا دیتے......ایک ماہ تک بھارتی فوجی اپنے جرائم کے نشانات مٹاتے رہے اور جب انہوں نے گوردوارے سے خون کے تمام دھبے صاف کروا دیئے اور اس کی دوبارہ مرمت ہو گئی اس کے بعد عام سکھوں کی تلاشی لینے کے بعد یہاں عبادت کرنے کی اجازت دی گئی۔

انسانیت کو شرما دینے والے ان بھیانک جرائم کا ارتکاب بھارتی فوج نے صرف اپنی ''تفنن طبع'' کے لئے نہیں کیا تھا......بلکہ انہیں خاص طور پر یہ ہدایات دی گئی تھیں۔جن پر انہوں نے اپنی حکومت کی توقعات پر پورا اترتے ہوئے کسی بھی ملک کے وفادار فوجیوں کی طرح عمل کیا......ایسی ہی

ہانیاں پنجاب کے ہر قابل ذکر گوردوارے میں دہرائی گئیں......!سوائے ان ''اکالی دل'' کے رکردہ رہنماؤں کے جن کو حکومت کسی اچھے وقت کے لئے بچا کر رکھنا چاہتی تھی اور کسی سکھ کو معاف ہیں کیا گیا......!!

1947ء میں ہندو کی سازش کا شکار ہو کر سکھوں نے مسلمانوں کے خلاف جن جرائم کا ارتکاب کیا تھا اس سے ہزار گنا زیادہ بھیانک سزا انہیں ان کے آقاؤں کی طرف سے 1984ء میں مل گئی......لیکن......ابھی مکافات عمل کا سلسلہ ختم نہیں ہوا تھا......!!

اس کے بعد پھر مسز اندرا گاندھی کے قتل پر جس طرح سکھوں کے خون سے سرکاری سرپرستی میں لی کھیلی گئی وہ انسانیت کی تاریخ کا ناقابل فراموش اور المناک باب ہے۔

مرکزی حکومت کی طرف سے پی اے پی (پنجاب آرمرڈ پولیس) بی ایس ایف (بارڈر سیکیورٹی رسز) اور سی آر پی ایف (سنٹرل ریزرو پولیس فورس) کو واضح احکامات جاری ہوئے تھے کہ جیسے ی آپریشن بلیوسٹار پر عمل درآمد شروع ہو وہ دیہاتوں میں گھس جائیں اور زیادہ سے زیادہ تعداد میں وجوان سکھوں خصوصاً طلباء کو گرفتار کر کے اپنی حراست میں لے لیں تاکہ یہ لوگ امرتسر کی طرف نہ جا سکیں اور نہ ہی انہیں دربار صاحب پہنچنے کا موقعہ ملے......!اس حکم پر 27 مئی 1984ء سے بھارتی پیراملٹری فورسز نے عمل کرنا شروع کر دیا تھا۔انہوں نے اس درمیان ہزاروں سکھ نوجوانوں و گروپوں کی شکل میں گرفتار کر کے جیلوں میں بند کرنا شروع کر دیا جنہیں پھر 1985ء کے آخر میں جیلوں سے رہائی نصیب ہوئی تھی۔

ان میں سینکڑوں وہ بدقسمت بھی ہیں جو آج تک اپنے گھروں کو واپس نہیں لوٹے اور ان کی ماؤں کی آنکھیں اپنے جگر گوشوں کے انتظار میں پتھرا چکی ہیں۔

27 مئی کے بعد سے آپریشن بلیوسٹار کے آغاز تک 50 ہزار کے لگ بھگ سکھ نوجوانوں کو پنجاب اور ہریانہ کے مختلف علاقوں سے گرفتار کر کے غائب کر دیا گیا......!!ان میں سے بے شمار ایسے تھے جو پھر کبھی لوٹ کر واپس نہ آئے۔(سکھ ہیومن رائٹس کمیشن رپورٹ 1985ء صفحہ 72 تا 76)

آج بھی پنجاب میں پولیس یا فوج کے لئے کسی بھی شخص کو معمولی شک کی بناء پر اغوا کر لینا،تشدد کرنا یا جان سے مار ڈالنا کوئی اچنبھے کی بات نہیں سمجھی جاتی۔

"سنڈے آبزرور" کی امرتر ابراہام وہ پہلی خاتون صحافی تھی جس نے اس سانحے کے بعد اگست کے اوائل میں جب فوج نے اپنے جرائم کے نشانات قریباً مٹا دیئے تھے پنجاب کا پانچ روزہ خفیہ دورہ بھیس بدل کر کیا تھا۔

15 اگست 1984ء کے سنڈے آبزرور میں اس نے لکھا:

پنجاب کے دیہات کا سرپنچ فوج نے اغوا کر لیا۔ ان سرپنچوں کو خصوصی ٹیموں کے سامنے پیش کیا گیا اور ان سے سختی سے پوچھ گچھ کی گئی کہ ان کے علاقے میں کون کون سے نوجوان مشتبہ ہیں؟ سرپنچوں نے اپنی جان بچانے کے لئے جہاں نہ چاہتے ہوئے نوجوانوں کے نام لکھوائے وہاں اپنی ذاتی دشمنیوں کا بدلہ بھی اس چکر میں چکا دیا اور کئی بے گناہوں کو ٹارچر سیلوں کی سیر کروادی۔ فوج اور پولیس کے دستے نوجوانوں کو ان کے گھروں سے گرفتار کر کے پکی سڑک پر لے آتے جہاں ان کے کپڑے اتروا کر انہیں تپتی سڑکوں پر ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال کر لٹا دیا جاتا۔ انہیں ننگے پاؤں دھوپ میں جلتی سڑکوں پر بھاگنے پر مجبور کیا جاتا جس کے بعد ٹارچر سیلوں میں پہنچا دیا جاتا جہاں ان کے ساتھ غیر انسانی سلوک روا رکھا گیا......!!

ان میں سینکڑوں وہ نوجوان تھے جو انتہائی کم عمری میں بھارتی فوجیوں کے جنسی تشدد کی بھینٹ پرھ گئے اور انہیں اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے......! اس بہیمانہ اور انسانیت سوز جرم کا سب سے زیادہ قابل نفرت اور اذیتناک پہلو یہ تھا کہ مرنے والوں کے لواحقین کو ان کے پیاروں کی موت سے بے خبر رکھا جاتا تھا۔ پنجاب میں مارشل لاء کا دور دورہ تھا۔ ان لواحقین کے لئے کوئی ایسا راستہ نہیں تھا کہ وہ کم از کم اپنے پیاروں کی موت کی تصدیق ہی کر سکتے......یہ سب کچھ شاید اس لئے کیا جا رہا تھا کہ ان جرائم کا کوئی ثبوت باقی نہ رہے اور بھارتی فوج کے گناہوں کی پردہ پوشی کی جا سکے۔ لیکن......! آج کی مہذب دنیا میں یہ ممکن نہیں رہا کہ دنیا کی کسی فوج کے جرائم پیشہ کے لئے چھپے رہیں......! (سنڈے آبزرور 15 اگست 1989)

ظلم کی ہر وہ روایت جو انسانی تاریخ کے کسی دور میں موجود رہی ہوگی زندہ کی گئی۔ زندہ انسانوں کو آگ میں جلایا گیا......!!

عورتوں اور کم عمر نوجوانوں کو جنسی تشدد کر کے موت کے گھاٹ اتارا گیا۔

ایک ماہ تک پنجاب "رومن اکھاڑہ" بنا رہا!

درندگی اور بہیمت کا ننگا ناچ جاری رہا

لیکن......!

عالمی پریس، انٹرنیشنل ریڈ کراس، ہیومن رائٹس یا کسی بھی غیر ملکی وفد کو پنجاب میں داخلے کی جازت اس وقت تک نہیں مل سکی جب تک کہ وہاں سے بھارتی فوج نے اپنے جرائم کے تمام نشانات مٹا نہیں ڈالے......اب کہانیاں باقی رہ گئی تھیں......! کہانیاں جنہیں بھارتی حکومت نے جھٹلانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن جو اتنی ہی سچی ہیں جتنی بھارتی حکمرانوں کی درندگی......!! 6 جون 1984ء کو طاقت اور اقتدار کے نشے میں دھت بھارتی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی نے دربار صاحب میں فوج داخل کر کے شاید اپنی دانست میں "سکھ مسئلے" کا خاتمہ ہی کر دیا تھا۔ لیکن......! اس کی توقعات کے برعکس اس کا نتیجہ بڑا بھیانک نکلا نہ صرف مسز اندرا گاندھی بلکہ اس آپریشن کے قریباً ہر متحرک کردار کو سکھوں نے مار ڈالا......چھپ کر نہیں......اعلان کر کے مار ڈالا۔

مسز اندرا گاندھی نے اپنی موت سے ایک روز پہلے اپنے دونوں سکھ محافظوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بی بی سی کے نمائندے سے کہا تھا "یہ سکھ مجھے قتل کریں گے؟"

اگلے روز ان دونوں نے ہی مسز اندرا گاندھی کو مار ڈالا گو کہ دونوں کو موقعہ پر ہی مار دیا گیا لیکن اس قتل کے فوراً بعد دلی میں بے گناہ اور بے بس سکھوں کے قتل عام کا جو سلسلہ شروع ہوا اس نے ساری دنیا کو دہلا کر رکھ دیا معصوم بچوں، بوڑھوں، عورتوں کو ہندو بلوائیوں نے سڑکوں پر سرعام زندہ جلایا۔ نوجوانوں کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ان کے گلے میں جلتے ٹائر ڈال دیئے جاتے۔ ماؤں کی گود سے بچے چھین کر ان کو تلواروں سے کاٹا گیا۔ یہ تمام مناظر کیمرے کی آنکھ نے محفوظ کیے اور یہ تصاویر دنیا کے کونے کونے میں دیکھی گئیں لیکن افسوس مہذب دنیا نے سوائے اظہار افسوس کے کچھ نہیں کیا۔ ہزاروں بے گناہوں کے اس بہیمانہ قتل عام پر مسز اندرا گاندھی کے سپوت اور بھارت کے وزیر اعظم مسٹر راجیو گاندھی نے کہا کوئی بڑا درخت کٹ کر زمین پر گرتا ہے تو تھوڑی بہت تباہی ضرور آتی ہے۔

ان کے نزدیک ان سکھوں کی حیثیت کیڑے مکوڑوں سے زیادہ نہیں تھی اور آج بھی یہی حال ہے اس حادثہ جانکاہ کے بطن سے تحریک خالصتان نے جنم لیا جو آج تک کسی نہ کسی شکل میں جاری ہے۔ خالصتان تحریک کو ختم کرنے کے لئے بھارتی حکومت نے ہیومن رائٹس کمیٹیوں کی رپورٹس کے

مطابق ڈھائی لاکھ سے زیادہ سکھوں کا پنجاب کے کونے کونے میں قتل عام کیا۔ 35 ہزار سکھوں کو غائب کر دیا گیا اور 1984 سے تادم تحریر ہزاروں بے گناہ سکھ بھارتی عقوبت خانوں میں زندہ درگور ہیں جن کی کہیں شنوائی نہیں ہو رہی۔

مشرقی پنجاب اور دلی کے شہروں اور دیہاتوں میں ہزاروں کی تعداد میں ہندو سامراج کے زخم خوردہ سکھ گھرانے انتہائی کسمپرسی کی حالت میں زندگی کی گاڑی گھسیٹ رہے ہیں۔ انہیں بھارتی عدالتوں پر اعتماد نہیں رہا جہاں سے انہیں انصاف نہیں ملتا۔ ظلم و ستم کا شکار بے بسی اور حسرت کے تصویر بنی نوجوان بیوائیں بچے، بچیاں اپنے پیاروں کی یاد میں دن رات آنسو بہاتے ہیں اور ہر سال باقاعدگی سے بھارت اور غیر ممالک میں آباد سکھ ''اکال تخت کی تباہی'' اور اپنے پیاروں کے قتل عام پر بھارتی حکومت کے خلاف نعرہ احتجاج بلند کرتے ہیں لیکن ان کی صدائے احتجاج فضاؤں میں گم ہو کر رہ جاتی ہے۔

انسانی تاریخ کا بدترین المیہ نائن الیون ہے جس نے پوری دنیا کا خمیر ہی بدل کر رکھ دیا ہے اس نام نہاد دہشت گردی نے جو آج تک خود امریکیوں کے نزدیک بھی متنازعہ ہے دنیا بھر کے مظلوموں کو زندہ درگور کر دیا ہے کیونکہ جب کوئی مظلوم اپنے حق کے لئے ہر طرف سے مجبور ہو کر بندوق اٹھاتا ہے ظالم حکومتیں اس پر ''دہشت گردی'' کا لیبل چپکا دیتی ہیں۔ نائن الیون کا [redacted] سے زیادہ فائدہ بھارت کو ہوا ہے جس نے خصوصاً سکھ اور کشمیری حریت پسندوں کو امریکہ کی آشیرواد سے ''دہشت گرد'' بنا دیا ہے اور ان کے احتجاج کو بھی دہشت گردی کا روپ دے دیا جاتا ہے۔

اپنے مفادات کے حصول کے لئے امریکہ نے گو کہ بھارت کے ہر ناجائز اقدام کو ''جائز'' قرار دے دیا ہے لیکن وہ نہیں جانتا کہ اس کا انجام کتنا بھیانک ہوگا۔

''آزادی'' ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔ اس انسانی جبلت کو سختی سے کچلا نہیں جا سکتا۔ یہ لاوا انسانوں کے دلوں اور دماغوں میں پکتا رہتا ہے بالآخر ایک روز آتش فشاں کی طرح پھٹ جاتا ہے۔ امریکہ کی اس خطے پر گرفت ٹوٹ رہی ہے اور احمقوں کی جنت میں بسنے ، ے امریکی یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ بھارت کو افغانستان میں اپنے مفادات کا ''گارڈین'' بنا جائیں گے جو بڑی ہی احمقانہ سوچ ہے۔ شاید امریکیوں کو اس بات کا اندازہ نہیں کہ ماؤسٹوں سے سکھوں اور کشمیریوں تک پھیلی بھارت میں آزادی اور علیحدگی کی درجنوں تحریکیوں کے لاکھوں بھارت دشمن ہتھیار بند بھی اس روز کے منتظر

ہیں جب امریکہ کا دست شفقت بھارت کے سر سے اٹھے اور وہ ہندو سامراج کو سبق سکھائیں۔

یہ انتظار کتنا طویل ہوگا؟ اس سوال کا جواب بھی کوئی مشکل نہیں کیونکہ ہر ذی شعور کو سامنے کا منظر واضح دکھائی دے رہا ہے۔ جس کے بعد شاید پھر عالمی منظر نامہ بدل جائے۔ بھارت کی سابق وزیر اعظم آنجہانی اندرا گاندھی نے جو آگ مشرقی پاکستان میں بھڑکائی تھی اس کا انجام اپنی زندگی میں ہی دیکھ لیا۔ ان کے لئے یہ اطلاع کتنی تکلیف دہ ہوگی کہ جس جنرل شوبیگ سنگھ کو ''مکتی باہنی'' کا کمانڈر بنایا گیا تھا وہ خالصتان کے باغیوں کا کمانڈر بن کر اس بھارتی فوج کے خلاف گولڈن ٹمپل میں لڑتا ہوا مارا گیا۔ یہ تاریخ کا ایسا سچ ہے جس سے بھارتی حکومت منہ نہیں موڑ سکتی۔ لیکن طاقت کے نشے میں بدمست ہاتھی کو کبھی تلخ سچائی کا ادراک نہیں ہوتا کہ کبھی کبھی ایک چیونٹی بھی اس کی موت کا سبب بن جاتی ہے۔

امریکی آشیرواد سے آج بھارتی حکومت نے سکھوں کو شودروں سے بدتر زندگی بسر کرنے پر مجبور ضرور کر دیا ہے لیکن انہوں نے اس ظلم کو بھلایا نہیں اور آج بھی وہ پرعزم دکھائی دیتے ہیں گو کہ خالصتان تحریک آگ کے الاؤ سے بجھتی لکڑیوں کی راکھ بن چکی ہے لیکن کسی بھی لمحے کوئی چنگاری اس راکھ سے پیدا ہو کر ہندو سامراج کے تکبر اور رعونت کو جلا کر خاک کر سکتی ہے۔ ''وقت کبھی ایک سا نہیں رہتا'' تاریخ کا سبق یہی ہے اور وقت بدلتے کبھی دیر بھی نہیں لگتی۔ یہ بھی آج کا بہت بڑا سچ ہے۔

مکتی باہنی کے ذریعے ہندو سامراج نے اپنے ہمسایہ ممالک میں جس تخریب کاری کا آغاز کیا تھا اس کی بھینٹ آغاز کرنے والی مسز اندرا گاندھی ہی نہیں ان کے سپوت مسٹر راجیو گاندھی بھی چڑھ گئے جنہوں نے اپنی پوجیہ ماتا جی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سری لنکا میں تامل ٹائیگرز کی بنیاد رکھی اور ایک روز ایل ٹی ٹی ای کی ہی ایک کمزور سی عورت نے انہیں خودکش حملے میں مار ڈالا۔ اب آگے آگے دیکھتے ہوتا ہے کیا۔

اکتوبر 2010

لاہور